

RARE BOOK  
NOT TO BE ISSUED

سلسلہ مطبوعات دارالاسلام نمبر ۱۹

CHECKED

CHECKED

# خطبات

مصنفہ

ابوالاعلیٰ مودودی

Checked  
1987

۱۶

شانہ کردہ

CHECKED 1995

مکتبہ جماعت اسلامی - دارالاسلام - متصل ٹچانکوٹ

قیمت ... ۱۳۰/-



# فہرست مضامین

۱۰۶	مسلمان ہونے کے لیے علم کی ضرورت	۴	نمازیں بے اثر کیوں ہو گئیں
۱۱۳	مسلم اور کافر کا اعلیٰ فرق	۱۰	روزہ
۱۲۰	سوچنے کی باتیں	۱۷	روزے کا اصل مقصد
۱۲۶	کلمہ طیبہ کے معنی	۲۴	زکوٰۃ
۱۳۵	کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ	۳۲	زکوٰۃ کی حقیقت
۱۴۴	کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کا مقصد	۳۹	آجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام
۱۵۲	مسلمان کے کہتے ہیں	۴۴	انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام
۱۶۱	ایمان کی کنوٹی	۵۴	زکوٰۃ کے احکام
۱۶۹	خدا کی اطاعت کس لیے	۶۱	حج
۱۷۹	دین اور شریعت	۶۷	حج کی تاریخ
۱۸۸	عبادت	۷۵	حج کے فائدے
۱۹۶	نماز	۸۲	حج کا عالمگیر اجتماع
۲۰۸	نماز میں آپ کیا پڑھتے ہیں	۸۹	جہاد
۲۱۹	نماز باجماعت	۹۷	جہاد کی اہمیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## مقدمہ

جس زمانہ میں میرا قیام پٹھان کوٹ کے قریب قریہ جہاں پور میں تھا اور اس مقام کو "ادارہ دارالاسلام" کا مرکز بنانے کی تجویز تھی، میں نے وہاں کی سب سے اقامت جمعہ کا انتظام کر کے دیہات کے باشندوں کو دین اسلام سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ مجموعہ انھی خطبات پر مشتمل ہے۔ ان خطبات میں میرے مخاطب گاؤں کے لوگ تھے۔ اور وہ بھی پنجاب کے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے اس لیے مجھے زبان اور انداز بیان دونوں نہایت سہل و عام فہم اختیار کرنے پڑے۔ اس طرح ایک ایسا مجموعہ تیار ہو گیا ہے جو عوام کو دین کی تعلیم دینے کے لیے ان شمار الہ بہت مفید ثابت ہو گا۔

اس سے پہلے میں اپنے رسالہ دینیات میں عقائد اسلام کی کافی تشریح کر چکا ہوں اور اسلام کے نظامِ رحمت کو بھی میں مختصر کے ساتھ وہاں بیان کر دیا ہے۔ اب اس مجموعہ میں دو چیزیں اور ضروری شرح و بسط کے ساتھ آگئی ہیں۔ ایک فوجِ دین۔ دوسرے عبادات۔ مجھے امید ہے کہ جو لوگ رسالہ دینیات کے ساتھ ان خطبات کو ملا کر پڑھیں گے ان کے لیے دین کی راہ اچھی طرح روشن ہو جائے گی۔ و یا اللہ التوفیق۔

جو اصحاب خطبات کو جمعہ میں سنا نا چاہیں وہ ہر خطبہ کی ابتداء میں خطبہ مستونہ پڑھیں خطبہ ثانیہ کے انتخاب میں وہ آزاد ہیں مگر وہ لازماً عربی میں ہونا چاہیے۔

ابوالاعلیٰ

لاہور ۱۵ مارچ ۱۹۵۷ء

# مسلمان کیلئے علم کی ضرورت

برادران اسلام! ہر مسلمان سچے دل سے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں خدا کی جس بڑی نعمت اسلام ہے۔ ہر مسلمان اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اسے شامل کیا اور اسلام کی نعمت اس کو عطا کی۔ خود اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنے بندوں پر اپنا سب سے بڑا انعام قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُم دِیْنَکُمْ وَ اَقْنَعْتُ عَلَیْکُم دِیْنِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا)۔ یہ احسان جو اللہ نے آپ پر فرمایا ہے، اس کا حق ادا کرنا آپ پر فرض ہے کیونکہ جو شخص کسی کے احسان کا حق ادا نہیں کرتا وہ احسان فراموش ہوتا ہے اور سب بدتر احسان فراموشی یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے احسان کا حق بھول جائے۔ اب آپ مجھ سے پوچھیے کہ خدا کے احسان کا حق کس طرح ادا کیا جائے؟ میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ جب خدا نے آپ کو امت محمدیہ میں شامل کیا ہے تو اس کے احسان کا صحیح شکریہ ہے کہ آپ پورے محمدی نہیں جب خدا نے آپ کو مسلمانوں کی امت میں شامل کیا ہے تو اس کی اس ہر بانی کا حق آپ اسی طرح ادا کر سکتے ہیں کہ آپ پورے مسلمان نہیں۔ اس کے سوا خدا کے اس احسان عظیم کا حق آپ ادا کر ہی نہیں کر سکتے، اور یہ حق اگر آپ نے ادا نہ کیا تو جتنا بڑا خدا کا احسان ہے، اتنا ہی بڑا اس احسان فراموشی کا وبال بھی ہو گا۔ خدا ہم سب کو اس وبال سے بچائے۔ آمین۔

اس کے بعد آپ مجھ سے سوال کیجیے کہ آدنی پورا مسلمان کس طرح بن سکتا ہے؟ اس کا جواب بہت تفصیل چاہتا ہے اور آئندہ میں جہے کے خطبوں میں سی کا ایک ایک خزانہ آپ کے سامنے پوری تشریح کے ساتھ بیان کرتا ہوں گا۔ لیکن آج کے خطبہ میں، میں آپ کے سامنے وہ چیز بیان کرتا ہوں جو مسلمان بننے کے لیے سب



سے مقدم ہے۔ ان کو اس راستہ کا سب سے پہلا قدم سمجھنا چاہیے۔

ذرا دماغ پر زور ڈال کر سوچیں کہ آپ مسلمان کا لفظ جو بولتے ہیں اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا انسان مان کے پیٹ سے "اسلام" ساتھ لے کر آتا ہے؟ کیا ایک شخص صرف اس بنا پر مسلمان ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کا بیٹا اور مسلمان کا پوتا ہے؟ کیا مسلمان بھی اسی طرح مسلمان پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک برہمن کا بچہ برہمن پیدا ہوتا ہے، ایک راجپوت کا بیٹا راجپوت پیدا ہوتا ہے اور ایک شورو کا لڑکا شورو پیدا ہوتا ہے؟ کیا مسلمان کسی نسل یا ذات برادری کا نام ہے جس طرح ایک انگریز، انگریزی قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے انگریز ہوتا ہے، اور ایک جاٹ جاٹ قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے جاٹ ہوتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان، صرف اس وجہ سے مسلمان ہو کہ وہ مسلمان نانی قوم میں پیدا ہوا ہے؟ یہ سوالات جو میں آپ سے کر رہا ہوں ان کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے، مگر نہیں صاحب! مسلمان اس کو نہیں کہتے۔ مسلمان تو پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسلام لانے کو مسلمان بنتا ہے، اور اسلام چھوڑتے ہی آدمی مسلمان نہیں رہتا۔ ایک شخص خواہ برہمن ہو یا راجپوت، انگریز ہو یا جاٹ، پنجابی ہو یا ہشتی جب اس نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا۔ اور ایک دوسرا شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اگر وہ اسلام کی پیروی چھوڑے تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جائے گا۔ چاہے وہ سیر کا بیٹا ہو یا چٹھان کا۔

کیوں حضرات آپ میرے سوالات کا یہی جواب دیں گے نا؟ اچھا تو اب آپ ہی کے جواب سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خدا کی یہ سب بڑی نعمت جو آپ کو حاصل ہے، یہ کوئی پیدائشی چیز نہیں ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی خود بخود آپ کو حاصل ہو جائے اور خود بخود تمام عمر آپ کے ساتھ لگی رہے، خواہ آپ اس کی پروا کریں یا نہ کریں۔ بلکہ یہ ایسی نعمت ہو کہ اس کے حاصل کرنے کے لیے خود آپ کی کوشش شرط ہے۔ اگر آپ کوشش کر کے اسے حاصل کریں تو یہ آپ کو مل سکتی ہے اور اگر آپ اس کی پروا نہ کریں تو یہ آپ سے چھین بھی سکتی ہے۔ معاذ اللہ! اب آگے بڑھیے۔ آپ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے آدمی مسلمان بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام لانے کا

م ہے۔ ہر مسلمان

شامل کیا اور

تیا ہے جیسا کہ

میں لکھا ہے

بن اسلام کو پسند

کسی کے جہان

ن اپنے خدا کے

سے ہیں اس

سچ شکر یہ ہے

فی کا حق آپ

در کسی طرح ادا

فراموشی کی مثال

ب بہت تفصیل

کے سبب بیان

کے لیے ب

مطلب کیا ہے؟ کیا اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی بس زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں، یا مسلمان بن گیا ہوں، وہ مسلمان ہے؟ یا اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک برہمن پجاری بغیر بچے بوجھے سنسکرت کے چند منتر پڑھتا ہے اسی طرح ایک شخص عربی کے چند فقرے بغیر بچے بوجھے زبان سے ادا کرے اور بس وہ مسلمان ہو گیا؟ آپ بتائیے کہ اس سوال کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے کہ اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے اس کو آدمی جان کر، سمجھ کر، دل سے قبول کرے، اور اس کے مطابق عمل کرے جو ایسا کرے وہ مسلمان ہے اور جو ایسا نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔

یہ جواب جو آپ دیں گے اس سے خود بخود دیر بات کھل گئی کہ اسلام پہلے علم کا نام ہے، اور علم کے بعد عمل کا نام ہے۔ ایک شخص علم کے بغیر برہمن ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ برہمن پیدا ہوا ہے اور برہمن ہی رہے گا۔ ایک شخص علم کے بغیر جاٹ ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ جاٹ پیدا ہوا ہے اور جاٹ ہی رہے گا۔ مگر ایک شخص علم کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا، کیونکہ مسلمان پیداؤں سے مسلمان نہیں ہوتا بلکہ علم سے ہوتا ہے جب تک اس کو یہ علم نہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے، وہ اس پر ایمان کیسے لاسکتا ہے اور اس کے مطابق عمل کیسے کر سکتا ہو؟ اور جب وہ جان کر اور سمجھ کر ایمان ہی نہ لایا تو مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ جہالت کے ساتھ مسلمان ہونا اور مسلمان رہنا غیر ممکن ہے۔ شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے جس کا نام مسلمانوں کا ماں ہے جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے، اور جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے، بلکہ مسلمان حقیقت صرف وہ شخص جو اسلام کا علم رکھتا ہو اور جان بوجھ کر اس پر ایمان لائے۔ ایک کافر اور ایک مسلمان میں صلی فرق نام کا نہیں ہے کہ وہ رام پرشاد ہے اور یہ عبد اللہ ہے، اس لئے کہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ اسی طرح ایک کافر اور ایک مسلمان میں صلی فرق لباس کا بھی نہیں ہے کہ وہ دھوٹی باندھتا ہے اور یہ پجامہ پہنتا ہے اس لیے کہ کافر ہے اور یہ مسلمان۔ بلکہ صلی فرق ان دونوں کے درمیان علم کا ہے۔ وہ کافر اس لیے ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ خداوند عالم کا اس سے اور اس کا خداوند عالم سے کیا تعلق ہے، اور اپنے خالق کی مرضی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا یہ رھا راستہ کیا ہے؟

اگر یہی  
یہ کہتے ہو

خوب بھی

ہونا اور

حاصل ہو

نادانی کی

جانتا ہی

کوئی شخص

کسی دور

ہے کہ را

آؤں میں

کونسا

کہیں

پنے رات

کوئی دو

کی تعلیم

میں اس

اس پاس



اگر یہی حال ایک مسلمان کے بچے کا بھی ہو تو بتاؤ کہ اس میں اور ایک کا فر میں کس چیز کی بنا پر تم فرق کرتے ہو؟ اور کیوں یہ کہتے ہو کہ وہ تو کا فر ہے اور یہ مسلمان ہے؟

حضرات! یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں اس کو ذرا کان لگا کر سینے اور ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیجیے۔ آپ کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کی یہ سب بڑی نعمت جس پر آپ شرک اور سامندی کا اظہار کرتے ہیں، اس کا حاصل ہونا اور حاصل رہنا دونوں باتیں علم پر موقوف ہیں۔ اگر علم نہ ہو تو بغیر آدمی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور اگر تھوڑی بہت حاصل ہو بھی جائے تو جہالت کی بنا پر ہر وقت خطرہ ہے کہ عظیم الشان نعمت اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی۔ محض نادانی کی بنا پر وہ اپنے نزدیک سمجھتا ہے گا کہ میں بھی ایک مسلمان ہوں، حالانکہ وہ درحقیقت کفر و ایمان نہ ہو گا۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ اسلام اور کفر میں کیا فرق ہے، اور اسلام اور شرک میں کیا امتیاز ہے، اس کی مثال تو بالکل ایسی ہو جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ایک پگ ڈنڈی پر چل رہا ہو، ہو سکتا ہے کہ یہ بھی لکیر پر چلتے چلتے خود بخود اس کے قدم کسی دوسرے راستے کی طرف ٹٹ جائیں اور اس کو یہ خبر بھی نہ ہو کہ میں سیدھی راہ سے بہٹ گیا ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راستے میں کوئی دجال کھڑا ہوا مل جائے اور اس سے کہے کہ ارے میاں تم اندھیرے میں راستہ بھول چکے ہو۔ آؤ میں تمہیں منزل تک پہنچا دوں۔ بیچارہ اندھیرے کا مسافر چونکہ خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا کہ یہ بھلا راستہ کونسا ہے، اس لیے نادانی کے ساتھ اپنا ہاتھ اس دجال کے ہاتھ میں ڈال دیتا ہے اور وہ اس کو بھٹکا کر کہیں سے کہیں لے جائے گا۔ یہ خطرات اس شخص کو اسی بے توجہی سے آتے ہیں کہ اس کے پاس خود کو کوئی روشنی نہیں ہے اور وہ خود اپنے راستے کے نشانات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر اس کے پاس روشنی موجود ہو تو ظاہر ہے کہ نہ وہ راستہ بھولے گا اور نہ کوئی دوسرا اس کو بھٹکا سکے گا۔ بس یہی پر قیاس کر لیجیے کہ مسلمان کے لیے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو یہی کہ وہ خود اسلام کی تعلیم سے متاوقف ہو، خود یہ نہ جانتا ہو کہ قرآن کیا سکھاتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہدایت دے گئے ہیں۔ اس جہالت کی وجہ سے وہ خود بھی بھٹک سکتا ہے اور دوسرے دجال بھی اس کو بھٹکا سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے پاس علم کی روشنی ہو تو وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کے سیدھے راستے کو دیکھ سکے گا، ہر قدم پر کفر اور شرک کو دیکھ کر

مسلمان

سکرت

مان

یہ

اس

عمل

نقص

مسلمان

حضرت

تاریخ

مسلمان

مانوں

نقص

ام کا

مان میں

بلکہ صلی

راس کا

کیا ہے

اور فسق و فجور کے جو بیڑے راستے بیچ میں آئیں گے ان کو پہچان کر ان سے بچ سکے گا اور جو کوئی راستے میں اس کو بہکانے والا ملے گا تو اس کی دو چار باتیں ہی سن کر وہ خود سمجھ جائے گا کہ یہ بہکانے والا آدمی ہے، اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے۔

بھائیو! یہ علم جس کی ضرورت میں آپ سے بیان کر رہا ہوں اس پر تمہارے اور تمہاری اولاد کے مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کا انحصار ہے۔ یہ کوئی سمجھتی چیز نہیں ہے کہ اس سے بے پروائی کی جائے۔ تم اپنی کھیتی باڑی کے کام میں غفلت نہیں کرتے، اپنے مویشیوں کو چارہ دینے میں غفلت نہیں کرتے، اپنے پیشے کے کاموں میں غفلت نہیں کرتے۔ یہ کس لیے؟ محض اس لیے کہ اگر غفلت کر و گے تو بھوکے مر جاؤ گے اور جان جیسی چیز ضائع ہو جائے گی۔ پھر مجھے بتاؤ کہ اس علم کے حاصل کرنے میں کیوں غفلت کرتے ہو جس پر تمہارے مسلمان بننے اور مسلمان رہنے کا دار و مدار ہے؟ کیا اس میں یہ خطرہ نہیں کہ ایمان جیسی عزیز چیز ضائع ہو جائے گی کیا ایمان جان سے زیادہ عزیز چیز نہیں ہے؟ تم جان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کے لیے جتنا وقت اور جتنی محنت صرف کرتے ہو کیا اس وقت اور محنت کا دسواں حصہ بھی ایمان کی حفاظت کرنے والی چیزوں کے لیے صرف نہیں کر سکتے؟

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم میں سے ہر شخص مولوی بنے، بڑی بڑی کتابیں پڑھے اور اپنی عمر کے دس بارہ سال پڑھنے میں صرف کر دے۔ مسلمان بننے کے لیے اتنا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ علم دین سیکھنے میں مصروف رہے۔ کم از کم اتنا مسلم ہو مسلمان بچے اور بوڑھے اور جوان کو حامل ہونا چاہیے

کہ قرآن جس مقصد کے لیے اور جو تعلیم لے کر آیا ہے اس کا بُب باب جان لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مٹانے کے لیے اور اُس کی جگہ جو چیز قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے اُس کو خوب پہچان لے۔ اور اُس خاص طریق زندگی سے واقف ہو جائے جو اللہ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ اتنے علم کے لیے کچھ زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ایمان عزیز ہو تو اس کے لیے ایک گھنٹہ و نہ بکانا کچھ مشکل نہیں۔



## مسلم اور کافر کا اصلی فرق

برادران اسلام! ہر مسلمان اپنے از نزدیک یہ سمجھتا ہے، اور آپ بھی ضرور ایسا ہی سمجھتے ہوں گے کہ مسلمان کا دوزخ کا فرسہ اونچا ہے۔ مسلمان کو خدا اپنے رکھ لے گا اور کافر کو ناپت کرے گا۔ مسلمان خدا کے ہاں بخشا جائے گا اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ مسلمان جنت میں جائے گا اور کافر دوزخ میں جائے گا۔ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ مسلمان اور کافر میں اتنا بڑا فرق آخر کیوں ہوتا ہے؟ کافر بھی آدم کی اولاد ہے اور تم بھی۔ کافر بھی ایسا ہی انسان ہے جیسے تم ہو۔ وہ بھی تمھارے ہی جیسے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان رکھتا ہے۔ وہ بھی اسی ہو ایسے سانس لیتا ہے یہی پانی پیتا ہے۔ اسی زمین پر رہتا ہے۔ یہی پیداوار رکھتا ہے۔ اسی طرح پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح مرتا ہے۔ اسی خدا سے اس کو بھی پیدا کیا ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ پھر آخر کیوں اس کا درجہ نیچا ہے اور تمھارا اونچا؟ تمھیں جنت کیوں ملے گی اور وہ دوزخ میں کیوں ڈالا جائے گا؟

یہ بات ذرا سوچنے کی ہے۔ آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق صرف اتنی سی بات تو نہیں ہو سکتا کہ تم عبد اللہ اور عبد الرحمن اور ایسے ہی دوسرے ناموں سے پکارے جاتے ہو اور وہ دین دیال اور گیت اسٹیک اور رابرٹن جیسے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ یا تم غنہ کرتے ہو اور وہ نہیں کرتا۔ یا تم گوشت کھاتے ہو اور وہ نہیں کھاتا۔ اللہ تعالیٰ جس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور جو سب کا پروردگار ہے ایسا ظلم تو کبھی نہیں کر سکتا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی مخلوقات میں فرق کرے اور ایک بندے کو جنت میں اور دوسرے کو دوزخ میں بھیجائے۔

جب یہ بات نہیں ہے تو پھر غور کرو کہ دونوں میں اصلی فرق کیا ہے؟ اس کا جواب صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں میں اصلی فرق اسلام اور کفر کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے معنی خدا کی فرماں برداری کے ہیں اور کفر کے معنی خدا کی نافرمانی کے، مسلمان اور کافر دونوں انسان ہیں، دونوں خدا کے بندے ہیں، مگر ایک انسان اس لیے

مفضل ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے مالک کو پہچانتا ہے، اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے، اور اس کی نافرمانی کے انجام سے ڈرتا ہے۔ اور دوسرا انسان اس لیے اونچے درجے سے گرجاتا ہے کہ وہ اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اور اس کی فرماں برداری نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے مسلمان سے خدا خوش ہوتا ہے اور کافر سے ناراض، مسلمان کو جنت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور کافر کو کہتا ہے کہ وہ جہنم میں ڈالوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر سے جدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک علم اور دوسرا عمل۔ یعنی پہلے تو اسے یہ جاننا چاہیے کہ اس کا مالک کون ہے؟ اس کے احکام کیا ہیں؟ اس کی مرضی پر چلنے کا طریقہ کیا ہے؟ کن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے؟ پھر جب یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو دوسری بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مالک غلام بنا دے جو مالک کی مرضی ہو اس پر چلے اور جو اپنی مرضی ہو اس کو چھوڑ دے۔ اگر اس کا دل ایک کام کو چاہے اور مالک کا حکم اس کے خلاف ہو تو اپنے دل کی بات نہ مانے اور مالک کی بات مان لے۔ اگر ایک کام اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور مالک کہے کہ وہ بُرا ہے، تو اسے بُرا ہی سمجھے، اور اگر دوسرا کام اسے بُرا معلوم ہوتا ہو مگر مالک کہے کہ وہ اچھا ہے تو اسے اچھا ہی سمجھے۔ اگر ایک کام میں اسے نقصان نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اس کو کیا جائے تو چاہے اس میں جان اور مال کا کتنا ہی نقصان ہو، وہ اس کو ضرور کر کے ہی چھوڑ دے۔ اگر دوسرے کام میں اس کو فائدہ نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اسے نہ کیا جائے، تو خواہ دنیا بھر کی دولت ہی اس کام میں کیوں نہ ملتی ہو، وہ اس کام کو برگزیدہ نہ کرے۔

یہ علم اور یہ عمل جس کی وجہ سے مسلمان خدا کا پیارا بندہ ہوتا ہے، اور اس پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور خدا اس کو عزت عطا کرتا ہے۔ کافر یہ علم نہیں رکھتا اور علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا عمل بھی ایسا نہیں ہوتا، اس لیے وہ خدا کا جاہل و نافرمان بندہ ہوتا ہے، اور خدا اس کو اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔

اب خود ہی انصاف سے کام لے کر سوچو کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، مگر ویسا ہی جاہل ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے، اور ویسا ہی نافرمان ہو جیسا ایک کافر ہوتا ہے، تو محض نام اور لباس اور کھانے پینے کے فرق کی

ن کا درجہ

افرقی

یہ پر غور

افسان

ہے یہی

ی خدا

عزت

دراشت

جیسے

تعالیٰ

یہ پر

اور

کفر

اس

وجہ سے وہ کافر کے مقابلہ میں کس طرح افضل ہو سکتا ہے اور کس بنا پر دنیا اور آخرت میں خدا کی رحمت کا حق دار  
 ہو سکتا ہے؟ اسلام کسی نسل، خاندان یا برادری کا نام نہیں ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے پوتے کو آپ ہی آپ  
 مل جائے۔ یہاں یہ بات نہیں ہے کہ برہمن کا لڑکا چاہے کیسا ہی جاہل ہو اور کیسے ہی بُرے کام کرے، مگر وہ دنیا  
 ہی ہو گا کہ برہمن کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور دینی ذات کا ہے۔ اور چار کا لڑکا چاہے علم اور عمل کے لحاظ سے  
 ہر طرح اس سے بڑھ کر ہو، مگر وہ نیچا ہی ہے گا، کیونکہ چار کے گھر پیدا ہوا ہے اور کمین ہے۔ یہاں تو خدا نے اپنی  
 کتاب پاک میں صاف فرما دیا ہے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ یعنی جو خدا کو زیادہ پہچانتا ہے اور اس  
 کی زیادہ فرماں برداری کرتا ہے، وہی خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے۔ حضرت بلالؓ ایک بت پرست گھر پیدا  
 ہوئے۔ مگر انھوں نے خدا کو پہچانا اور اس کی فرماں برداری کی، اس لیے خدا نے ان کو ساری دنیا کا امام بنا دیا  
 حضرت نوحؑ کا لڑکا ایک تینبر کے گھر پیدا ہوا، مگر اس نے خدا کو پہچانا اور اس کی نافرمانی کی اس لیے خدا نے اس کے  
 خاندان کی کچھ پروانہ کی اور اسے ایسا عذاب دیا جس پر دنیا عبرت کرتی ہے پس خوب لپچی طرح سمجھ لو کہ خدا کے نزدیک  
 انسان اور انسان میں جو کچھ بھی فرق ہے وہ علم اور عمل کے لحاظ سے ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کی  
 رحمت صرت انہی کے لیے ہے جو اس کو پہچانتے ہیں، اور اس کے بتائے ہوئے پر عمل راسخ رہتے ہیں۔  
 اور اس کی فرماں برداری کرتے ہیں جن لوگوں میں یہ صفت نہیں ہے، ان کے نام خواہ عبداللہ اور عبدالرحمن ہوں  
 یا دین دیال اور گینڈا سنگھ، خدا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور ان کو اس کی رحمت سے کوئی حق  
 نہیں پہنچتا۔

بھائیو! تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو، اور تمھارا ایمان ہے کہ مسلمان پر خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ مگر  
 ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، کیا خدا کی رحمت تم پر نازل ہو رہی ہے؟ آخرت میں جو کچھ ہو گا وہ تو تم بعد میں سمجھو گے  
 مگر اس دنیا میں تمھارا جو حال ہے اس پر نظر ڈالو اور اس ہندوستان میں تم کو کڑوڑا ہوا تمھاری اتنی بڑی تعداد ہے کہ  
 اگر ایک ایک شخص ایک ایک کنکری پھینکے تو پہاڑ بن جائے لیکن جہاں اتنے مسلمان موجود ہیں وہاں کفار کو کت



کر رہے ہیں۔ بھاری گردنیں کی ٹٹھی میں ہیں کہ جدھر چاہیں تھیں موڑ دیں بھارا سر جو خدا کے سوا کسی کے آگے جھکتا تھا، اب انسانوں کے آگے جھکے رہا ہے۔ بھاری عزت جس پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی ہمت نہ کر سکتا تھا، آج وہ خدا میں مل رہی ہے۔ بھارا ہاتھ جو ہمیشہ اونچا ہی رہتا تھا اب وہ نیچا ہوتا ہے اور کافر کے آگے پھیتا ہے۔ جہالت اور افلاس اور قرض داری نے ہر جگہ تم کو ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ کیا یہ خدا کی رحمت ہے؟ اگر یہ رحمت نہیں ہے، بلکہ کھلا ہوا غضب ہے، تو کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان اور اس پر خدا کا غضب نازل ہو! مسلمان اور ذلیل ہو! مسلمان اور غلام ہو! یہ تو ایسی ناگن بات ہے جیسے کوئی چیز سفید بھی ہو اور سیاہ بھی جب مسلمان خدا کا محبوب ہوتا ہے تو خدا کا محبوب دنیا میں ذلیل و خوار کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تو ذلیل تھا اور خدا ظالم ہے کہ تم اس کا حق پہچاؤ اور اس کی فرمان برداری کرو اور وہ نافرمانوں کو تم پر حاکم بنا دے، اور تم کو فرماں برداری کے معاوضے میں سزا دے؟ اگر بھارا ایمان ہے کہ خدا ظالم نہیں ہے، اور اگر تم یقین رکھتے ہو کہ خدا کی فرماں برداری کا بدلہ دوست سے نہیں مل سکتا، تو پھر تمہیں اپنا بڑے گا کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ جو تم کرتے ہو اسی میں کوئی برعکس ہے۔ بھارا نام سرکاری کاغذات میں تو ضرور مسلمان لکھا جاتا ہے، مگر خدا کے ہاں اگر میری سرکار کے دفتر کی سند پر فیصلہ نہیں ہوتا۔ خدا اپنا دفتر الگ لکھتا ہے، وہ تلاش کر دے کہ بھارا نام فرماں برداروں میں لکھا ہوا ہے یا نافرمانوں میں؟

خدا نے تمہارے پاس کتاب بھی بنا کہ تم اس کو پڑھ کر اپنے مالک کو پہچاؤ اور اس کی فرماں برداری کا طریقہ معلوم کر دیکھا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے؟ خدا نے اپنے نبی کو تمہارے پاس بھیجا تاکہ وہ تمہیں مسلمان بننے کا طریقہ سکھائے۔ کیا تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اس نبی نے کیا سکھایا ہے؟ خدا نے تم کو دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا کیا تم اس طریقہ پر چلتے ہو؟ خدا نے کھول کھول کر بتایا کہ کون سے کام ہیں جن سے انسان دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیا تم ایسے کاموں سے بچتے ہو؟ بتاؤ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ اگر تم مانتے ہو کہ نہ تو تم نے خدا کی کتاب در اس کے نبی کی زندگی سے علم حاصل کیا، اور نہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کی، تو تم مسلمان ہوئے کب کہ تمہیں اس کا اجر ملے؟ جیسے تم مسلمان

ہو دیا ہی اگر تھیں بل رہا ہے اور دیا ہی اجر آخرت میں بھی دیکھ لو گے۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مسلمان اور کافر میں علم اور عمل کے ہوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کا علم اور عمل ویسا ہی ہے جیسا کافر کا ہے، اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، تو بالکل جھوٹ کہتا ہے۔ کافر قرآن کو نہیں پڑھتا اور نہیں جانتا کہ اس میں کیا لکھا ہے یہی حال اگر مسلمان کا بھی ہو تو وہ مسلمان کیوں کہلائے گا کافر نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تعلیم ہے اور آپ نے خدا تک پہنچنے کا یہد ہمارا سنا کیا بتایا ہے اگر مسلمان بھی اسی کی طرح نادان ہو تو وہ مسلمان کیسے ہوا؟ کافر کی مرضی پر چلنے کے بجائے اپنی مرضی پر چلتا ہے مسلمان بھی اگر اسی کی طرح خود سر اور آزاد ہو، اسی کی طرح اپنے ذاتی خیالات اور اپنی رائے پر چلنے والا ہو، اسی کی طرح خدا سے بے پروا اور اپنی خواہش کا بندہ ہو تو اسے اپنے آپ کو مسلمان (یعنی خدا کا فرماں بردار) کہنے کا کیا حق ہے؟ کافر حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا اور جس کام میں اپنے نزدیک فائدہ یا لذت دیکھتا ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے چاہے خدا کے نزدیک وہ حلال ہو یا حرام یہی رویہ اگر مسلمان کا ہو تو اس میں ور کافر میں کیا فرق ہوا؟ غرض یہ ہے کہ جب مسلمان بھی اسلام کے علم سے اتنا ہی کوڑا ہو جتنا کافر ہوتا ہے، اور جب مسلمان بھی وہی سب کچھ کرے جو کافر کرتا ہے تو اس کو کافر کے مقابلہ میں کیوں فضیلت حاصل ہو۔ اور اس کا شہر بھی کافر جیسا کیوں نہ ہو؟ یہ ایسی بات ہے جس پر ہم سب کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

میرے عزیز بھائیو! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ میں مسلمانوں کو کافر بنانے چلا ہوں۔ نہیں، میرا مقصد ہرگز نہیں ہے۔ میں خود بھی سوچتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچے کہ ہم آخر خدا کی رحمت سے کیوں محروم ہو گئے ہیں؟ ہم ہر طرف سے کیوں مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟ جن کو ہم کافر، یعنی خدا کے نافرمان بندے کہتے ہیں وہ ہم پر ہر جگہ غالب کیوں ہیں؟ اور ہم جو فرماں بردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہم ہر جگہ مغلوب کیوں ہو رہے ہیں؟ اس کی وجہ پر میں نے جتنا زیا دہ غور کیا، اتنا ہی مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ ہم میں اور کفار میں بس نام کا فرق رہ گیا ہے، ورنہ ہم بھی خدا سے غفلت اور اس سے بے خوئی اور اس کی نافرمانی میں کچھ ان سے کم نہیں ہیں۔ غور و اسافرق ہم میں اور ان میں ضرور ہے، مگر اس کی

وجہ سے ہم کسی اجر کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ سسرار کے مستوجب ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور پھر اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جو کافر کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں، اور پھر ان کی پیروی سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح کافر بھاگتا ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ جیوسٹے پر خدا نے لعنت کی ہے، رشوت کھانے اور کھلانے والے کو جہنم کا یقین دلایا ہے، سو دیکھانے اور کھلانے والے کو بدترین جرم قرار دیا ہے بغیرت کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے فحش اور بے حیائی اور بدکاری پر سخت عذاب کی دھمکی دی ہے، مگر یہ جاننے کے بعد بھی ہم کفار کی طرح یہ سب کام آزادی کے ساتھ کرتے ہیں، گویا ہمیں خدا کا کوئی خوف ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جو کفار کے مقابلہ میں مقہور ٹرے بہت مسلمان بنے ہوئے نظر آتے ہیں، اس پر ہمیں انعام نہیں ملتا، بلکہ سزا دی جاتی ہے۔ کفار کا ہم پر حکمراں ہونا، ہر جگہ ہمارا زک ٹھکانا اسی جرم کی سزا ہے کہ ہمیں اسلام کی نعمت دی گئی تھی اور پھر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔

غرض! آج کے خطبہ میں جو کچھ میں نے کہا ہے، یہ اس لیے نہیں ہے کہ تم کو ملامت کروں۔ میں ملامت کرتے نہیں اٹھا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ کھو یا گیا ہے اس کو پھر سے حاصل کرنے کی کچھ فکر کی جائے۔ کھوئے ہوئے کو پانے کی فکر اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کو معلوم ہو کہ اس کے پاس سے کیا چیز کھوئی گئی ہے اور وہ قیمتی چیز ہے۔ اسی لیے میں تم کو چھوٹے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر تم کو ہوش آجائے اور تم سمجھ لو کہ حقیقت میں بہت قیمتی چیز تم سے پاس تھی تو تم پھر سے اس کے حاصل کرنے کی فکر کرے گے۔

میں نے پچھلے خطبہ میں تم سے کہا تھا کہ مسلمان کو مسلمان ہونے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلام کا علم ہے۔ ہر مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کی تعلیم کیا ہے، رسول پاک کا طریقہ کیا ہے، اسلام کس کو کہتے ہیں، اور کفر و اسلام میں اصلی فرق کن باتوں کی وجہ سے ہے۔ اس علم کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا مگر افسوس ہے کہ تم اسی علم کو حاصل کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تم کو احساس نہیں ہوا کہ تم کتنی بڑی نعمت محروم ہو رہے تھائیو اماں اپنے بچے کو دو دو بھی اس وقت تک نہیں دیتی جب تک کہ وہ روک بانگت



نہیں۔ پیاسے کو جب پیاس لگتی ہے تو وہ خود پانی ڈھونڈتا ہے، اور خدا اس کے لیے پانی پیدا بھی کر دیتا ہے۔ جب تم کو خود ہی پیاس نہ ہو تو پانی سے بھرا ہوا کنواں بھی تمھارے پاس آجائے تو بے کار ہے۔ پہلے تم کو خود سوچنا چاہیو کہ دین سے ناواقف رہتے میں تمھارا کتنا بڑا نقصان ہے۔ خدا کی کتاب تمھارے پاس موجود ہے، مگر تم نہیں جانتے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان کی بات دو کیا ہو سکتی ہے؟ نماز تم پڑھتے ہو مگر تمھیں نہیں معلوم کہ اس نماز میں تم اپنے خدا کے سامنے کیا عرض کرتے ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ کل جس کے ذریعہ سے تم اسلام میں داخل ہوتے ہو، اس کے معنی تک تم کو معلوم نہیں اور تم نہیں جانتے کہ اس کلمہ کو پڑھنے کے ساتھ تم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک سلمان کے لیے کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟ کھیتی کے جل جانے کا نقصان تم کو معلوم ہے، روز گار نہ ملنے کا نقصان تم کو معلوم ہے، اپنے مال کے ضائع ہو جانے کا نقصان تم کو معلوم ہے، مگر اسلام سے ناواقف ہونے کا نقصان تمھیں معلوم نہیں جب تم کو اس نقصان کا احساس ہو گا تو تم خود آکر کہو گے کہ ہمیں اس نقصان سے بچاؤ۔ اور جب تم خود کہو گے تو انشاء اللہ تمھیں اس نقصان سے بچانے کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

## سوچنے کی باتیں

برادران اسلام! دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کے پاس اللہ کا کلام بالکل محفوظ تمام تحریفات سے پاک، ٹھیک ٹھیک انہی الفاظ میں موجود ہے جن الفاظ میں وہ اللہ کے رسول برحق پر اتر ا تھا۔ اور دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ بد قسمت لوگ ہیں جو اپنے پاس اللہ کا کلام رکھتے ہیں اور پھر بھی اس کی برکتوں اور بے حد حساب نعمتوں سے محروم ہیں۔ قرآن ان کے پاس اس لیے بھیجا گیا تھا کہ اس کو پڑھیں سمجھیں، اس کے مطابق عمل کریں، اور اس کو لے کر خدا کی زمین پر خدا کے قانون کی حکومت قائم کر دیں۔ وہ ان کو عزت اور طاقت بخشے آیا تھا۔ وہ انھیں زمین پر خدا کا اصلی خلیفہ بنانے آیا تھا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جب انھوں نے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اس نے ان کو دنیا کا امام اور پیشوا بنا کر بھی دکھا دیا۔ مگر اب ان کے ہاں اس کا صرف اس کے سوا کچھ نہیں رہا کہ گھر میں اس کو رکھ کر جن بھوت بدم گائیں، اس کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں باندھیں اور گھول کر پیئیں، اور محض ثواب کے لیے بے سمجھے بوجھ پڑھ لیا کریں۔ اب یہ اس سے اپنی زندگی کے معاملات میں ہدایت نہیں مانگتے۔ یہ اس سے نہیں پوچھتے کہ ہمارے عقائد کیا ہونے چاہئیں؟ ہمارے اعمال کیا ہونے چاہئیں؟ ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں؟ بین دین کس طرح کریں؟ دوستی اور دشمنی میں کس قانون کی پابندی کریں؟ خدا کے بندوں کے اور خود اپنے نفس کے حقوق ہم پر کیا ہیں اور انھیں ہم کس طرح ادا کریں؟ ہمارے لیے حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ اطاعت ہمیں کس کی کرنی چاہیے اور نافرمانی کس کی؟ تعلق کس سے رکھنا چاہیے اور کس سے نہ رکھنا چاہیے؟ ہمارا دوست کون ہے اور دشمن کون؟ ہمارے لیے عزت اور فلاح اور نفع کس چیز میں ہے اور ذلت اور نامرادی اور نقصان کس چیز میں؟ یہ ساری باتیں مسلمانوں

جسے

ما چاہیو

یہ جانتے

موم کہ

لے ذریعہ

ساتھ

جینی کے

نقصان

ہو گا

نے کا



نے قرآن سے پوچھنی چھوڑ دی ہیں۔ اب یہ کافروں اور مشرکوں سے، مگر اہ اور خود غرض لوگوں سے، اور خود اپنے نفس کے شیطان سے ان باتوں کو پوچھتے ہیں اور انہی کے کہے پر چلتے ہیں۔ اس لیے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم پر چلنے کا جو انجام ہونا چاہیے وہی ان کا ہوا اور اسی کو یہ آج ہندوستان میں اسپن اور جادو میں، فلسطین اور شام میں، الجزائر اور مراکش میں، ہر جگہ بری طرح جھگڑا ہے۔ قرآن تو خیر کا سرچشمہ ہے۔ جتنی اور جیسی خیر تم اس سے مانگو گے یہ تمہیں دے گا۔ تم اس سے تمہیں جن بھوت بھگانا اور کھانسی بخار کا علاج اور مقدمہ کی کامیابی اور نوکری کا حصول اور ایسی چھوٹی چھوٹی ذلیل و بے حقیقت چیزیں مانگتے ہو تو یہی تمہیں ملیں گی۔ اگر دنیا کی بادشاہی اور دے زمین کی حکومت مانگو گے تو وہ بھی ملے گی۔ اور اگر عرش الہی کے قریب پہنچنا چاہو گے تو یہ تمہیں وہاں بھی پہنچا دے گا۔ یہ تمہارے اپنے ظرف کی بات ہے کہ سمندر سے پانی کی دو بوندیں مانگتے ہو۔ در نہ سمندر تو دریا بننے کے لیے بھی تیار ہے۔

حضرات! جو تم ظریفیاں ہمارے بھائی مسلمان اللہ کی اس کتاب پاک کے ساتھ کرتے ہیں وہ اس قدر مضحکہ انگیز ہیں کہ اگر یہ خود کسی دوسرے معاملہ میں کسی شخص کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھیں تو اس کی ہنسی اڑائیں بلکہ اس کو پاگل قرار دیں۔ بتائیے اگر کوئی شخص حکیم سے نسخہ لکھوا کر لائے اور اسے پڑھنے میں لپیٹ کر لگے میں باندھ دے یا اسے پانی میں گھول کر پی جائے تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ کیا آپ کو اس پر ہنسی نہ آئے گی اور آپ اسے بے وقوف نہ سمجھیں گے؟ مگر سب سے بڑے حکیم نے آپ کے امراض کے لیے شفا اور رحمت کا جو بے نظیر نسخہ لکھ کر دیا ہے اس کے ساتھ آپ کی آنکھوں کے سامنے رات دن یہی سلوک ہو رہا ہے اور کسی کو اس پر ہنسی نہیں آتی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ نسخہ لکھنے میں لٹکائے اور گھول کر پینے کی چیز نہیں بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی ہدایت کے مطابق دوا استعمال کی جائے۔

بتائیے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور علم طب کی کوئی کتاب لے کر پڑھنے بیٹھ جائے اور یہ خیال کرے کہ محض اس کتاب کو پڑھ لینے سے بیماری دور ہو جائے گی تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ کیا آپ نہ کہیں گے کہ یہ بھڑکے

پاگل خانے میں، اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے، مگر فانی مطلق نے جو کتاب بچے امراض کا علاج کرنے کے لیے بھیجی ہے اس کے ساتھ آپ کا یہی برتاؤ ہے۔ آپ اس کو پڑھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ بس اس کے پڑھ لینے ہی سے تمام امراض دور ہو جائیں گے، اس کی ہدایات پر عمل کر سکتے ہیں ضرورت نہیں، انسان جہیز سے پرہیز کی ضرورت ہے جن کو یہ مضر بتا رہی ہے۔ پھر آپ خود اپنے اوپر بھی وہی حکم کیوں نہیں لگاتے جو اس بیمار پر لگاتے ہیں جو بیماری کے دور کرنے کے لیے صرف علم طب کی کتاب پڑھ لینے کو کافی سمجھتا ہے؟

آپ کے پاس اگر کوئی خط کسی ایسی زبان میں آتا ہے جسے آپ نہ جانتے ہوں تو آپ دوڑے ہوئے جاتے ہیں کہ اس زبان کے جاننے والے سے اس کا مطلب پوچھیں جب تک آپ اس کا مطلب نہیں جان لیتے آپ کو چین نہیں آتا۔ یہ معمولی کاروبار کے خطوط کے ساتھ آپ کا برتاؤ ہے جن میں یاد سے زیادہ چار بیسیوں کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ مگر خداوند عالم کا جو خط آپ کے پاس آیا ہوا ہے اور جس میں آپ کے لیے دین و دنیا کے تمام فائدے ہیں، اسے آپ اپنے پاس یوں ہی رکھ پھوڑتے ہیں، اس کا مطلب سمجھنے کے لیے کوئی بے چینی آپ میں پیدا نہیں ہوتی۔ کیا یہ حیرت اور حُب کا مقام نہیں؟

یہ باتیں میں منہی دل لگی کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔ آپ ان باتوں پر غور کریں گے تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر ظلم اللہ کی اس پاک کتاب کے ساتھ ہو رہا ہے، اور یہ ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ شک وہ ایمان رکھتے ہیں، اور اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، مگر فسوس یہ ہے کہ وہی اس پر سب سے زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ اور اللہ کی کتاب پر ظلم کرنے کا جو انجام ہے وہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھ لیجیے! اللہ کا کلام انسان کے پاس اس لیے نہیں آتا کہ وہ بدبختی اور نکبت و مصیبت میں مبتلا ہو۔ ظَلَمَ مَا آتٰهُ زَجَاتَا عَلَیْكَ الْفَرْدَانِ لَتَسْقٰی۔ یہ سعادت و درنیک بختی کا سرچشمہ ہے۔ شقاوت و بدبختی کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ قطعی

سے  
بے خداماہین  
ماہر چشمہ  
حانسیضریں  
گی۔ اور

تہر

تہیں

واس

بے نیں

کوس

نہ کے

نہ دن

ن کر

نہ محض

نہ محض

ہائیکن ہے کہ کوئی قوم خدا کے کلام کی حامل ہو اور پھر دنیا میں ذلیل و خوار ہو، دوسروں کی محکوم ہو یا دوسروں میں روندی اور جوتیوں سے ٹھکرائی جائے اس کے نگلے میں غلامی کا پھندا ہو اور غیروں کے ہاتھ میں اس کی باگیں ہوں اور وہ اس کو اس طرح ہائیکن جیسے جانور ہانکے جاتے ہیں۔ یہ انجام اس کا صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے کلام پر ظلم کرتی ہے۔ بنی اسرائیل کا انجام آپ کے سامنے ہے، ان کے پاس تورات اور انجیل بھی گئی تھیں اور کہا گیا تھا:-

وَكُلُوا مِنْهُم مَّا أَتَوْا بِالتَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ  
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ شَرْحِهِمْ ۚ كُلُوا مِنْ  
فَوَاحِشِهِمْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ

اگر وہ تورات اور انجیل اور ان کتابوں کی پیروی پر قائم رہتے  
جو ان کے پاس بھی گئی تھیں تو ان پر آسمان سے رزق برستا اور  
ان سے رزق آتا۔

مگر انھوں نے اللہ کی ان کتابوں پر ظلم کیا اور اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ:

ضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ اللَّهُ لَتَهُ وَالْمَسْكَنَاتِ  
وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا كَانُوا  
يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ  
النَّبِيَّاتِ يَغْيِرُونَ الْحَقَّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا  
وَكَانُوا يَعْصُونَ ۚ

ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ خدا کے  
غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر  
کرتے گئے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اور  
اس لیے کہ اللہ کے نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے گزر  
گئے تھے۔

پس جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر ذلیل و خوار اور محکوم و مغلوب ہو تو سمجھ لیجیے کہ وہ ضرور  
کتاب الہی پر ظلم کر رہی ہے اور اس پر یہ سارا وبال اسی ظلم کا ہے۔ خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی  
اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس کی کتاب کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دیا جائے، اور اس کا حق ادا کرنے  
کی کوشش کی جائے۔ اگر آپ اس گناہ عظیم سے باز نہ آئیں گے تو آپ کی حالت ہرگز نہ بدے گی خواہ آپ  
گاؤں گاؤں کا رخ کھول دیں اور آپ کا بچہ بچہ گزیرے جو بیٹ ہو جائے، اور آپ پیسہ دیوں کی طرح سود خوری



کر کے کہ درستی ہی کیوں نہ بن جائیں۔

حضرات! ہر مسلمان کو سب سے پہلے جو چیز جانی چاہیے وہ یہ ہے کہ مسلمان "کہتے کس کو ہیں اور مسلم" کے معنی کیا ہیں۔ اگر انسان یہ نہ جانتا ہو کہ "انسانیت" کیا چیز ہے اور انسان و حیوان میں فرق کیا ہے تو وہ حیوانوں کی سی حرکات کرے گا اور اپنے آدمی ہونے کی قدر نہ کر سکے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کس طرح ہوتا ہے تو وہ غیر مسلموں کی سی حرکات کرے گا اور اپنے مسلمان ہونے کی قدر نہ کر سکے گا۔ لہذا مسلمان کو اور مسلمان کے ہرچے کو اس بات سے واقف ہونا چاہیے کہ وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس کے معنی کیا ہیں، مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آدمی کی حیثیت میں کیا فرق واقع ہو جاتا ہے، اس پر کیا ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، اور اسلام کی حدود کیا ہیں جن کے اندر رہنے سے آدمی مسلمان رہتا ہے اور جن کے باہر قدم رکھتے ہی وہ مسلمانیت سے خارج ہو جاتا ہے، چاہے وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا جائے۔

اسلام کے معنی ہیں خدا کی اطاعت اور فرمان برداری کے۔ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا "اسلام" ہے۔ خدا کے مقابلہ میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا "اسلام" ہے۔ خدا کی بادشاہی و فرماں روائی کے آگے ہر تسلیم خم کر دینا "اسلام" ہے۔ جو شخص اپنے سارے معاملات کو خدا کے حوالے کر دے وہ مسلمان ہے۔ اور جو اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھے یا خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ خدا کے حوالے کرنے یا خدا کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے اس کو قبول کیا جائے، اس میں چون و چرا کی جائے اور زندگی میں جو معاملہ بھی پیش آئے اس میں صرف قرآن اور سنت رسول کی پیروی کی جائے۔ جو شخص اپنی عقل اور دنیا کے دستور، اور خدا کے سوا ہر ایک کی بات کو پیچھے رکھتا ہے، اور ہر معاملہ میں خدا کی کتاب اور اس کے رسول سے پوچھتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے، اور جو ہدایت وہاں سے

دوں

نہیں

وقت

تعمیلاً

نام

برتاؤ

کے

نہ

اور

لذت

ور

کی

نے

آپ

زری

بٹے اس کو بے چون و چرا مان لیتا ہے، اور اس کے خلاف ہر چیز کو رد کر دیتا ہے، وہ اور صرف ”ہی مسلمان“ ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دیا، اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا ہی ”مسلمان“ ہونا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص قرآن اور سنت سے سول پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کا کہا کرتا ہے، بابا! داد اسے جو کچھ ہننا چلا آتا ہو اس کی پیروی کرتا ہے، یا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہو اس کے مطابق چلتا ہے، اور اپنے معاملات میں قرآن اور سنت کے یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، یا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ قرآن و سنت کی ہدایت یہ ہے اور پھر وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میری عقل اسے قبول نہیں کرتی اس لیے میں اس بات کو نہیں مانتا، بابا! داد اسے تو اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے لہذا میں اس کی پیروی نہ کروں گا، یا دنیا کا طریقہ اس کے خلاف ہے لہذا میں اسی پر چلوں گا، تو ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں ہے۔ وہ جھوٹ کہتا ہے اگر اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔

آپ جس وقت کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اسی وقت گویا آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کے لیے قانون صرف خدا کا قانون ہے، آپ کا حاکم صرف خدا ہے، آپ کو اطاعت صرف خدا کی کرنی ہے، اور آپ کے نزدیک حق صرف وہ ہے جو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعہ سے معلوم ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ مسلمان ہوتے ہی خدا کے حق میں اپنی آزادی سے دست بردار ہو گئے۔ اب آپ کو یہ کہنے کا حق ہی نہ رہا کہ میری رائے یہ ہے، یا دنیا کا دستور یہ ہے، یا خاندان کا رواج یہ ہے، یا فلاں حضرت اور فلاں بزرگ یہ فرماتے ہیں۔ خدا کے کلام اور اس کے رسول کی سنت کے مقابلہ میں اب ان میں سے کوئی چیز آپ نہیں کر سکتے۔ اب آپ کا کام یہ ہے کہ ہر چیز کو قرآن اور سنت کے سامنے پیش کریں جو کچھ اس کے مطابق ہو اسے قبول کریں اور جو اس کے خلاف ہو اسے اٹھا کر پھینک دیں خواہ وہ کسی کی بات اور کسی کا طریقہ ہو۔ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہنا اور پھر قرآن و سنت کے مقابلہ میں اپنے خیال یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول یا عمل کو ترجیح دینا یہ دونوں

ایک دوسرے کی ضد میں جس طرح کوئی اندھا اپنے آپ کو آنکھوں والا نہیں کہہ سکتا، اور کوئی نکٹا اپنے آپ کو ناک والا نہیں کہہ سکتا اسی طرح کوئی ایسا شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا جو اپنی زندگی کے سارے معاملات کو قرآن اور سنت کا تابع بنانے سے انکار کرے، اور خدا و رسول کے مقابلہ میں اپنی عقل یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول و عمل کو پیش کرے۔

جو شخص مسلمان نہ رہنا چاہتا ہو اسے کوئی مسلمان رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اسے اختیار ہے کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اپنا جو نام چاہے رکھ لے۔ مگر جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مسلمان اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک وہ اسلام کی سرحدیں رہے۔ خدا کا کلام اور اس کے رسول کی سنت کو حق اور صداقت کا معیار تسلیم کرنا اور اس کے خلاف ہر چیز کو باطل سمجھنا اسلام کی سرحد ہے۔ اس سرحد میں جو شخص رہے وہی مسلمان ہے۔ اس سے باہر قدم رکھتے ہی آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد وہ اگر اپنے آپ کو مسلمان بھتا ہے اور مسلمان کہتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دیتا ہے اور دنیا کو بھی، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا انْتَبَھَ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔



## کلمہ طیبہ کے معنی

برادران اسلام! آپ کو معلوم ہے کہ انسان دائرہ اسلام میں ایک کلمہ پڑھ کر داخل ہوتا ہے اور وہ کلمہ بھی کچھ بہت زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہے، صرف چند لفظ ہیں، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ۔ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافر تھا، اب مسلمان ہو گیا۔ پہلے ناپاک تھا، اب پاک ہو گیا۔ پہلے خدا کے غصہ کی سختی تھا، اب اس کا پیارا ہو گیا۔ پہلے دوزخ میں جانے والا تھا، اب جنت کا دروازہ اس کے لیے کھل گیا۔ اور بات صرف اتنے ہی پر نہیں رہتی۔ اسی کلمہ کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ جو اس کلمے کے پڑھنے والے ہیں وہ ایک امت ہوتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ دوسری امت ہو جاتے ہیں۔ باپ اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور بیٹا اس سے انکار کرتا ہے تو گویا باپ باپ اور بیٹا بیٹا نہ رہا۔ باپ کی جائیداد سے اس بیٹے کو ورثہ نہ ملے گا۔ ماں اور بہنیں اس سے پردہ کریں گی۔ غیر شخص اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور اس گھر کی بیٹی بیاہتا ہے تو وہ اور اس کی اولاد تو اس گھر سے ورثہ پلنگی۔ مگر یہ اپنی سہیلکا بیٹا صرف اس وجہ سے کہ کلمہ کو نہیں مانتا غیروں کا غیر بن جائے گا۔ گویا یہ کلمہ ایسی چیز ہے کہ غیروں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے اور اپنوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کلمہ کا زور اتنا ہے کہ خون اور رحم کے رشتے بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔

اب ذرا اس بات پر غور کرو کہ یہ اتنا بڑا فرق جو آدمی اور آدمی میں ہو جاتا ہے، یہ آخر کیوں ہوتا ہے؟ کلمہ میں ہے کیا؟ صرف چند حرف ہی تو ہیں۔ لام، الف، ہ، م، د، س اور لیے ہی دو چار حرف اور ان حرفوں کو ملا کر اگر منہ سے نکال دیا تو کیا کوئی جادو ہو جاتا ہے کہ آدمی کی کاپی پلٹ جائے؟ آدمی اور آدمی میں کیا بس اتنی سی بات سے زمین و آسمان کا فرق ہو سکتا ہے؟ میرے بھائیہ تو تم ذرا سمجھ سے کام لے لے

تو تمہارا عقل خود کہہ دے گی کہ فقط منہ کھولنے اور زبان بلا کہ چپا حرف بول لینے کی اتنی بڑی تاثیر نہیں ہو سکتی۔ بات پرست مشرک لوگ تو ضرور سمجھتے ہیں کہ بس ایک منتر پڑھ دینے سے پہاڑ ٹل جائے گا اور زمین شق ہو جائے گی، اور چٹخے اُٹنے لگیں گے، چاہے منتر کے معنی کی کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ساری تاثیر بس حرفوں میں ہے۔ وہ زبان سے نکلے اور طلمات کے دروازے کھل گئے۔ مگر اسلام میں یہ بات نہیں ہے۔ یہاں اصل چیز حقیقی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر معنوں سے ہے۔ معنی اگر نہ ہوں اور وہ دل میں نہ آتیں، اور ان کے زور سے تمہارے خیالات اور تمہارے اعمال تبدیل نہیں ہوں گے، تو نرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہو گا۔

اس بات کو میں ایک موٹی سی مثال سے تمہیں سمجھاؤں۔ فرض کرو تمہیں سردی لگتی ہے۔ اگر تم زبان سے روٹی، لحاف، روٹی، لحاف، پکارنا شروع کرو تو سردی لگتی بند نہ ہوگی، چاہے تم رات بھر میں ایک لاکھ تسبیحیں روٹی، لحاف کی پڑھ ڈالو۔ ہاں اگر لحاف میں روٹی بھر دو اور دھڑکے تو سردی لگتی بند ہو جائیگی۔ فرض کرو کہ تمہیں پیاس لگے ہی ہے۔ اگر تم صبح سے شام تک پانی، پانی پکارتے رہو تو پیاس نہ بجھے گی۔ ہاں اگر پانی کا ایک گھونٹ لے کر پی لو گے تو کھینچے کی ساری آگ فوراً ٹھنڈی ہو جائے گی۔ فرض کرو کہ تم کو زلزلہ بخار ہو جاتا ہے۔ اس حال میں اگر بنفشہ، گاؤ زبان، بنفشہ، گاؤ زبان کی تسبیحیں تم پڑھنی شروع کر دو تو زلزلے بخار میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ ان دواؤں کا جو شائدہ بنا کر پی لو گے تو زلزلہ بخار خود بھاگ جائے گا۔ بس یہی حال کلمہ طیبہ کا بھی ہے۔ فقط چھ سارے لفظ بول دینے سے اتنا بڑا فرق نہیں ہوتا کہ آدمی کافر سے مسلمان ہو جائے، ناپاک سے پاک ہو جائے، مردود سے محبوب بن جائے، دوزخی سے جنتی بن جائے۔ یہ فرق صرف اس طرح ہو گا کہ پہلے ان الفاظ کا مطلب سمجھو اور وہ مطلب تمہارے دل میں اتر جائے۔ پھر مطلب کو جان بوجھ کر جب تم ان الفاظ کو زبان سے نکالو تو تمہیں یہی طرح یہ احساس ہو کہ تم اپنے خدا کے سامنے اور ساری دنیا کے سامنے کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہے ہو اور اس اقرار سے تمہارے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری آگئی ہے۔ پھر یہ سمجھتے ہوئے جب تم تے اقرار کر لیا تو اس کے بعد تمہارے خیالات پر اور تمہاری

رہتا ہے

سردی

یا پہلے

والا تھا

اور آدمی

بکار کرتے

لو یا باپ

ہو کر

بہ لگتی

بڑے

لہ اس

سہو

تا دہ

اور

مگر



ساری زندگی پر اس کلمہ کا قبضہ ہو جانا چاہیے۔ پھر تم کو اپنے دل اور دماغ میں کسی ایسی بات کو جگہ نہ دینی چاہیے جو اس کلمہ کے خلاف ہو۔ پھر تم کو ہمیشہ کے لیے بالکل فیصلہ کر لینا چاہیے کہ جومات اس کلمہ کے خلاف ہے وہ جھوٹی ہے اور یہ کلمہ سچا ہے۔ پھر زندگی کے سارے معاملات میں یہ کلمہ تمہارا حاکم ہونا چاہیے۔ اس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد تم کا زور کی طرح آواز دہنیں ہے کہ جو چاہو کہو، بلکہ اب تم اس کلمہ کے پابند ہو، جو وہ کہے اس کو کرنا پڑے۔ اور جس سے وہ منع کرے اس کو چھوڑنا پڑے گا۔ اس طرح کلمہ پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اس طرح کلمہ پڑھنے کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق ہوتا ہے جس کا ذکر میں نے ابھی تم سے کیا۔

آداب میں تعین بتاؤں کہ کلمہ کا مطلب کیا ہے اور اس کو پڑھ کر آدمی کس چیز کا اقرار کرتا ہے اور اس کا اقرار کرتے ہی آدمی کس چیز کا پابند ہو جاتا ہے۔

کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ کلمہ میں اللہ کا لفظ جو آیا ہے، اس کے معنی "خدا" کے ہیں۔ خدا اس کو کہتے ہیں جو مالک ہو، حاکم ہو، خالق ہو، پالنے اور پوسنے والا ہو، دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہو اور اس کا سختی ہو کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اب جو تم نے لا الہ الا اللہ کہا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اول تو تم نے یہ اقرار کیا کہ یہ دنیا نہ تو ہے خدا کے بنی ہے اور نہ ایسا ہی ہے کہ اس کے بہت سے خدا ہوں۔ بلکہ دراصل اس کا خدا ہے، اور وہ خدا ایک ہی ہے، اور اس ایک ذات کے سوا خدا کی کسی کی نہیں ہے۔ دوسری بات جس کا تم نے کلمہ پڑھتے ہی اقرار کیا وہ یہ ہے کہ نہ ہی ایک خدا تھا اور سارے جہان کا مالک ہے۔ تم اور تمہاری ہر چیز اور دنیا کی ہر شے اس کی ہے۔ خالق وہ ہے، رازق وہ ہے، موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے، مصیبت اور راحت اس کی طرف سے ہے، جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کا دینے والا حقیقت میں وہ ہے۔ جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے اس کا چھیننے والا حقیقت میں ہی ہے۔ ڈرنا چاہیے تو اس سے، سر جھکانا چاہیے تو اس کے سامنے عبادت اور

بندگی کی جائے تو اس کی اس کے بواہم کسی کے بندے اور غلام نہیں اور اس کے بواہ کوئی ہمارا آقا اور حاکم نہیں۔ ہمارا اصلی فرض یہ ہے کہ اسی کا حکم مانیں، اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔

یہ عہد بیان ہے جو کلا اللہ اکبر اللہ پڑھتے ہی تم اپنے خدا سے کرتے ہو اور ساری دنیا کو گواہ بنا کر کرتے ہو۔ اس کی خلاف ورزی کر دگے تو تمہاری زبان، تمہارے ہاتھ پاؤں، تمہارا روٹھنا روٹھنا، زمین اور آسمان کا ایک ایک درجہ جس کے سامنے تم نے جھوٹا اقرار کیا تھا اُسے خلاف خدا کی عدالت میں گواہی دے گا، اور تم اپنی بے بسی کے عالم میں وہاں کھڑے ہو گے کہ ایک بھی گواہ تم کو صفاقی پیش کرنے کے لیے نہ ملے گا، اور کوئی وکیل یا بیرسٹر تمہاری طرف سے پیروی کرنے والا نہ ہو گا، بلکہ خود وکیل صاحب دربار بیرسٹر صاحب وجود دنیا کی عدالتوں میں قانون کی انٹ پھیر کرتے پھرتے ہیں، یہ بھی وہاں تمہاری ہی طرح بے بسی کے عالم میں کھڑے ہوں گے۔ وہ عدالت ایسی نہیں ہے جہاں تم جھوٹی گواہیاں اور جعلی دستاویزیں پیش کر کے اور غلط پیروی کر کے بچ جاؤ گے۔ دنیا کی پولیس سے تم اپنا جرم چھپا سکتے ہو، خدا کی پولیس سے نہیں چھپا سکتے۔ دنیا کی پولیس رشوت کھا سکتی ہے، خدا کی پولیس رشوت کھانے والی نہیں۔ دنیا کے گواہ جھوٹ بول سکتے ہیں خدا کے گواہ باطل سچے ہیں۔ دنیا کے حاکم بے انصافی کر سکتے ہیں خدا ایسا حاکم نہیں جو بے انصافی کرے۔ پھر خدا جس جیل میں ڈالے گا اس سے بچ کر بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں۔ پس خدا کے ساتھ جھوٹا اقرار نامہ بہت بڑی بے وقوفی، سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ جب اقرار کرتے ہو تو خوب سوچ سمجھ کر کرو اور اس کو پورا کرو، ورنہ تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ زبانی ہی اقرار کر لو، کیونکہ زبانی اقرار محض بے کار ہے۔

”لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد محمد رسول اللہ کہتے ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے تسلیم کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ایلی ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں، ہم کون سے کام کریں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ کس قانون پر چلنے

سے وہ ہم کو سنتے گا۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر وہ ہم کو سزا دے گا۔ یہ سب باتیں بتانے کے لیے  
 خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اُمّی مقرر کیا، آپ کے ذریعہ سے اپنی کتاب ہمارے پاس بھیجی، اور آپ نے  
 خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر کے ہم کو بتایا کہ مسلمان کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے۔ پس جب تم  
 نے محمد رسول اللہؐ کہا تو گویا اقرار کیا کہ جو قانون اور جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے تم اس کی پیروی کرو گے، اور  
 جو قانون اس کے خلاف ہے اس پر لعنت بھیج گے۔ یہ اقرار کرنے کے بعد اگر تم حضورؐ کے لئے ہوئے قانون کو  
 چھوڑ دے گے اور دنیا کے قانون کو مانو گے تو تم سے بڑھ کر جھوٹا اور بے ایمان کوئی نہ ہوگا، کیونکہ تم یہ اقرار کر کے  
 اسلام میں داخل ہوئے مسلمانوں کے بھائی بنے، اسی اقرار کی بدولت باپ سے ورثہ پایا، اسی کی بدولت ایک  
 مسلمان عورت سے تمھارا نکاح ہوا، اسی کی بدولت تمھاری اولاد تمھاری جائز اولاد بنی، اسی کی بدولت تمھیں یہ  
 حق ملا کہ تمام مسلمان تمھارے مددگار نہیں تمھیں زکوٰۃ دیں، تمھاری جان، مال اور عزت برو کی حفاظت کا ذمہ  
 لیں، اور ان کے باوجود تم نے اپنا اقرار توڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کون سی بے ایمانی ہو سکتی ہے۔ اگر  
 تم کَلَّا لِلّٰہِ اَکَالِہُ مُحَمَّدٌ سَلَّمَ اللّٰہُ کے معنی جانتے ہو اور جان بوجھ کر اس کا اقرار کرتے ہو تو تم کو ہر حال  
 میں خدا کے قانون کی پیروی کرنی چاہیے، خواہ اس کی پیروی پر مجبور کرنے والی کوئی پولیس اور عدالت اس دنیا  
 میں نظر نہ آتی ہو۔ جو شخص سمجھتا ہے کہ خدا کی پولیس اور فوج اور عدالت ادجیل نہیں موجود نہیں ہے اس لیے اس کے  
 قانون کو توڑنا آسان ہے، اور گورنمنٹ برطانیہ کی پولیس، فوج، عدالت ادجیل موجود ہے اس لیے اس کے  
 قانون کو توڑنا مشکل ہے، ایسے شخص کے متعلق میں صاف کہتا ہوں کہ وہ کَلَّا لِلّٰہِ اَکَالِہُ مُحَمَّدٌ سَلَّمَ اللّٰہُ  
 کا جھوٹا اقرار کرتا ہے، اپنے خدا کو، ساری دنیا کو، تمام مسلمانوں کو اور خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہو  
 بھائیو اور دوستو! بھی میں نے تمھارے سامنے کلمہ طیبہ کے معنی بیان کیے ہیں۔ اب اسی سلسلہ میں  
 میں ایک ورہیلو کی طرف تم کو توجہ دلاتا ہوں۔

تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمھارا اور ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں



تھاری جان تھاری اپنی نہیں، خدا کی ملک ہے۔ تھارے ہاتھ اپنے نہیں، تھاری آنکھیں اور تھارے کان اور تھارے جسم کا کوئی عضو تھارا اپنا نہیں، یہ زمینیں جن کو تم جوتے ہو، یہ جانور جن سے تم خدمت لیتے ہو، یہ مال اسباب جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، ان میں سے بھی کوئی چیز تھاری نہیں، سب کچھ خدا کی ملک ہے اور خدا کی طرف سے عطیہ کے طور پر تمہیں ملی ہے۔ اس بات کا اقرار کرنے کے بعد تمہیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ جان میری ہے، جسم میرا ہے، مال میرا ہے، اور فلاں چیز میری ہے اور فلاں چیز میری ہے۔ دوسرے کو مالک کہنا اور پھر اس کی چیز کو اپنی قرار دینا، بالکل ایک لغو بات ہے۔ اگر حقیقت یہ بات ہے کہ دل سواتے ہو کہ ان سب چیزوں کا مالک خدا ہے تو اس سے دو باتیں خود بخود تم پر لازم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب تک خدا ہے اور اس نے اپنی ملکیت اس کے طور پر تھارے حوالے کی ہے تو جس طرح مالک کہتا ہے اسی طرح تمہیں ان چیزوں سے کام لینا چاہیے۔ اس کی مرضی کے خلاف تم اگر ان سے کام لیتے ہو تو دھوکہ بازی کرتے ہو تم اپنے ان ہاتھوں اور پاؤں کو بھی اس کی پسند کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے۔ تم ان آنکھوں سے بھی اس کی مرضی کے خلاف دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے۔ تم کو اس پیٹ میں بھی کوئی ایسی چیز ڈالنے کا حق نہیں ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ہو۔ تمہیں ان زمینوں اور ان جانوروں پر بھی مالک کے منشاء کے خلاف کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تھاری بیویاں جن کو تم اپنی کہتے ہو، اور تھاری اولاد جن کو تم اپنی کہتے ہو، یہ بھی صرف اس لیے تھاری ہیں کہ تھارے مالک کی دی ہوئی ہیں، لہذا تم کو ان سے بھی اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔ اگر اس کے خلاف کر گئے تو تھاری حیثیت غاصب کی ہوگی۔ جس طرح دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے والے کو تم کہتے ہو کہ وہ بے ایمان ہے، اسی طرح اگر دوسرے کی دی ہوئی چیزوں کو تم اپنا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر گئے، یا مالک کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق ان سے کام لو گے تو وہی بے ایمانی کا الزام تم پر بھی آئے گا۔ اگر مالک کی مرضی کے مطابق کام کرنے میں کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ جان جاتی ہے تو جائے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں۔ اولاد کا

نقصان ہوتا ہے تو ہو۔ مال و جائیداد برباد ہو تو ہوا کرے تمہیں کیوں غم ہو جو جس کی چیز ہے وہی اگر نقصان  
پہنچ کر رہتا ہے تو اس کو حق ہے۔ ہاں اگر مالک کی مرضی کے خلاف تم کام کرو اور اس میں کسی چیز کا نقصان  
ہو تو بلا شبہ تم مجرم ہو گے، کیونکہ دوسرے کے مال کو تم نے خراب کیا۔ تم خود اپنی جان کے مختار نہیں ہو، مالک  
کی مرضی کے مطابق جان دو گے تو مالک کا حق ادا کر گئے۔ اس کے خلاف کام کرنے میں جان دو گے تو  
یہ بے ایمانی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مالک نے جو چیز تمہیں دی ہے اس کو اگر تم مالک ہی کے کام میں صرف کرتے  
ہو تو کسی پر احسان نہیں کرتے۔ نہ مالک پر احسان ہے، نہ کسی اور پر۔ تم نے اگر اس کی راہ میں کچھ دیا، یا کچھ مدت  
کی یا جان دے دی، جو تمہارے نزدیک بہت بڑی چیز ہے، تب بھی کوئی احسان کسی پر نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ  
جو کام تم نے کیا وہ بس اتنا ہی تو ہے کہ مالک کا حق جو تم پر تھا وہ تم نے ادا کر دیا۔ یہ کوئی ایسی بات ہے جس پر  
کوئی پھوٹے اور فخر کرے اور یہ چاہے کہ اس کی تعریفیں کی جائیں اور یہ سمجھے کہ اس نے کوئی بہت بڑا کام  
کیا ہے جس پر اس کی بڑائی تسلیم کی جائے۔ یاد رکھو کہ سچا مسلمان مالک کی راہ میں کچھ صرف کرنے یا کچھ مدت  
کرنے کے بعد پھوٹتا نہیں ہے۔ بلکہ خاکساری اختیار کرتا ہے۔ فخر کرنا کار خیر کو برباد کر دیتا ہے۔ تعریف  
کی خواہش جس نے کی اور اس کی خاطر کوئی کار خیر کیا، وہ خدا کے ہاں کسی اجر کا مستحق نہ رہا، کیونکہ اس نے تو  
اپنے کام کا معاوضہ دنیا ہی میں مانگا اور یہیں اس کو مل بھی گیا۔

بھلا ہو! اپنے مالک کا احسان دیکھو کہ اپنی چیز تم سے لیتا ہے، اور پھر کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تم سے  
خرید لی ہے اور اس کا معاوضہ میں تمہیں دوں گا۔ اللہ اکبر اس شان جو دو کرم کا بھی کوئی ٹھکانا ہے۔ قرآن میں  
ارشاد ہوتا ہے کہ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمْ لِحْزًا  
وَلِئَلَّی اللہ نے ایمان داروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس معاوضہ میں کہ ان کے  
لیے جنت ہے، یہ تو مالک کا بڑا نوا تمہارے ساتھ ہے۔ اب ذرا اپنا بڑا نوا بھی دیکھو۔ جو چیز مالک نے

تم کو دی تھی، اور جس کو مالک پھر تم سے معاوضہ دے کر خرید بھی لیا، اس کو غیروں کے ہاتھ بیچے ہوا نہایت ذلیل معاوضے لے کر بیچتے ہو، وہ مالک کی مرضی کے خلاف تم سے کام لیتے ہیں، اور تم یہ سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہو کہ گویا رزاق وہ ہیں۔ تم اپنے دماغ بیچتے ہو، اپنے ہاتھ پاؤں بیچتے ہو، اپنے جسم کی طاقتیں بیچتے ہو، اور وہ سب کچھ بیچتے ہو جس کو خدا کے باغی خریدنا چاہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بد اخلاقی اور کیا ہو سکتی ہے؟ بیچی ہوئی چیز کو پھر بیچنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ دنیا میں اس پر دغا بازی اور فریب ہی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا کی عدالت میں اس پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا؟

لے نقصان

صاف

ہو، مالک

کے تو

کرتے

اپنے خدا

زیادہ

ہیں پر

اکام

خدا

یہ

نے تو

سے

نہیں

لینے

کے

نے



## کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں کلمہ طیبہ کے متعلق میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔ آج پھر اسی کلمہ کی کچھ اور تشریح میں آپ کے سامنے بیان کر دوں گا۔ اس لیے کہ یہ کلمہ ہی اسلام کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ کو آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے، اور مسلمان حقیقت میں بن نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کلمہ کو پوری طرح سمجھ نہ لے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق دہرائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجیدہ میں اس کلمہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے :-

الْمُتَرَكِّفُ صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْلَهَا كُلَّ حَبِيرٍ يُادَّبُ سَرَّهَا. وَيُصْرَبُ اللَّهُ الْأَمْثَالُ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ. وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ فَرْعٍ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ.

یعنی کلمہ طیبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اچھی ذات کا درخت ہو جس کی جڑیں زمین میں خویجی ہوئی ہوں اور جس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں اور جو ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پھل لائے چلا جاتا ہو۔ اس کے برعکس کلمہ خبیثہ یعنی برا اعتقاد اور جھوٹا قول ایسا ہے جیسے ایک بد ذات خود رو پودا کہ وہ بس زمین کے اوپری اوپر ہوتا ہے، اور ایک اشارہ میں جڑ چھوڑ دیتا ہے کیونکہ اس کی جڑ گہری جی ہوئی نہیں ہوتی۔

یہ ایسی بے نظیر مثال اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ اگر تم اس پر غور کرو تو اس میں بڑا سبق تم کو ملے گا

دیکھو تمھارے سامنے ہی دونوں قسم کے درختوں کی مثالیں موجود ہیں۔ ایک تو یہ آم کا درخت ہے۔ کتنا گہرا جامہ ہوا ہے۔ کتنی بلند ہی تک اٹھا ہوا ہے۔ کتنی اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ کتنے اچھے پھل اس میں لگتے ہیں۔ یہ بات اسے کیوں حاصل ہوئی؟ اس لیے کہ اس کی گھلی زور دار تھی، اس کو درخت بننے کا حق حاصل تھا، اور وہ حق اتنا سچا تھا کہ جب اس نے اپنے حق کا دعویٰ کیا تو زمین نے پانی نہ، ہولنے، وں کی گرمی اور رات کی ٹھنڈک سے، غرض ہر چیز نے اس کے حق کو تسلیم کیا اور اس نے جس سے جو کچھ مانگا برکیت وہ اس کو دیا۔ اس طرح وہ اپنے حق کے زور سے اتنا بڑا درخت بن گیا اور اپنے سیٹھ پھل دے کر اس نے ثابت بھی کر دیا کہ حقیقت میں وہ اسی قابل تھا کہ ایسا درخت بنے اور زمین و آسمان کی ساری قوتوں نے مل کر اگر اس کا ساتھ دیا تو کچھ بے جا نہیں کیا، بلکہ ان کو ایسا کرنا ہی چاہیے تھا، اس لیے کہ درختوں کو غذا دینے اور بڑھانے اور پکانے کی جو طاقت زمین اور پانی اور ہوا اور دوسری چیزوں کے پاس ہے وہ اسی کام کے لیے تو ہے کہ بھی ذات فاعل درختوں کے کام آئے۔

اس کے مقابلہ میں یہ جھاڑ جھنکار اور خود رو پودے ہیں۔ ان کی بساط کیا ہے؟ وہ اسی جڑ کر ایک بچہ اکھاڑے۔ نرم اور پودا اتنا کہ ہوا کے ایک جھونکے سے مڑ جھا جائیں۔ ہاتھ دکاؤ تو کانٹے سے تمھاری خبر لیں۔ چھو تو منہ کا مڑ خراب کر دیں۔ روز خدا جاتے کتنے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے اکھاڑے جاتے ہیں ان کا یہ حال کیوں ہے؟ اس لیے کہ ان کے پاس حق کا وہ زور نہیں جو آم کے پاس ہے جب اعلیٰ ذات کے درخت نہیں ہوتے تو زمین پر ٹسہ برٹے اکتا جاتی ہے اور ان پودوں کو اپنے اندر جگہ دے دیتی ہے۔ کچھ مدد پانی کر دیتا ہے۔ کچھ ہوا اپنے پاس سے سامان دے دیتی ہے۔ مگر زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ایسے پودوں کا حق ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی، اس لیے نہ زمین اپنے اندر ان کی جڑیں پھیلنے دیتی ہے نہ پانی دل کھول کر ان کو غذا دیتا ہے اور نہ ہوا کھلے دل سے ان کو پروان چڑھاتی ہے۔ پھر جب اتنی سی بساط پر یہ خیمہ پودے بغیرہ، خار دار اور زہریلے بن کر اٹھتے ہیں تو واقعہ میں ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین و آسمان کی

کلمہ کی  
در بیکر  
ری طرح

مادہ  
نہ ہوا  
ماکھا  
نہ خور

میں خود  
حکم سے  
جیسے  
یتا ہے

لوہے کا



طاقتیں ایسے پونے کو اگانے کے لیے نہیں تھیں۔ ان کو اتنی زندگی بھی ملی تو بہت ملی۔

ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھو اور پھر کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کے فرق پر غور کرو۔

کلمہ طیبہ کیا ہے۔ ایک سچی بات ہے، ایسی سچی بات کہ دنیا میں اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو نہیں سکتی۔ سارے جہان کا خدا ایک اللہ ہے۔ اس چیز پر زمین اور آسمان کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے۔ یہ انسان، یہ جانور، یہ درخت، یہ پتھر، یہ ریت کے ذریعے یہ کہتی ہوئی نہر، یہ چمکتا ہوا سورج، یہ ساری چیزیں جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی چیز جس کو اللہ کے سوکھی اور بنے پیدا کیا ہو، جو اللہ کے سوکھی اور کی مہربانی سے زندہ اور قائم رہ سکے جس کو اللہ کے سوکھی اور فنا کر سکتا ہو، پس جب یہ سارا جہان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کی عنایت سے قائم ہے اور اللہ ہی اس کا مالک اور حاکم ہے، تو جس وقت تم کہو گے کہ "اس جہان میں اس ایک اللہ کے سوکھی اور کی خدائی نہیں ہے" تو زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پکارے گی کہ تو نے بالکل سچی بات کہی، ہم سب تیرے اس قول کی صداقت پر گواہ ہیں جب تم اس کے آگے سر جھکاؤ گے تو کائنات کی ہر چیز تمہارے ساتھ جھک جائے گی کیونکہ یہ ساری چیزیں بھی اسی کی عبادت گزار ہیں۔ جب تم اس کے فرمان کی پیروی کرو گے تو زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارا ساتھ دے گی کیونکہ یہ سب بھی تو اسی کے فرمان بردار ہیں۔ جب تم اس کی راہ میں چلو گے تو تم اکیلے نہ ہو گے بلکہ کائنات کا بیشمار لشکر تمہارے ساتھ چلے گا کیونکہ آسمان کے سورج سے لے کر زمین کے ایک حقیر ذرے تک ہر چیز برآں اسی کی راہ میں تو جیل رہی ہے جب تم اس پر بھروسہ کر کے تو کسی چھوٹی طاقت پر بھروسہ نہ کر گے بلکہ اس عظیم الشان طاقت پر بھروسہ کر گے جو زمین اور آسمان کے سارے خزانوں کی مالک ہے، بغرض اس حقیقت پر جب تم نظر رکھو گے تو تم کو معلوم ہو گا کہ کلمہ طیبہ پر ایمان لا کر جو انسان اپنی زندگی کو اسی کے مطابق بنائے گا زمین و آسمان کی ساری طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ دنیا سے لے کر آخرت تک وہ پھلتا اور پھوٹتا ہی چلا جائے گا، اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی ناکافی و نامراد ہی اس کے پاس نہ آئے گی۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ کلمہ ایسا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں جھکی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر وقت یہ خدا کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں کلمہ خبیث کو دیکھو۔ کلمہ خبیث کیا چیز ہے؟ یہ کہ اس جہان کا کوئی خدا نہیں۔ یا یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی بھی ہے۔ غور کرو اس سے بڑھ کر جھوٹی اور بے اصل بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ زمین اور آسمان کی کوئی چیز اس پر گواہی دیتی ہے؟ دہر یہ کہتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تو جھوٹا ہے۔ ہم کو اوتھو کہ خدای نے پیدا کیا ہے۔ اور اسی خدا سے تجھ کو وہ زبان دی ہے جس سے تو جھوٹ بک رہا ہے۔ مشرک کہتا ہے کہ خدائی میں دوسرے بھی اللہ کے شریک ہیں۔ دوسرے بھی رازق ہیں۔ دوسرے بھی مالک ہیں۔ دوسرے بھی فائدہ اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ دوسرے بھی دعائیں سننے والے ہیں۔ دوسرے بھی بھروسہ کرنے کے قابل ہیں۔ دوسرے بھی ڈرنے کے لائق ہیں۔ اس خدائی میں دوسروں کا کلم بھی چلتا ہے۔ ان کا فرمان اور ان کا قانون بھی پیروی کے لائق ہے۔ اس کے جواب میں زمین اور آسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تو بالکل جھوٹا ہے۔ ہر بات جو تو کہہ رہا ہے حقیقت کے خلاف ہے۔ اب غور کرو کہ یہ کلمہ جو شخص اختیار کرے گا اور اس کے مطابق جو شخص زندگی بسر کرے گا، دنیا اور آخرت میں وہ کیونکر پھل پھول سکتا ہے؟ اللہ نے اپنی ہر بانی سے ایسے لوگوں کو ہدایت دے رکھی ہے اور رزق کا وعدا اس سے کیا ہے، اس لیے زمین اور آسمان کی طاقتیں کسی نہ کسی طرح اس کو بھی پرورش کریں گی جس طرح وہ جھاڑ بھجھا کاڑ اور خود رو پودوں کو بھی آخر پرورش کرتی ہی ہیں۔ لیکن کائنات کی کوئی چیز بھی اس کو حق سمجھ کر اس کا ساتھ نہ دے گی اور نہ پوری طاقت کے ساتھ اس کی مدد کرے گی۔ وہ انہی خود رو درختوں کی طرح ہو گا جن کی مثال بھی آپ کے سامنے بیان ہوئی ہے۔

یہی فرق دونوں کے پھلوں میں ہے۔ کلمہ طیبہ جب کبھی پھلے گا اس سے میٹھے اور مفید پھل ہی پیدا ہوں گے۔ دنیا میں اس سے امن قائم ہو گا۔ نیکی اور سچائی اور انصاف کا بول بالا ہو گا۔ اور خلق خدا اس سے فائدہ ہی اٹھائے گی۔ مگر کلمہ خبیثہ کی عینی پرورش ہو گی اس سے خاردار شاخیں ہی نکلیں گی۔ اس میں کڑے کیسے ہی پھل آئیں گے۔ اس کی رگ رگ میں زہر ہی بھرا ہو گا۔ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ جہاں کفر اور شرک اور دہریت کا زور ہے وہاں کیا ہو رہا ہے؟ آدمی کو آدمی بھارتھکانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آبادیاں کی آبادیاں تباہ کرنے کے سامان

پہلی بات

ہر انسان یہ

دیتی ہیں ان

کے جس کو

نام ہے اور

کی خدائی

کی قدرت

ی چیزیں

اتھو دے گی

ت کا بنیاد

ان اسی

اشان طاقت

تو تم کو ملے گی

تاقتیں میں

بھی ناکامی

کی چیزیں

ہوئے ہیں۔ زہر ہلکی لیس بن رہی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کو ربا دکر نیٹے پر تلی ہوئی ہے۔ جو طاقتور ہے وہ کمزور کو غلام بناتا ہے صرف اس لیے کہ اس کے حصہ کی روٹی خود بھیجن کر کھا جائے۔ اور جو کمزور ہے وہ فوج اور پولیس اور جیل اور بھانسی کے زور سے دب کر رہنے اور طاقتور کا ظلم سہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر ان قوموں کی اندر حالت کیا ہے؟ اخلاق بد سے بدتر ہیں جن پر شیطان بھی شرمائے۔ انسان وہ کام کر رہا ہے جو جانو بھی نہیں کتے۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرتی ہیں کہ کہیں یہ بچے ان کے عیش میں نخل نہ ڈال دیں بخوبی اپنی بیویوں کو خودغیروں کی بغل میں دیتے ہیں تاکہ ان کی بیویاں ان کی بغل میں رہیں۔ بنگلوں کے کلب بنائے جاتے ہیں جن میں مرد اور عورت جانوروں کی طرح برہنہ ایک دوسرے کے سامنے پھرتے ہیں۔ امیر سوکے ذریعہ سے غریبوں کا خون چوسے لیتے ہیں، اور مال دار ناداروں کی اس طرح خدمت لیتے ہیں گویا وہ ان کے غلام ہیں اور صرف ان کی خدمت ہی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ غرض اس کلمہ خبیث سے جو پورا دہلی جہاں پیدا ہوا ہے کانٹوں سے بھرا ہوا ہے اور جو پھل بھی اس میں لگتا ہے کڑوا اور زہر ملا ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں مثالوں کو بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرماتا ہے کہ **يُنَبِّئُكُمُ اللَّهُ الْغَيْرِ الْمُنْجِي** یعنی کلمہ طیب پر جو لوگ ایمان لائیں گے امدان کو ایک مضبوط قول کے ساتھ دینا اور آخرت دونوں میں ثبات اور جہاؤ بخشنے کا اور ان کے مقابلہ میں وہ ظالم لوگ جو کلمہ خبیث کو مانیں گے امدان کی ساری کوششوں کو بھٹکا دے گا۔ وہ کبھی کوئی میدان ہا کام نہ کریں گے جس سے دنیا یا آخرت میں کوئی اچھا پھل پیدا ہو۔

بھائیو! کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا فرق اور دونوں کے نتیجے تم نے سن لیے۔ اب تم یہ سوال ضرور کر گئے کہ ہم تو کلمہ طیبہ کے ماننے والے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ ہم نہ پھٹتے ہیں نہ پھوٹتے ہیں، اور کفار جو کلمہ خبیثہ کے ماتے والے ہیں یہ کیوں پھل پھول رہے ہیں؟

اس کا جواب میرے ذمہ ہے اور میں جواب دوں گا۔ بشرطیکہ آپ میں سے کوئی میرے جواب پر برائے



بلکہ اپنے دل سے پوچھے کہ میرا جواب واقعی صحیح ہے یا نہیں۔

اول تو آپ کا یہی کہنا غلط ہے کہ آپ کلمہ طیبہ کو مانتے ہیں اور پھر بھی نہ پھلتے ہیں نہ پھوٹتے ہیں۔ کلمہ طیبہ کو مانتے کے معنی زبان سے کلمہ پڑھنے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنی دل سے مانتے کے ہیں اور اس طرح مانتے کے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ آپ کے دل میں نہ رہے اور اس کے خلاف کوئی کام آپ سے نہ ہو سکے۔ میرے بھائیو! خدا را مجھے بتاؤ کیا تمہارا حقیقت میں یہی حال ہے؟ کیا سینکڑوں ایسے مشرکاتہ اور کافرانہ خیالات تم میں نہیں پھیلے ہو؟ ہیں جو کلمہ طیبہ کے بالکل خلاف ہیں؟ کیا مسلمان کا سر خدا کے سوا دوسروں کے آگے نہیں جھکے؟ ہے؟ کیا مسلمان دوسروں سے خوف نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کی مدد پر بھروسہ نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کو رازق نہیں سمجھتا؟ کیا وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر دوسروں کے قانون کی خوشی خوشی پروردہ نہیں کرتا؟ کیا اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے عدالتوں میں جا کر یہ صاف نہیں کہتے کہ ہم شرع کو نہیں مانتے بلکہ رسم و رواج کو مانتے ہیں؟ کیا تم میں ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جن کو کفار کے غضب کا ڈر ہے مگر خدا کے غضب کا ڈر نہیں؟ جو کفار کی نظر عنایت حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں مگر خدا کی نظر عنایت حاصل کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟ جو کفار کی حکومت کو حکومت سمجھتے ہیں اور خدا کی حکومت کے متعلق انہیں کبھی یاد بھی نہیں آتا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے؟ خدا را سوچ بتائیے کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر کس منہ سے تم کہتے ہو کہ ہم کلمہ طیبہ کو مانتے والے ہیں اور اس کے باوجود ہم نہیں بھونٹتے پھلتے؟ پہلے سچے دل سے ایمان تولو اور کلمہ طیبہ کے مطابق زندگی اختیار کر لو، پھر اگر وہ درخت نہ پیدا ہو جو زمین میں گہری جڑوں کے ساتھ جمنے والا اور آسمان تک چھا جانے والا ہے، تو معاذ اللہ، معاذ اللہ اپنے خدا کو چھوٹا سمجھ لینا کہ اس سے تمہیں غلط بات کا اطمینان دلایا۔

پھر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جو کلمہ خبیثہ کو مانتے ہیں وہ واقعی دنیا میں پھل پھول رہے ہیں۔ کلمہ خبیثہ کو ماننے والے نہ کبھی پھوٹے پھلے ہیں نہ آج پھول پھل رہے ہیں۔ تم دولت کی کثرت، عیش و عشرت کے آسائے

اور ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر سمجھتے ہو کہ وہ کھل بھول ہے ہیں۔ مگر ان کے دلوں سے پوچھو کہ کتنے میں جن کو  
 اطمینان قلب میسر ہے؟ ان کے اوپر عیش کے سامان لہے ہوئے ہیں مگر ان کے دلوں میں آگ کی بھٹیلاں  
 سنگ ایسی ہیں جو ان کو کسی وقت چین نہیں لینے دیتیں۔ خدا کے قانون کی خلاف ورزی نے ان کے گھروں کو  
 دوزخ بنا رکھا ہے۔ اخباروں میں دیکھو کہ امریکہ اور یورپ میں خودکشی کا کتنا زور ہے۔ طلاق کی کیسی کثرت ہے۔  
 نسلیں کس طرح گھٹ رہی ہیں اور گھٹائی جا رہی ہیں۔ امراض خبیثہ نے کس طرح لاکھوں انسانوں کی زندگیاں تباہ  
 کر دی ہیں مختلف طبقتوں کے درمیان روٹی کے لیے کیسی سخت کشمکش برپا ہے جسداور نبض اور دشمنی نے کس طرح  
 ایک ہی جنس کے آدمیوں کو آپس میں لڑا رکھا ہے عیش پسندی نے لوگوں کے لیے زندگی کو کس قدر تلخ بنا دیا ہے  
 اور یہ بڑے بڑے عظیم الشان شہر جن کو دور سے دیکھ کر آدمی رشکِ جنت سمجھتا ہے ان کے اندر لاکھوں انسان کس  
 مصیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا اسی کو بھینا بھولنا کہتے ہیں؟ کیا یہی وہ جنت ہے جس پر تم رشک کی نگاہیں  
 ڈالتے ہو؟

میرے بھائیو! یاد رکھو کہ خدا کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا حقیقت میں کلمہ طیبہ کے سوا اور کوئی کلمہ  
 نہیں جس کی پیروی کر کے انسان کو دنیا میں راحت و آخرت میں سرخروئی حاصل ہو سکے۔ تم جس طرف چاہو نظر  
 دوڑا کر دیکھ لو۔ اس کے خلاف تم کو کہیں کوئی چیز تریل سکے گی۔

# کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کا مقصد

برادران اسلام! اس سے پہلے دو خطبوں میں آپ کے سامنے کلمہ طیبہ کا مطلب بیان کر چکا ہوں۔ آج میں اس سوال پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اس کلمہ پر ایمان لانے کا فائدہ اور اس کی ضرورت کیا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آدمی جو کام بھی کرتا ہے کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ بے غرض، بے مقصد، بے فائدہ کوئی کام نہیں کیا کرتا۔ آپ پانی کیوں پیتے ہیں؟ اس لیے کہ پیاس بجھے۔ اگر پانی پینے کے بعد بھی آپ کو وہی حال رہے جو پینے سے پہلے ہوتا ہے تو آپ ہرگز پانی نہیں پیں گے کیونکہ یہ ایک بے نتیجہ کام ہو گا۔ آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ اس لیے کہ بھوک رنج ہو اور آپ میں زندہ رہنے کی طاقت پیدا ہو۔ اگر کھانا کھانے اور نہ کھانے کا نتیجہ ایک ہی ہو تو آپ یہی کہیں گے کہ یہ بالکل ایک فضول کام ہے۔ بیماری میں آپ دوا کیوں پیتے ہیں؟ اس لیے کہ بیماری دور ہو جائے اور تندرستی حاصل ہو۔ اگر دوا پی کر بھی بیماری کا وہی حال ہو جو دوا پینے سے پہلے تھا تو آپ یہی کہیں گے کہ ایسی دوا مینا بے کار ہے۔ آپ زراعت میں اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ زمین سے غلہ اور پھل اور ترکاریاں پیدا ہوں۔ اگر بیج بونے پر بھی زمین سے کوئی چیز نہ آگئی تو آپ ہل چلانے اور تخم ریزی کرنے اور پانی دینے میں اتنی محنت ہرگز نہ کرتے۔ غرض آپ دنیا میں جو کام بھی کرتے ہیں اس میں ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اگر مقصد حاصل ہو تو آپ کہتے ہیں کہ کام ٹھیک ہوا۔ اگر مقصد حاصل نہ ہو تو آپ کہتے ہیں کہ کام ٹھیک نہیں ہوا۔

اس بات کو ذہن نشین رکھیے اور میرے ایک ایک سوال کا جواب دیتے جائیے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کلر کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اس کا جواب آپ اس کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتے کہ کلر پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر اور مسلمان میں فرق ہو جائے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ فرق ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہ



مطلب ہے کہ کافر کی دوائی نہیں ہوتی ہیں تو مسلمان کی چار آنکھیں ہو جائیں، یا کافر کا ایک سر ہوتا ہے تو مسلمان کے دوسرے ہو جائیں؟ آپ کہیں گے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ فرق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو۔ کافر کا انجام یہ ہے کہ آخرت میں وہ خدا کی رحمت سے محروم ہو جائے اور ناکام و نامراد رہے اور مسلمان کا انجام یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی اسے حاصل ہو اور آخرت میں وہ کامیاب اور بامراد رہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جواب آپ نے بالکل ٹھیک دیا۔ مگر مجھے یہ بتائیے کہ آخرت کیا چیز ہے؟ جب تک میں اس بات کو نہ سمجھ لوں اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس سوال کا جواب آپ کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کا جواب پہلے ہی دیا جا چکا ہے کہ الشُّبُہَا ضَرْبٌ مِّنْ عِتَاكَ الْخَيْرِ، یعنی دنیا اور آخرت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ ہے جس کی ابتدا دنیا ہے اور انتہا آخرت ہے۔ ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو کھیتی اور فصل میں ہوتا ہے۔ آپ زمین میں ہل جوتے ہیں، پھر بیج بوٹے ہیں، پھر پانی دیتے ہیں، پھر کھیتی کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ فصل تیار ہو جاتی ہے، اور اس کو کاٹ کر آپ سال بھر تک مزے سے کھاتے ہیں۔ آپ زمین میں جس چیز کی شگت کریں گے اسی چیز کی فصل تیار ہوگی۔ گیہوں بویں گے تو گیہوں پیدا ہوگا۔ کانٹے بویں گے تو کانٹے ہی پیدا ہوں گے۔ کچھ نہ بویں گے تو کچھ نہ پیدا ہوگا۔ ہل چلائے اور بیج بوٹے اور پانی دینے اور کھیتی کی کھولا کرنے میں جو جو غلطیاں اور کوتاہیاں آپ سے ہوں گی ان سب کا برا اثر آپ کو فصل کاٹنے کے موقع پر معلوم ہوگا۔ اور اگر آپ یہ سب کام اچھی طرح کیے ہیں تو ان کا فائدہ بھی آپ فصل ہی کاٹنے کے وقت دیکھیں گے۔ بالکل یہی حال دنیا اور آخرت کا ہے۔ دنیا ایک کھیتی ہے۔ اس کھیتی میں آدمی کو اس بیج بھجایا گیا ہے کہ اپنی محنت اور اپنی کوشش سے اپنے لیے فصل تیار کرے۔ پیدائش سے لے کر موت تک کے لیے آدمی کو اس کام کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس ہدایت میں جیسی فصل آدمی نے تیار کی ہے ویسی ہی فصل وہ موت کے بعد واپس

مان کے  
انجام  
کام د  
بامراد  
ہو جب  
سُنِ نبی  
کی ابتدا  
میں ہل  
سل  
شکست  
اسی  
رکھو  
ہر  
میں  
ہے کہ  
وہ  
ری

زندگی میں کاٹے گا۔ اور پھر جہنم کاٹے گا اسی پر آخرت کی زندگی میں اس کا گزیر بسر ہوگا۔ اگر کسی نے عمر بھر دنیا کی کھیتی میں اچھے پھل بوئے ہیں، اور ان کو خوب پانی دیا ہے، اور ان کی خوب رکھوالی کی ہے تو آخرت کی زندگی میں جہنم کاٹے گا تو اپنی محنت کی کمائی ایک سرسبز شاو باغ کی صورت میں تیار پائے گا اور اسے اپنی دوسری زندگی میں پھر کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی، بلکہ دنیا میں عمر بھر محنت کر کے جو باغ اس نے لگایا تھا اسی باغ کے پھلوں پر آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ اسی چیز کا نام جنت ہے اور آخرت میں بارش ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اس کے مقابلے میں جو شخص اپنی دنیا کی زندگی میں کانٹے اور کڑوے کیلے زہریلے پھل بوتا رہا ہے، آخرت کی زندگی میں انھی کی فصل اسے تیار ملے گی۔ وہاں پھر اس کو دوبارہ اتنا مونہ نہیں ملے گا کہ اپنی اس حماقت کی تلافی کر سکے اور اس خراب فصل کو جلا کر دوسری اچھی فصل تیار کر سکے۔ پھر تو اس کو آخرت کی ساری زندگی اسی فصل پر بسر کرنی ہوگی جسے وہ دنیا میں تیار کر چکا ہے۔ جو کانٹے اس نے بوئے تھے انھی کے بستر پر اسے لیٹنا ہوگا، اور جو کڑوے کیلے زہریلے پھل اس نے لگائے تھے وہی اس کو کھانے پڑیں گے یہی مطلب ہے آخرت میں ناکام و نامراد ہونے کا۔

آخرت کی یہ شرح جو میں نے بیان کی ہے، حدیث اور قرآن سے بھی یہی شرح ثابت ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی میں انسان کا نامراد یا بامراد ہونا، اور اس کے انجام کا اچھا یا برا ہونا دراصل نتیجہ ہے دنیا کی زندگی میں اس کے علم اور عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا۔

یہ بات حیب آپ نے سمجھ لی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے کہ مسلمان اور کافر کے انجام کا فرق بڑی ہی بلا وجہ نہیں ہو جاتا۔ دراصل انجام کا فرق آغاز ہی کے فرق کا نتیجہ ہے جب تک دنیا میں مسلمان اور کافر کے علم و عمل کے درمیان فرق نہ ہوگا، آخرت میں بھی ان دونوں کے انجام کے درمیان فرق نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں ایک شخص کا علم اور عمل وہی ہو جو کافر کا علم اور عمل ہے، اور پھر آخرت میں وہ اس انجام سے بچ جائے جو کافر کا انجام ہوتا ہے۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ پہلے آپ نے اس کا جواب دیا تھا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو۔ اب انجام اور آخرت کی جو تشریح آپ نے سنی ہے، اس کے بعد آپ کو اپنے جواب پر پھر غور کرنا ہو گا۔ اب آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد دنیا میں انسان کے علم اور عمل کو درست کرنا ہے تاکہ آخرت میں اس کا انجام درست ہو۔ یہ کلمہ انسان کو دنیا میں وہ باغ لگانا سکھاتا ہے جس کے پھل آخرت میں اس کو توڑنے ہیں۔ اگر آدمی اس کلمہ کو نہیں مانتا تو اس کو باغ لگانے کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ باغ لگانے کا کس طرح، اور آخرت میں پھل کس چیز کے توڑے گا؟ اور اگر آدمی اس کلمہ کو زبان سے پڑھ لیتا ہے، مگر اس کا علم بھی وہی رہتا ہے جو نہ پڑھنے والے کا علم تھا، اور اس کا عمل بھی ویسا ہی رہتا ہے جیسا کہ کافر کا عمل تھا تو آپ کی عقل خود کہہ دے گی کہ ایسا کلمہ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کا انجام کافر کے انجام سے مختلف ہو۔ زبان سے کلمہ پڑھ کر اس نے خدا پر کوئی احسان نہیں کیا ہے کہ باغ لگانے کا طریقہ بھی وہ نہ سیکھے، باغ لگانے بھی نہیں، ساری عمر کانٹے ہی بوتا ہے اور پھر بھی آخرت میں اس کو پھلوں سے لدا ہوا ہلہاتا باغ مل جائے۔ جیسا کہ میں پہلے کئی مثالیں دے کر بیان کر چکا ہوں جس کام کے کرنے اور نہ کرنے کا نتیجہ ایک ہو وہ کام فضول اور بے معنی ہیں جس دو کو پینے کے بجائے پیار کا وہی حال ہے جو پینے سے پہلے تھا، وہ دو حقیقت میں دو ہی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کلمہ پڑھنے والے آدمی کا علم اور عمل بھی وہی کا وہی ہے جو کلمہ نہ پڑھنے والے کا ہوتا ہے، تو ایسا کلمہ پڑھنا محض بے معنی ہے جب دنیا ہی میں کافر اور مسلم کی زندگی میں فرق نہ ہو تو آخرت میں ان کے انجام میں کیسے فرق ہو سکتا ہے؟

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جو کلمہ طیبہ انسان کو سکھاتا ہے، اور اس علم کو کیسے کے بعد مسلمان کے عمل اور کافر کے عمل میں کیا فرق ہو جاتا ہے؟ دیکھیے پہلی بات جو اس کلمہ سے آپ



کو معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں اور کسی کے بندے نہیں ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوگئی تو خود بخود آپ کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ جس کے بندے ہیں، دنیا میں آپ کو اسی کی مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی مرضی کے خلاف اگر آپ چلیں گے تو یہ اپنے مالک سے بغاوت ہوگی۔ اس علم کے بعد دوسرا علم آپ کو کلمہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوگئی، تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی آپ کو خود بخود معلوم ہوگئی کہ اللہ کے رسول نے دنیا کی کھیتی میں کانٹوں اور زہریلے پھولوں کے بجائے پھولوں اور میٹھے پھولوں کا باغ لگانا جس طرح سکھایا ہے اسی طرح آپ کو باغ لگانا چاہیے۔ اگر آپ سی طریقہ کی پیروی کریں گے تو آخرت میں آپ کو اچھی فصل ملے گی۔ اور اگر اس کے خلاف عمل کریں گے تو دنیا میں کانٹے بوئیں گے اور آخرت میں کانٹے ہی پائیں گے۔

یہ علم حاصل ہونے کے بعد لازم ہے کہ آپ کا عمل بھی اس کے مطابق ہو۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ ایک دن مرنا ہے، اور مرنے کے بعد پھر ایک دوسری زندگی ہے، اور اس زندگی میں آپ کو اسی فصل پر گزارنا کرنا ہو گا جسے آپ زندگی میں تیار کر کے جائیں گے، تو پھر یہ ناممکن ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر سکیں۔ دنیا میں آپ کھیتی باڑی کیوں کرتے ہیں؟ اسی لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ اگر کھیتی باڑی نہ کی تو غلہ پیدا نہ ہوگا، اور غلہ نہ پیدا ہوا تو بھوکے مر جائیں گے۔ اگر آپ کو اس بات کا یقین نہ ہوتا اور آپ سمجھتے کہ کھیتی باڑی کے بغیر ہی غلہ پیدا ہو جائے گا، یا غلہ کے بغیر بھی آپ بھوک سے بچ جائیں گے، تو ہرگز آپ کھیتی باڑی میں یہ محنت نہ کرتے۔ بس اسی پر اپنے حال کو بھی قیاس کر لیجیے۔ جو شخص زبان سے کہتا ہے کہ خدا کو میں اپنا مالک، اور رسول پاک کو خدا کا رسول مانتا ہوں اور آخرت کی زندگی کو بھی مانتا ہوں، مگر عمل اس کا قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے، اس کے متعلق یہ سمجھ لیجیے کہ درحقیقت اس کا ایمان کمزور ہے، اس کو جیسا یقین رہی کھیتی میں کاشت

نہ کرنے کے برے انجام کا ہے، اگر ویسا ہی یقین آخرت کی فصل تیار نہ کرنے کے برے انجام کا بھی ہوتا تو وہ کبھی اس کام میں غفلت نہ کرے۔ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے حق میں کانٹے نہیں بوتا۔ کانٹے ڈبیوتا ہے جسے یقین نہیں ہوتا کہ جو چیز بڑا ہے اس سے کانٹے پیدا ہوں گے اور وہ کانٹے اس کو تکلیف دیں گے۔ آپ جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارہ نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ آپ کو یقین ہے کہ یہ جلانے کا لڑکچہ آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے کیونکہ اسے بھی طرح معلوم نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

Checked  
1937

## مسلمان کسے کہتے ہیں؟

برادرانِ اسلام! آج میں آپ کے سامنے مسلمان کی صفات بیان کروں گا۔ یعنی یہ بتاؤں گا کہ مسلمان ہونے کے لیے کم سے کم شرطیں کیا ہیں۔ آدمی کو کم از کم کیا ہونا چاہیے کہ وہ مسلمان کہلائے جانے کے قابل ہو۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے آپ کو یہ جانتا چاہیے کہ کفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے۔ کفر یہ ہے کہ آدمی خدا کی فرماں برداری سے انکار کر دے۔ اور اسلام یہ ہے کہ آدمی صرف خدا کا فرماں بردار ہو، اور ہر ایسے طریقے، یا قانون، یا حکم کو ماننے سے انکار کر دے جو خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کے خلاف ہو۔ اسلام اور کفر کا یہ فرق قرآن مجید میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

Checked  
1987

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلْهُمُ آئِرًا لِلَّهِ  
یعنی جو شخص خدا کی امامی ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ کرے  
ہاؤ لیکٹ ہم الکفر ہون (المائدہ۔ ۷) ایسے ہی لوگ دراصل کافر ہیں۔

فیصلہ کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ عدالت میں جو مقدمہ جائے بس اس کی فیصلہ خدا کی کتاب کے مطابق ہو۔ بلکہ دراصل فیصلہ سے مراد وہ فیصلہ ہے جو ہر شخص اپنی زندگی میں ہر وقت کیا کرتا ہے۔ ہر موقع پر پرتھارے سامنے برپا آتا ہے کہ فلاں کام کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ فلاں بات اس طرح کی جائے یا اس طرح کی جائے؟ فلاں معاملہ میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے یا وہ طریقہ اختیار کیا جائے؟ تمام ایسے موقعوں پر ایک طریقہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت بتاتی ہے۔ اور دوسرا طریقہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات، بیباپ دادا کی رسمیں، یا انسانوں کے بنائے ہوئے قانون بتاتے ہیں۔ اب جو شخص خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقہ کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل کفر کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اگر اس نے اپنی ساری زندگی ہی کے لیے یہی ڈھنگ اختیار کیا ہو تو وہ پورا کافر ہے۔ اور اگر وہ بعض معاملات میں تو خدا کی ہدایت کو مانتا ہو اور بعض میں اپنے نفس

نہ ہوتا  
ادبی توت  
نہ دین کے  
لکریک



کی خوشنیت کیا کم و بیش کو یا انسانوں کا قانون کو خدا کے قانون پر ترجیح دیتا ہو تو جس قدر بھی وہ خدا کے قانون کی بغاوت کرے اسے اتنی کفر میں مبتلا کر کوئی آدھا کافر نہ کوئی چوتھا ہی کافر نہ کسی میں سوں حصہ کفر ہے اور کسی میں بیسوں حصہ غرض جتنی خدا کے قانون سے بغاوت ہو اتنی ہی کفر بھی ہے۔

اسلام جس کو کچھ نہیں ہے کہ آدمی صرف خدا کا بندہ ہو نہ نفس کا بندہ نہ باپ کا بندہ نہ خاندان اور قبیلہ کا بندہ نہ مملکت کا بندہ نہ زمین دار صاحب اور جڑیٹ صاحب کا بندہ نہ خدا کے سوا کسی اور صاحب میں رشاہت ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ  
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ  
بِهِ شَيْئًا وَأَلَّا يَكُونَ لِنَا حِجَابٌ  
اللَّهُ هُوَ قَرِيبٌ تَوَكَّلُوا أَفَعُولُوا أَشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ  
(آل عمران)

یعنی اے نبی! اہل کتاب کہو کہ وہ ہم تکلیسی بات پر اتفاق کر لیں جو ہمارے  
اور تمہارے درمیان یکساں ہو۔ دینی جو تمہاری ہے یہی بھی ہمارے ہے اور خدا کا بھی  
ہم نے کوئی چیز سے میں بھی وہی بات کہتا ہوں اور وہ بات یہ ہے کہ ایک تو ہم اللہ  
کے سوا کسی کے بندہ بن کر نہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا ہی میں ہی کو شریک نہ کریں۔  
اور تیسری بات یہ کہ ہم میں کوئی انسان کی انسان کو اللہ کے بجائے اپنا مالک و مالک و مالک بنا لے۔ یہ تین باتیں اگر وہ نہیں مانتے تو ان سے کہہ دو  
کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں یعنی ہم ان تینوں باتوں کو مانتے ہیں۔

أَعْبُدِ دِينَ اللَّهِ يَجْعَلُونَ وَكَذَلِكَ أَسْلَمُوا مَنْ فِي  
الْمَسْمُومَاتِ وَكَذَلِكَ هُوَ مَا كَرِهَ اللَّهُ إِلَيْهِمْ بِمِثْلِهِمْ

یعنی کیا وہ خدا کی اطاعت کو کسی اور کی اطاعت سے زیادہ پسند کریں؟ حالانکہ خدا وہ ہے  
کہ میں اور انسان کی ہر چیز چاہے ناچار رہی کی اطاعت نہ کرے اور کسی کی طرف سے

ان دونوں باتوں میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ اصل دین خدا کی اطاعت اور وہی ہر خدا کی عبادت کے معنی یہ  
نہیں ہیں کہ بس اس کے سجدہ کرو بلکہ اس کی عبادت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ہر وقت اس کے حکم کی اطاعت کرو جس چیز کا اس نے  
حکم دیا ہو اس پر عمل کرو۔ ہر معاملہ میں دیکھو کہ خدا کا کیا حکم ہے۔ یہ دیکھو کہ تمہارا اپنا دل کیا کہتا ہے تمہاری عقل کیا کہتی ہے یا پسند داتا  
کیا کر گئے ہیں خاندان اور قبیلہ والوں کی مرضی کیا ہے جناب مولوی صاحب قیلاہ جناب پیر صاحب قبلہ کیا فرماتے ہیں اور فلاں صاحب  
کا کیا حکم ہے اور فلاں صاحب کی کیا مرضی ہے۔ اگر تم نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر کسی کی بھی بات مانی تو گویا خدا ہی میں اس کو شریک کیا۔ اس کو  
درجہ یا جو صرف خدا کا درجہ ہر حکم دینے والا تو صرف خدا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ كُفَرًا فَلاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ بندگی کے لائق تو صرف وہ ہے جس نے

تھیں بیدار کیا، اور جب بل بجاتے تو تم زندہ ہوتے رہتے اور آسمان کی ہر چیز کی اطاعت کرتے رہے ہو۔ کوئی پتھر کی پتھر کی اطاعت نہیں کرتا۔ کوئی درخت کسی درخت کی اطاعت نہیں کرتا۔ کوئی جانور کسی جانور کی اطاعت نہیں کرتا۔ پھر کیا تم جانوروں اور درختوں اور پتھروں سے بھی گئے گئے ہو گئے کہ وہ تو صرف خدا کی اطاعت کیے ہیں، اور تم خدا کو چھوڑ کر انسانوں کی اطاعت کرو۔ یہ ہے وہ بات جو قرآن کی ان دونوں آیتوں میں بیان فرمائی گئی ہے۔

ابن سیرین کہتا ہے: "ما چاہتا ہوں کہ کلمہ اور گمراہی دراصل نکلتی کہ اس سے قرآن مجید کو تباہ کر کے اس کو سخت بڑا کئے گئے تین راستے ہیں پہلا راستہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں :-

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هُودًا وَعَبْدَ هَدًى  
قَالَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

یعنی اس کو گمراہ کون ہو گا جس نے خدا کی ہدایت کے بجائے اپنے  
نفس کی خواہش کی پیروی کی۔ ایسے ظالم لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا

مطلب یہ ہے کہ سب بڑھ کر انسان کو گمراہ کرنے والی چیز انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں جو شخص خواہشات  
کا بند بن گیا، اس کے لیے خدا کا بند بننا ممکن ہی نہیں۔ وہ فطرت یہ دیکھے گا کہ مجھے روپیہ کس کام میں ملتا ہے، میری عزت  
اور شہرت کس کام میں ہوتی ہے، مجھے لذت اور لطف کس کام میں حاصل ہوتا ہے، مجھے آرام اور آسائش کس کام میں ملتی ہے بس یہ چیزیں  
جن کام میں ہوں گی اسی کو وہ اختیار کر لیا جائے خدا اس کو منع کئے اور یہ چیزیں جن کام میں ہوں گی اس کو وہ ہرگز نہ کئے گا چاہے خدا  
اس کا حکم دے تو ایسے شخص کا خدا اللہ تبارک و تعالیٰ نہ ہوا، اس کا اپنا نفس ہی اس کا خدا ہو گیا۔ اس کی ہدایت کیسے دل سکتی ہے؟ اسی بات  
کو دوسری جگہ قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے :-

اَرَايْتُمْ مِمَّنْ اخَذَ اِلٰهَهُ هَوٰىهُۥۚ اَفَاَنْتُمْ  
 تَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِۚ وَكِيلًاۙ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَتَّقُوْنَ  
 اَوْ يَعْلَمُوْنَۚ اِنَّ هُمْ لَآ اِلَّا نَحْمِلُ عَنْهُمْ  
 اَصْلُ سَيِّئًاۙ

یعنی بے ہمتی تم نے اس شخص کے حال پر غور بھی کیا جس نے اپنے نفس کی خواہش  
 کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ تم کیا اس شخص کی نگرانی کر سکتے ہو یا تم سمجھتے ہو کہ  
 ان میں سے بہت لوگ سستے اور سمجھتے ہیں؟ مگر انہیں یہ تو جانوڑوں  
 کی طرح ہے۔ بلکہ ان سے بھی گئے گندے۔

نفس کے بندے کا جانوروں سے بدتر ہونا ایسی بات ہے جس میں کسی شرک کی گنجائش نہیں ہے۔ کوئی جانور تو کیا ایسا نہ ملے گا جو

خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے لگے بڑھتا ہو یہ جانو وہی چیز کھاتا ہے جو خدا نے اس کے لیے مقرر کی ہو اسی قدر کھاتا ہے جس قدر اس کے لیے مقرر کی ہے اور جب تک کام جس جانور کے لیے مقرر ہیں بس اتنے ہی کرتا ہے مگر یہ انسان ایسا جانور ہے کہ جب اپنی خواہش کا تابع بنتا ہے تو وہ حرکتیں کر گزرتا ہے جن سے شیطان بھی پناہ مانگے۔

یہ تو گمراہی کے آنے کا پہلا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ یہ کہ باپا دادا سے جو رسم و رواج جو عقیدے اور خیالات جو روایات ہوں چلے آئے ہیں، آدمی ان کا غلام بن جائے اور خدا کے حکم کو بڑھ کر ان کے سمجھے اور اگر ان کے خلاف خدا کا حکم اس کے سامنے پیش کیا جائے تو اسے کہیں تو وہی کرونگا جو میرا باپا دادا کرتے تھے اور جو میری خاندان اور قبیلہ کا رواج ہے جو شخص اس مرض میں مبتلا ہے وہ خدا کا بند کبلائے اس کے خدا تو اس کے باپا دادا اور اس کے خاندان اور قبیلہ کے لوگ ہیں۔ اس کو یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کا یا حتیٰ کہ یوں کہیں مسلمان ہوں، قرآن کریم میں اس پر بھی بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے:-

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ قَالُوا لَا بَأْسَ بَالِ اللَّهِ ۖ إِنَّا بِمَا نَصِفُهُ أَعْمَىٰ ۖ وَنَحْنُ بِذُنُوبِنَا غَاثُونَ ۚ (البقرہ - ۲۱)

دوسری جگہ فرمایا:-

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ قَالُوا لَا بَأْسَ بَالِ اللَّهِ ۖ إِنَّا بِمَا نَصِفُهُ أَعْمَىٰ ۖ وَنَحْنُ بِذُنُوبِنَا غَاثُونَ ۚ (البقرہ - ۲۱)

اور جب اس نے کہا کیا لادے اس زمان کی طرف تو خدا نے بھی ہر آدمی کو رسول کے طریقے کی طرف، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے تو بس ہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپا دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپا دادا ہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے چلے ان کو ہی بات علم نہ ہو اور وہ جیسے راستے پر ہوں، اے یہ جان لے دو، تم تو اپنی عمر کوئی چلے اگر تم میرے راستے پر لگ جاؤ تو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا پھر اگر وہ کب کو خدا کی طرف سے ہمارے راستے کو دکھائے گا یا نہ کہ یہ الٹی بات

یہ الٹی گمراہی ہے جس میں تو رہتا ہر زمانے کے جاہل لوگ مبتلا رہے ہیں، اور ہمیشہ خدا کے رسولوں کی ہدایت



کو ملتے سر یہی چیز انسان کو روکتی رہی جو حضرت عیسیٰ نے جبے کو کھنکھانے کی تسریعیت کی طرف بلایا تھا اس وقت بھی لوگوں نے یہی کہا تھا :-

أَجَعَلْنَا لَتَلْفَتْنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا كَمَا كَانُوا يَكُونُونَ  
کیا تو ہمیں اس راستے سے ہٹانا چاہتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا  
حضرت برہنہ نے جب اپنے قبیلہ والوں کو شرک سے روکا تو انھوں نے یہی کہا تھا :-

وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَمَا كَانُوا عَابِدِينَ (الانبیاء: ۵)

ہم نے اپنے باپ دادا کو اپنی خداؤں کی بندگی کرتے ہوئے پایا  
غرض اسی طرح ہر نبی کے مقابلہ میں لوگوں نے یہی جھوٹ پیش کی ہے کہ تم جو کہتے ہو یہ  
ہمارے باپ دادا کے طریقے کے خلاف ہے اس لیے ہم اسے نہیں ملتے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے :-

وَكُنْ لَكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَوْمٍ

مِنْ نَبِيِّكَ قَالَ مُثَرَّوهُمْ أَنَا وَجَدْنَا آبَاءَنَا

عَلَى الْأَمْنِ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ قَالَ أَوَلَوْ

حُجِّجْتُكُمْ بِآيَاتِي مَا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا

إِنَّا نَمَّا نَسْلُكُ بِهِ كَالضُّلُولِ فَانقَضْنَا مِنْهُمْ

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُذَلِّينَ (الزمر: ۲۱)

اس بات کو نہیں ملتے جو تم میرے پاس جیلہ تمہوں نے یہ جواب دیا تو ہم نے بھی انکو خوب نرا دی اور بیکھ کر ہمارا حکم کو چھلانے

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا تو باپ دادا اسی کی پیروی کر لیا پھر ہمارے

ی حکم کی پیروی کر دیہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں مسلمان ہونا چاہتے ہو تو سب کو چھوڑ کر

صرف اس بات کو مانو جو ہم نے بتائی ہے :-

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ

مَعَهُمْ قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ يُحَرِّفُونَ (البقرہ: ۱۲۵)

فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَرَأَىٰ اللّٰهَ  
عَافِيَةً لِّاُمُورِهِ وَهَمَّ فَكَرًا يَجْزِيكَ  
كُفْرًا - الْبَيْنَا هُدًى لَّهُمْ فَذَلِكُمْ يَوْمُ الْحُجَّاتِ  
سپر دکرنے اور نیکو کار ہو اس نے تو مضبوط رسی تھام لی اور  
آخر کار تمام معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں، اور جس نے اس  
انکار کیا تو بے بنی تم کو اس کے انکار سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت  
نہیں۔ وہ سب تاریک طرے واپس آنے والے ہیں۔ پھر ہم انہیں  
(نہان - ۳)

ان کے اعمال کا نتیجہ دکھا دیں گے۔

یہ گمراہی کے آنے کا دوسرا راستہ تھا۔ تمیسرا راستہ قرآن نے یہ بتایا ہے کہ انسان جب خدا کے  
علم کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے حکم ماننے لگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص بڑا آدمی ہے، اس کی  
بات سنی ہوگی، یا فلاں شخص کے ہاتھ میں میری روٹی ہے اس لیے اس کی بات مانتی چاہیے، یا فلاں  
شخص صاحب اقتدار ہے اس لیے اس کی فرماں برداری کرنی چاہیے، یا فلاں صاحب اپنی بددعا سے مجھے تباہ  
کر دیں گے باپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے اس لیے جو وہ کہیں ہی صحیح ہے، یا فلاں قوم بڑی ترقی  
کر رہی ہے، اس کے طریقے اختیار کرنے چاہئیں، تو ایسے شخص پر خدا کی ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔  
وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ  
اگر تو نے ان بہت سے لوگوں کی اطاعت کی جو زمین میں رہتے  
يُضِلُّوكُمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (الانعام - ۱۱۳)  
ہیں تو وہ تجھ کو خدا کے راستے سے ہٹا دیں گے۔

یعنی آدمی سیدھے راستہ پر اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کا ایک خدا ہو۔ سینکڑوں ہزاروں  
خدا جس نے بنائے ہوں، اور جو کبھی اس خدا کے کہے پر اور کبھی اس خدا کے کہے پر چلتا ہو، وہ راستہ  
کہاں پاسکتا ہے۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ گمراہی کے تین بڑے بڑے سبب ہیں۔  
ایک نفس کی بندگی۔

دوسرے باپنے ادا اور خاندان اور قبیلے کے رواجوں کی بندگی۔

تیسرے عام طور پر دینا کے لوگوں کی بندگی جن میں دولت مند لوگ، اور حکام وقت اور بادشاہ پیشوا اور گمراہ قومیں سب شامل ہیں۔

یہ تین بڑے بڑے ٹہن ہیں جو خدائی کے دعوے دار بنے ہوئے ہیں جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو اس کو سب سے پہلے ان تینوں بتوں کو توڑنا چاہیے۔ پھر وہ حقیقت میں مسلمان ہو جائے گا۔ ورنہ جس نے تینوں بت اپنے دل میں بٹھا رکھے ہوں اس کا بندہ خدا ہونا مشکل ہے۔ وہ دن میں پچاس، وقت کی نمازیں پڑھ کر اور دکھا فے کے روزے رکھ کر اور مسلمانوں کی سی شکل بنا کر انسانوں کو دھوکا دے سکتا ہے، خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دے سکتا ہے کہ میں پکا مسلمان ہوں، مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

بھائیو! آج میں نے آپ کے سامنے جن تین بتوں کا ذکر کیا ہے ان کی بندگی اصلی شرک ہے۔ آپ نے پتھر کے بت توڑ دیے۔ اینٹ اور چوڑے سے بنے ہوئے بت خانے ڈھا دیے۔ مگر سینوں میں جو بت خانے بنے ہوئے ہیں ان کی طرف کم توجہ کی۔ سب سے زیادہ ضروری، بلکہ مسلمان ہونے کے لیے اولین شرط ان بتوں کو توڑنا ہے۔ اگرچہ میرا خطاب تمام مسلمانوں سے ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ساری دنیا اور تمام ہندوستان میں مسلمان جس قدر نقصان اٹھا رہے ہیں وہ انہی تین بتوں کی پوجا کا نتیجہ ہے۔ مگر چونکہ اس وقت میرے سامنے میرے پنجابی بھائی ہیں، اس لیے خاص طور پر ان سے کہتا ہوں کہ آپ کی تباہی اور آپ کی دولت اور مصیبت کی جڑ یہ تین چیزیں ہیں جو آپ نے ابھی مجھ سے سنی ہیں۔ آپ اس پنجاب کی سرزمین میں ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ ہیں۔ اس صوبہ کی آبادی میں آدھے سے زیادہ آپ ہیں اور آدھے سے کم میں دوسری قومیں ہیں۔ مگر اتنی بڑی قوم ہونے کے باوجود یہاں آپ کا کوئی وزن نہیں۔ بعض نہایت قبیلانہ تعداد قوموں کا وزن آپ سے بڑھ کر ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی آپ نے کبھی غور کیا؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نفس کی بندگی، خاندانی رواجوں کی بندگی اور خدا کے سوا دوسرے انسانوں کی بندگی نے آپ کی طاقت کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔



آپ میں راجپوت ہیں، گھڑ ہیں، منہل ہیں، جاٹ ہیں، اور بہت سی قومیں ہیں۔ اسلام نے ان سب قوموں کو ایک قوم، ایک دوسرے کا بھائی، ایک بچہ دیوار بننے کے لیے کہا تھا جس کی اینٹ سوائیٹ جڑی ہوئی ہو۔ مگر آپ اب بھی وہی پرانے ہندوۂ خیالات سے بیٹھے ہیں۔ جس طرح ہندوؤں میں الگ الگ گوتریں ہیں، اسی طرح آپ میں بھی اب تک قبیلہ قبیلہ الگ ہیں۔ آپس میں مسلمانوں کی طرح شادی بیاہ نہیں۔ ایک دوسرے سے برادری اور بھائی چارہ نہیں۔ زبان سے آپ ایک دوسرے کو مسلمان بھائی کہتے ہیں۔ مگر حقیقت میں آپ کے درمیان وہی سب امتیازات ہیں جو اسلام سے پہلے تھے۔ ان امتیازات نے آپ کو ایک مضبوط دیوار نہیں بننے دیا۔ آپ کی ایک ایک اینٹ الگ ہے۔ آپ نہ مل کر اٹھ سکتے ہیں اور نہ مل کر کسی مصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی تعلیمات کے مطابق آپ سے کہا جائے کہ توڑ دان امتیازات کو، اور آپس میں مل کر ایک ہو جاؤ تو آپ کیا کہیں گے؟ بس وہی ایک بات یعنی ہمارے باپ دادا سے جو رواج پہلے آئے ہیں ان کو ہم نہیں توڑ سکتے۔ اس کا جواب خدا کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ بس یہی کہ تم نہ توڑ دان رو جاؤ، تم نہ چھوڑ د کا قرآنہ رسول کی تعلیم کو ہم بھی تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور تمہاری کثرت تعداد کے باوجود تم کو ذلیل و خوار کر کے دکھائیں گے۔

اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ تمہاری وراثت میں لڑکے اور لڑکیاں سب شریک ہیں۔ آپ اس کا جواب کیا دیتے ہیں؟ یہ کہ ہمارے باپ دادا کے قانون میں لڑکے اور لڑکیاں شریک نہیں ہیں۔ اور یہ کہ ہم خدا کے قانون کے بجائے باپ دادا کا قانون مانتے ہیں۔ خدا راجھے بتائیے کیا اسلام اسی کا نام ہو؟ آپسے کہا جاتا ہے کہ اس خاندانی قانون کو توڑیے۔ آپ میں سے ہر شخص کہتا ہے کہ جب سب توڑیں گے تو میں بھی توڑ دوں گا۔ ورنہ اگر دوسروں نے لڑکی کو حصہ نہ دیا، اور میں نے دے دیا تو میرے گھر کی دولت دوسروں کے پاس چلی جائے گی، مگر دوسرے کے گھر کی دولت میرے گھر میں نہ آئے گی۔

غور کیجیے کہ اس جواب کے کیا معنی ہیں؟ کیا خدا کے قانون کی اطاعت اسی شرط سے کی جائے گی کہ دوسرے اطاعت کریں تو آپ بھی کریں گے؟ کل آپ کہیں گے کہ دوسرے زنا کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ دوسرے چوری کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ غرض دوسرے جب تک سب گناہ نہ چھوڑیں گے، میں بھی اس وقت تک سب گناہ کرتا رہوں گا۔ بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں تینوں بتوں کی پریشانی ہو رہی ہے۔ نفس کی بندگی بھی ہے، باپ دادا کی بندگی بھی اور مشرک قوموں کی بندگی بھی۔ اور ان تینوں کے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہے۔

یہ صرف دو مثالیں ہیں۔ ورنہ آنکھیں کھول کر دیکھا جائے تو بے شمار اسی قسم کے امراض آپ کے اندر پھیلے ہوئے نظر آئیں گے، اور ان سب میں آپ یہی دیکھیں گے کہ کہیں ایک بت کی پریشانی ہے اور کہیں دو بتوں کی، اور کہیں تینوں بتوں کی۔ جب یہ بُت پوجے جا رہے ہوں، اور ان کے ساتھ اسلام کا دعویٰ بھی ہو تو آپ کیسے امید کر سکتے ہیں کہ آپ پر ان دھمتوں کی بارش ہوگی جن کا وعدہ ہے مسلمانوں سے کیا گیا ہے؟

ان سب

واریٹ

س ہیں

افوں کی

نہ دوسرے

م سے

نہ لنگ

ت کے

با کہیں

ڈ سکتے

فراتہ

نوزیل

اس کا

ادریہ

نام ہو

توڑیں

رے

سے گی

## ایمان کی کسوٹی

برادران اسلام! پچھلے جمعہ کے خطبہ میں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ قرآن کی رو سے انسان کی گزری  
کے تین سبب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بن جائے۔ دوسرے  
یہ کہ خدائی قانون کے مقابلہ میں اپنے خاندان کے رسم و رواج اور باپ دادا کے طریقے کو ترجیح دے تب سے  
یہ کہ خدا اور رسول نے جو طریقہ بتایا ہے، اس کو بالائے طاق رکھ کر انسانوں کی پیروی کرنے لگے چاہے  
وہ انسان خود اس کی اپنی قوم کے بڑے لوگ ہوں یا غیر قوموں کے لوگ۔

مسلمان کی اصلی تعریف یہ ہے کہ وہ ان تینوں بیماریوں سے پاک ہو۔ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جو  
خدا کے سوا کسی کا بندہ اور رسول کے سوا کسی کا پیر نہ ہو۔ مسلمان وہ ہے جو بچے دل سے اس بات پر یقین  
رکھتا ہو کہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم سراسر حق ہے اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل اور انسان کے  
یہ دین و دنیا کی بھلائی جو کچھ بھی ہے صرف خدا اور اس کے رسول کی تعلیم میں ہے۔ اس بات پر کائن  
یقین جس شخص کو ہو گا وہ اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں صرف یہ دیکھے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کا کیا حکم  
ہے۔ اور جب اس کو حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ یہی طرح سے اس کے لگے سر جھکا دے گا۔ پھر چاہے  
اس کا دل کتنا ہی کل ملائے اور خاندان کے لوگ کتنی ہی باتیں بنائیں، اور دنیا والے کتنی ہی مخالفت  
کریں وہ ان میں سے کسی کی پروا نہ کرے گا کیونکہ ہر ایک کو اس کا صاف جواب یہی ہو گا کہ میں خدا کا بندہ  
ہوں، تمھارا بندہ نہیں ہوں۔ اور میں رسول پر ایمان لایا ہوں، تم پر ایمان نہیں لایا ہوں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا اور رسول کا ارشاد یہ ہے تو ہوا کر ہے، میرا دل تو اس  
کو نہیں مانتا، مجھے تو اس میں نقصان نظر آتا ہے، اس لیے میں خدا اور رسول کی بات کو چھوڑ کر اپنی رائے پر چلوں گا



تو ایسے شخص کا دل ایمان سے خالی ہو گا۔ وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے کہ زبان سے تو کہتا ہے میں خدا کا بندہ اور رسول کا پیرو ہوں، مگر حقیقت میں اپنے نفس کا بندہ اور اپنی رائے کا پیرو بنا ہوا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا اور رسول کا کچھ بھی حکم ہو، مگر فلاں بات تو باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے، اس کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے، یا فلاں قاعدہ تو میرے خاندان میں مقرر ہے، اسے کیونکر توڑا جاسکتا ہے، تو ایسے شخص کا شمار بھی منافقوں میں ہو گا، خواہ نمازیں پڑھتے پڑھتے اس کی پیشانی پر کتنا ہی بڑا انگڑا پڑ گیا ہو اور ظاہر میں اُس نے کتنی ہی متشدد صورت بنا رکھی ہو۔ اس لیے کہ دین کی اصل حقیقت اس کے دل میں اتری ہی نہیں۔ دین رکوع اور سجدے اور روزے اور حج کا نام نہیں، اور نہ دین انسان کی صورت اور اس کے لباس میں ہوتا ہے۔ بلکہ اصل میں دین نام ہے خدا اور رسول کی اطاعت کا۔ جو شخص اپنے معاملات میں خدا اور رسول کی اطاعت سے انکار کرتا ہے، اس کا دل حقیقت میں دین سے خالی ہے، اس کی نماز اور اس کا روزہ اور اس کی متشدد صورت ایکٹ ہو کہ کے سوا کچھ نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت سے بے پروا ہو کر کہتا ہے کہ فلاں بات اس لیے اختیار کی جائے کہ وہ انگریزوں میں رائج ہے، اور فلاں بات اس لیے قبول کی جائے کہ فلاں قوم اس کی جو سے ترقی کر رہی ہے، اور فلاں بات اس لیے مانی جائے کہ فلاں بڑا آدمی ایسا کہتا ہے، تو ایسے شخص کو بھی اپنے ایمان کی خیر منافی چاہیے۔ یہ باتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان ہو اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو ہر اس بات کو اٹھا کر دہوار پر پڑے مار دو جو خدا اور رسول کی بات کے خلاف ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اسلام کا دعویٰ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ زبان سے کہنا کہ ہم خدا اور رسول کو مانتے ہیں، مگر اپنی زندگی کے معاملات میں ہر وقت دوسروں کی بات کے مقابلہ میں خدا اور رسول کی بات کو رد کرتے رہنا، نہ ایمان ہے نہ اسلام، بلکہ اس کا نام منافقت ہے۔

قرآن مجید کے اٹھارویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے صفات صافات الفاظ میں فرما دیا ہے :-

ان کی گواہی  
ہے۔ دوسرے  
سے تیسرے  
لگے چلے

ساکو ہیں جو  
ات پر یقین

ان کے

نہ پر کان

ساکو کیا حکم

ہر چاہتے

بی مخالفت

نہا کا بندہ

اردل تو اس

اپنے پرچوں

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَ  
يَعْلَمُونَ أَمَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعُوا ثُمَّ تَوَلَّى قَوْمٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ  
بِالْمُؤْمِنِينَ - وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ - وَمَنْ  
يَكُنْ مِّنْهُمْ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُؤْمِرُ بِالْإِيمَانِ فَهُوَ عَنِئٌ - إِنِّي قُلْتُ لَهُمْ فَرَضُوا أَمْرًا تَأْتُوا أَمَّا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ أَنِ  
يُحْيِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ أَلَّا يَأْتُوا لَكَ هُمُ الظَّالِمُونَ - إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا  
إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا - وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - وَ  
مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُخِشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَالَمُونَ (انور - ۶-۷) یعنی ہم نے  
کھول کھول کر حق اور باطل کا فرق بتانے والی آیتیں تاروی ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ان آیتوں کے  
ذریعہ سے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے  
اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے بعض لوگ طاعت منہ موڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ایمان دار نہیں  
ہیں۔ اور حیلان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے معاملات میں قانون خداوندی کے مطابق فیصلہ  
کیا جائے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑ جاتے ہیں، البتہ جب بات ان کے مطلب کی ہو تو اسے مان لیتے ہیں  
کیا ان لوگوں کے دل میں بیماری ہے یا کیا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس  
کا رسول ان کی حق تلفی کرے گا؟ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں حقیقت  
میں جو ایمان دار ہیں ان کا طریقہ تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ قانون خداوندی  
کے مطابق ان کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے تو وہ کہیں ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاں ج پائے ملے  
ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرتا ہے گا، اور اس کی نافرمانی سے  
پرہیز کرے گا بس وہی کامیاب ہو گا۔

ان آیات میں ایمان کی جو تعریف بیان کی گئی ہے اس پر غور کیجیے۔ اصلی ایمان یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا

کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت کے سپرد کر دو۔ جو حکم دہاں سے ملے اس کے آگے مرجھ کا دو، اور اس کے مقابلہ میں کسی کی نہ سنو نہ اپنے دل کی نہ خاندان والوں کی اور نہ دنیا والوں کی ریکہ کیفیت جس میں پیسا ہو جائے وہی مومن اور مسلم ہے۔ اور جو اس سے خالی ہو اس کی حیثیت منافق سے زیادہ نہیں ہے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ عرب میں شراب خوری کا کتنا زور تھا عورت اور مرد اور جوان اور بوڑھے سب شراب سے متواری تھے۔ ان کو دراصل اس چیز سے عشق تھا۔ اس کی توبہ یوں کئے گیت گاتے تھے اور اس پر جان ہینے تھے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہو گا کہ شراب کی لت لگ جانے کے بعد اس کا چھوٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ آدمی جان دینا قبول کر لیتا ہے مگر شراب چھوڑنا قبول نہیں کر سکتا۔ اگر شرابی کو شراب سے ملے تو اس کی کیفیت پیار سے بدتر ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ نے کبھی سنا ہے کہ جب قرآن شریف میں حرمیت کا حکم آیا تو کیا ہوا؟ وہی عرب جو شراب پر جان دیتے تھے اس حکم کو سنتے ہی انھوں نے اپنے ہاتھ سے شراب کے ٹکے توڑ ڈالے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہے۔ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ جس وقت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی آواز سنی کہ شراب حرام کر دی گئی تو جس شخص کا ہاتھ جہاں تھا وہیں کا وہیں رہ گیا۔ جس کے منہ سے پیالہ لگا ہوا تھا اس نے فوراً اس کو بٹایا، اور پھر ایک قطرہ حلق میں نہ جانے دیا۔ یہ ہے ایمان کی شان۔ اس کو کہتے ہیں خدا اور رسول کی اطاعت۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسلام میں زنا کی سزا کتنی سخت رکھی گئی ہے؟ نگلی بیچھ پر سو کوڑے جن کا جینال کیسے سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر شادی شدہ ہو تو اس کے نیسے سنگساری کی سزا ہے، یعنی اس کو پتھر دلوں سے آخمار تاکہ وہ مر جائے۔ ایسی سخت سزا کا نام ہی سن کر آدمی کانپ اٹھتا ہے۔ مگر آپ نے یہ بھی سنا کہ جن کے دل میں ایمان تھا ان کی کیفیت کیا تھی؟ ایک شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا۔ کوئی گواہ نہ تھا۔ کوئی عدالت تک پہنچنے کے لئے جانے والا نہ تھا۔ کوئی پولیس کو اطلاع دینے والا نہ تھا۔ صرف دل میں ایمان تھا جس نے اس شخص سے کہا کہ جب تو نے خدا کے قانون کے خلاف اپنے نفس کی خواہش پوری کی ہے تو اب جو سزا خدا دے اس کے

بیموں و  
اولاد  
کون  
آن یحییٰ  
ادعو  
ن۔ و  
نہی اسم  
توں کے  
اور اسم  
نہ انہیں  
مطابق  
نہ یسین  
ہ اور اس  
حقیقت  
نہ خداوند  
انے سے  
بی کو خدا



مقرر کی ہے اس کو بھگتنے کے لیے تیار ہو جا۔ چنانچہ وہ شخص خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! میں نے زنا کی ہے، مجھے تزاویہ کیجئے۔ آپ منہ پھیرتے ہیں تو پھر دوسری طرف آکر یہی بات کہتا ہے۔ آپ پھر منہ پھیرتے ہیں تو پھر وہ ساتے آکر ستر کی درخواست کرتا ہے کہ جو گناہ میں نے کیا ہے اس کی سزا مجھے دی جائے۔ یہ ہے ایمان۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے اس کے لیے ننگی پیٹ پر سو کوڑے کھانا بلکہ سنگسار تک کر دیا جاتا آسان ہے، مگر نافرمان بن کر خدا کے سامنے حاضر ہونا مشکل ہے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کے لیے دنیا میں اپنے ختمہ داروں سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہوتا۔ خصوصاً باپ، بھائی، بیٹے تو اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ان پر سے سب کچھ قربان کر دینا آدنی گوارا کر لیتا ہے۔ مگر آپ ذرا در اُدھ کی لڑائیوں پر غور کیجئے کہ ان میں کون کس کے خلاف لڑنے لگتا تھا؟ باپ مسلمانوں کی فوج میں ہے تو بیٹا کافروں کی فوج میں۔ یا بیٹا اس طرف ہے تو باپ اُس طرف۔ ایک بھائی اُدھر ہے تو دوسرا بھائی اُدھر۔ قریب قریب رشتہ دار ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے ہیں، اور اس طرح لڑے ہیں کہ گویا یہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں۔ اور یہ جوش ان میں کچھ روپے پیسے یا زمین کے لیے نہیں بھڑکا تھا، نہ کوئی ذاتی عداوت تھی بلکہ صرف اس وجہ سے وہ اپنے خون اور اپنے گوشت پرست کے خلاف لڑ گئے کہ وہ خدا اور رسول پر باپ اور بیٹے اور بھائی اور سارے خاندان کو قربان کر دینے کی طاقت رکھتے تھے۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عرب میں جتنے بُرائے رسم و رواج تھے، اسلام نے سب ہی کو توڑ ڈالا تھا۔ سب سے بڑی چیز تو بت پرستی تھی جس کا رواج سینکڑوں برس سے چلا آ رہا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان بتوں کو چھوڑ دو۔ شراب، زنا، جلا جوری اور رہزنی عرب میں عام طور پر رائج تھی۔ اسلام نے کہا کہ ان سب کو ترک کرو۔ عورتیں عرب میں کھلی پھرتی تھیں۔ اسلام نے حکم دیا کہ پردہ کر دو۔ عورتوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہ دیا جاتا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان کا بھی وراثت میں حصہ ہے۔ تمہاری حیثیت دی جاتی تھی جو صلی اولاد کی ہوتی ہے۔ اسلام نے کہا کہ وہ مُلکی اولاد کی طرح نہیں ہے بلکہ تمہاری گہرائی بیوی کو چھوڑ دے تو اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ عرض

کوئی پرانی رسم یہی تھی جس کو توڑنے کا حکم اسلام نے نہ دیا ہو۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول پر ایمان لائے تھے ان کا کیا طرز عمل تھا؟ صدیوں سے جن بتوں کو وہ اور ان کے باپ دادا سجدہ کرتے اور مذہب چڑھایا کرتے تھے، ان کو ان ایمان والوں نے اپنے ہاتھ سے توڑا۔ سینکڑوں برس سے جو خاندانی رسمیں چلی آتی تھیں ان سب کو انھوں نے مٹا کر رکھ دیا۔ جن چیزوں کو وہ مقدس سمجھتے تھے خدا کا حکم پا کر انھیں پاؤں تلے روند ڈالا۔ جن چیزوں کو وہ کرمہ سمجھتے تھے خدا کا حکم آئے ہی ان کو جائز سمجھنے لگے۔ جو چیزیں صدیوں سے پاک سمجھی جاتی تھیں وہ ایک دم ناپاک ہو گئیں، اور جو صدیوں سے ناپاک خیال کی جاتی تھیں وہ بھلا پاک ہو گئیں۔ کفر کے جن طریقوں میں لذت اور فائدے کے سامان تھے، خدا کا حکم پاتے ہی ان کو چھوڑ گیا۔ اور اسلام کے جن احکام کی پابندی انسان پر شاق گذرتی ہے ان سب کو خوشی خوشی قبول کر لیا گیا۔ اس کا نام ہے ایمان اور اس کو کہتے ہیں اسلام۔ اگرچہ کچھ لوگ اس وقت کہتے کہ فلاں بات ہم اس لیے نہیں مانتے کہ ہمارا اس میں نقصان ہے، اور فلاں بات کو ہم اس لیے نہیں چھوڑنے کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے، اور فلاں کام کو تو ہم ضرور کریں گے کیونکہ باپ دادا سے ہی ہوتا چلا آیا ہے، اور فلاں باتیں رویوں کی ہیں پسند ہیں اور فلاں باتوں کی ہم کو مرغوب ہیں، غرض اگر عرب کے لوگ اسی طرح اسلام کی ایک ایک بات کو روک دیتے، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آج دنیا میں کوئی مسلمان نہ ہوتا۔

بھائیو! قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ كُنْ تَسْلُوًا لِّلرَّحْمٰنِ شٰفِقُوًا لِّهَآئِجْبُوًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِّحُوْا اللّٰهَ حَمْدًا مِّنْ دُوْنِ مَا كُنْتُمْ تَسْبِّحُوْنَ۔ یعنی نیکی کا مزہ تم کو نہیں مل سکتا جب تک کہ تم وہ سب چیزیں خدا کے لیے قربان نہ کرو جو تم کو عزیز ہیں۔ بس ہی آہستہ اسلام اور ایمان کی جان ہے۔ اسلام کی اصل نشان یہی ہے کہ جو چیزیں تم کو عزیز ہیں، ان کو خدا کی خاطر قربان کر دو۔ زندگی کے سارے معاملات میں تم دیکھتے ہو کہ خدا کا حکم کیا بتاتا ہے اور نفس کی خواہشات دوسری طرف بلاتی ہیں۔ خدا ایک کام کا حکم دیتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ اس میں تو تکلیف ہے یا نقصان۔ خدا ایک بات سے منع کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ یہ تو بڑی مزیدار چیز ہے یا بڑے فائدے کی چیز ہے۔ ایک طرف خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور

ما غرہوتا ہے

دوسری طرف

انہا میں نے

بے نیکی بیٹھ کر

نکل ہے۔

یز نہیں ہوتا۔

لیتا ہے۔ مگر

ن کی فوج ہیں

دو سر بلجانی

یہ ایک دوسرے

نی عداوت تھی

بہا اور بیٹا اور

لاؤ لا تھا۔

ن کو چھوڑ دے

رد و جوتیں

اسلام نے

سلام نے کہا

ہے۔ عرض

دوسری طرف ایک دنیا کھڑی ہوتی ہے، عرض زندگی میں ہر قدم پر انسان کو دوراستے ملتے ہیں ایک راستہ سلام کا ہے اور دوسرا نفقہ و فحاشی کا جس نے دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا کر خدا کے علم کے آگے سر جھکا دیا، اس نے اسلام کا راستہ اختیار کیا، اور جس نے خدا کے علم کو چھوڑ کر اپنے دل کی یا دنیا کی خوشی پوری کی، اس نے کفر یا فحاشی کا راستہ اختیار کیا۔

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ اسلام کی حیات آسان ہے اسے تو بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، مگر جہاں کفر اور اسلام کا اصلی مقابلہ ہوتا ہے وہیں سے رخ بدل دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مدعی اسلام لوگوں میں بھی یہ کمزوری موجود ہے۔ وہ اسلام اسلام بہت پکاریں گے، اس کی تعریف کرتے کرتے ان کی زبان خشک ہو جائے گی، اس کے لیے کچھ نائنٹی کام بھی کر دیں گے، مگر ان سے کہیے کہ یہ اسلام جس کی آپس قدر تعریف فرما رہے ہیں، اسیے خدا اس کے قانون کو ہم آپ خود اپنے اوپر جاری کریں، تو وہ فوراً کہیں گے کہ اس میں قحطی مشکل ہے اور قحطی وقت ہے، اور فی الحال تو اس کو بس رہنے ہی دیکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک خود کھلوتا کھلوتا ہے، اس کو بس طاق پر رکھیے اور دوسرے بیٹھ کر اس کی تعریفیں کیے جائیں، مگر اسے خود اپنی ذات پر اور اپنے گھروالوں اور عزیزوں پر اور اپنے کاروبار اور معاملات پر ایک قانون کی حیثیت سے جاری کرنے کا نام تک نہ لیجیے۔ یہ ہمارے آج کل کے دینداروں کا حال ہے۔ اب دنیا داروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا، نہ روزوں میں ہے، نہ قرآن خوانی میں اور نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں۔ اس لیے کہ جب نفس ہی موجود نہیں تو نہ اے جان ہم کیا کراست دکھائے گا؟



## خدا کی اطاعت کس لیے؟

برادران اسلام! پچھلے کئی خطبوں میں آپ کے سامنے بار بار ایک ہی بات بیان کر رہا ہوں کہ ”مسلم“ اللہ اور رسول کی اطاعت کا نام ہے، اور آدنی مسلمان ”بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کی رسم و رواج کی، دنیا کے لوگوں کی، غرض ہر ایک کی اطاعت چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرے۔

آج میں آپ کے سامنے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت پر اس قدر زور آخر کیوں دیا جاتا ہے۔ ایک شخص پوچھ سکتا ہے کہ کیا خدا ہماری اطاعت کا بھوکا ہے، تو ذرا اندازہ لگائیں کہ اس طرح اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا تو ذرا اندازہ لگائیں کہ خدا بھی دنیا کے حاکموں کی طرح اپنی حکومت چلانے کی ہوس رکھتا ہے کہ جیسے دنیا کے حاکم کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت کرو اسی طرح خدا بھی کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو؟ آج میں اسی کا جواب دینا چاہتا ہوں۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان سے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے وہ انسان ہی کی فلاح و بہتری کے لیے کرتا ہے۔ وہ دنیا کے حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ دنیا کے حاکم اپنے فائدے کے لیے لوگوں کو اپنی مرضی کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ تمام فائدوں سے بے نیاز ہے۔ اس کو آپ سے ٹیکس لینے کی حاجت نہیں ہے۔ اسے کوٹھیاں بنانے اور موٹریں خریدنے اور آپ کی کمائی سے اپنے عیش کے سامان جمع کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ وہ پاک ہے۔ کسی کا محتاج نہیں۔ دنیا میں سب کچھ اسی کا ہے، اور سارے خزانوں کا وہی مالک ہے۔ وہ آپ سے صرف اس لیے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے کہ اسے آپ ہی کی بھلائی منظور ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے انسانی مخلوقات بنایا ہے وہ شیطان کی غلام بن کر رہے، یا کسی انسان کی غلام ہو، یا ذلیل مسیتوں کے سامنے سر

ہیں ایک

اس نے

تفاق

میں

لوں

شک

نہیں

میں

بہت

پرادر

نام

ی کا

کی

گا

جھکائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے زمین پر اپنی خلافت دی ہے وہ جہالت کی تاریکیوں میں ٹھکتی پھریں اور جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کی بندگی کر کے اہل انسانیت میں جا گرے۔ اس لیے وہ فرماتا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو، ہم نے اپنے رسول کے ذریعہ سے جو روشنی بھیجی ہے اس کو لے کر چلو، پھر تم کو یہ ہمارا راستہ مل جائے گا، اور تم اس راستہ پر چل کر دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت حاصل کر سکو گے۔

لَا اَكْرَهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ  
مِنَ الْغَيِّ مَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمَرْ  
بِاللهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى  
لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ وَالَّذِينَ  
الَّذِينَ اٰمَنُوا يَحِبُّوهُمْ مِّنَ الظَّالِمِينَ اِلَى  
النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا اُولٰٓئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ  
يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ النُّورِ اِلَى الظُّلُمَاتِ  
اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ  
یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہماری طرف سے  
سیدھا ہدایت کا راستہ، جہالت کے ٹیڑھے راستوں سے  
الگ کر کے صاف صاف دکھا دیا گیا ہے۔ اب تم میں سے  
جو کوئی بھولے فداؤں اور گمراہ کرنے والے آقاؤں کو چھوڑ کر  
ایک الہ پر ایمان لے آیا اس نے ایسی مضبوط رسی تھام لی  
جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے  
والا ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں ان کا نگہبان اللہ ہے۔ وہ  
ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور  
جو لوگ کفر کا طریقہ اختیار کریں ان کے نگہبان ان کے بھولے فدا اور گمراہ کرنے والے آقا ہیں۔ وہ ان کو روشنی سے نکال کر  
اندھیروں میں لے جاتے ہیں، اور وہ دوزخ میں جانے والے ہیں جہاں ہمیشہ رہیں گے۔

اب دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی اطاعت آدنیٰ اندھیرے میں کیوں چلا جاتا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ روشنی صرف اللہ ہی کی اطاعت سے مل سکتی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں آپ کی زندگی بے شمار تعلقات سے جکڑی ہوئی ہے۔ سب پہلو تعلق تو آپ کا اپنے جسم کے ساتھ ہے۔ یہ ہاتھ، ٹھیکر، پاؤں، یہ آنکھیں، یہ کان، یہ زبان، یہ دل و دماغ، یہ پیٹ، یہ سب آپ کی خدمت کے لیے اللہ نے آپ کو دیے ہیں۔ آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے کس طرح خدمت لیں۔

پریٹ کو کیا کھلائیں اور کیا کھلائیں؟ ہاتھوں سے کیا کام لیں اور کیا نہ لیں؟ پاؤں کو کس رستے پر چلائیں اور کس رستے پر نہ چلائیں؟ آنکھ اور زبان سے کس قسم کے کام لیں اور کس قسم کے نہ لیں؟ زبان کو کون باتوں کے لیے استعمال کریں؟ دل میں کیسے خیالات رکھیں؟ دماغ سے کیسی باتیں سوچیں؟ ان سب خادموں سے آپ اچھے کام بھی لے سکتے ہیں اور برے بھی۔ یہ آپ کو بلند درجے کا انسان بھی بنا سکتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر درجے میں پہنچا سکتے ہیں۔

پھر آپ کے تعلقات اپنے گھر کے لوگوں سے بھی ہیں۔ باپ، ماں، بہن، بھائی، بیوی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار ہیں جن سے آپ کا رشتہ ان کا تعلق ہے۔ یہاں آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے آپ کس طرح برتاؤ کریں۔ ان پر آپ کے کیا حق ہیں اور آپ پر ان کے کیا حق ہیں۔ ان کے ساتھ ٹھیک ٹھیک برتاؤ کرنے ہی پر دنیا اور آخرت میں آپ کی راحت، خوشی اور کامیابی کا انحصار ہے۔ اگر آپ غلط برتاؤ کریں گے تو دنیا کو اپنے پیسے جہنم بنا لیں گے، اور دنیا ہی میں انہیں بلکہ آخرت میں خدا کے سامنے بھی سخت جواب دہی آپ کو کرنی ہوگی۔

پھر آپ کے تعلقات دین کے شمار لوگوں سے ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے ہمسایہ ہیں۔ کچھ آپ کے دوست ہیں۔ کچھ آپ کے دشمن ہیں۔ یہ سب وہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی خدمت کرتے ہیں۔ اور یہ سب وہ لوگ بھی جن کی آپ خدمت کرتے ہیں۔ کسی سے آپ کو کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا۔ کوئی آپ پر بھروسہ کر کے اپنے کام آپ کے سپرد کرتا ہے۔ کسی پر آپ خود بھروسہ کر کے اپنے کام اس کے سپرد کرتے ہیں۔ کوئی آپ کا حاکم ہے اور کسی کے آپ حاکم ہیں۔ غرض اتنے آدمیوں کے ساتھ آپ کو رات دن کی نہ کسی قسم کا معاملہ پیش آتا ہے جن کا آپ شمار نہیں کر سکتے۔ دنیا میں آپ کی مسرت، آپ کی کامیابی، آپ کی عزت اور نیک نامی کا سارا انحصار اس پر ہے کہ یہ سارے تعلقات جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں، صحیح اور درست ہوں۔ اسی طرح آخرت میں خدا کے ہاں بھی آپ صرف اسی وقت سرخرو ہو سکتے ہیں کہ جب اپنے مالک کے سامنے آپ حاضر ہوں تو اس حال میں نہ جائیں کہ کسی کا حق آپ نے مار رکھا ہو۔ کسی پر ظلم کیا ہو۔ کوئی آپ کے خلاف وہاں ناش کرے۔ کسی کی زندگی خراب کرنے کا ہاں



آپ کے سر پر ہو کسی کی غرت یا جان یا مال کو آپ نے ناجائز طریقے پر نقصان پہنچایا ہو۔ لہذا آپ کو فیصلہ کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ ان بے شمار تعلقات کو درست کس طرح رکھا جائے، اور ان کو خراب کرنے والے طریقے کون ہیں جن سے پرہیز کیا جائے۔

اب آپ غور کیجئے کہ اپنے جسم سے، اپنے گھر والوں سے اور دوسرے تمام لوگوں سے صحیح تعلق رکھنے کے لیے آپ کو ہر قدم پر علم کی روشنی درکار ہے۔ قدم قدم پر آپ کو یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔ حتیٰ کیا ہے اور باطل کیا۔ انصاف کیا ہے اور ظلم کیا۔ کس کا حق آپ پر کتنا ہے اور کس پر آپ کا حق کتنا ہے۔ کس چیز میں حقیقی فائدہ ہے اور کس چیز میں حقیقی نقصان ہے۔ یہ علم اگر آپ خود اپنے نفس کے پاس تلاش کریں گے تو وہاں یہ نہ ملے گا۔ اس لیے کہ نفس تو خود جاہل ہے۔ اس کے پاس خواہشات کے سوا دھرا کیا ہے؟ وہ تو کہے گا کہ شراب پیو، زنا کرو، حرام کھاؤ، کیونکہ اس میں بڑا مزہ ہے۔ وہ تو کہے گا کہ سب کا حق مار کھاؤ اور کسی کا حق ادا نہ کرو، کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، اے یہاں سب کچھ اور دیکھ نہیں۔ وہ تو کہے گا کہ سب اپنا مطلب نکالو اور کسی کے کچھ کام نہ آؤ، کیونکہ اس میں نفع بھی ہے اور آسائش بھی۔ ایسے جاہل کے ہاتھ میں جب آپ اپنے آپ کو دیں گے تو وہ آپ کو نیچے کی طرف لے جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ انتہا درجہ کے خود غرض، بفس، اور بدکار ہو جائیں گے، اور آپ کی دنیا اور دین دونوں چیزیں خراب ہو جائیں گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کے بجائے اپنے ہی عیسے دوسرے انسانوں پر بھروسہ کریں اور اپنی باگ ان کے ہاتھ میں دے دیں کہ جہدہ چاہیں اور مرے جائیں۔ اس صورت میں یہ خطرہ ہے کہ ایک خود غرض آدمی آپ کو خود اپنی خواہش کا غلام بنائے۔ یا ایک جاہل آدمی خود بھی گمراہ ہو کر آپ کو بھی گمراہ کر دے۔ یا ایک ظالم آپ کو اپنا ہتھیار بنائے اور دوسروں پر ظلم کرنے کے لیے آپ کی کام لے۔ غرض یہاں بھی آپ کو علم کی وہ روشنی نہیں مل سکتی جو آپ کو صحیح اور غلط کی تمیز بتا سکتی ہو اور دنیا کی اس زندگی میں ٹھیک ٹھیک راستے پر چلا سکے۔

اس کے بعد صرف یکھٹے لئے پاک کی وہ ذات رہ جاتی ہے جہاں سے روشنی آپ کو مل سکتی ہے۔ خدا عظیم اور بصیر ہے۔ وہ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے۔ وہی ٹھیک ٹھیک بتا سکتا ہے کہ آپ کا حقیقی نفع کس چیز میں ہو اور حقیقی نقصان کس چیز میں۔ آپ کے لیے کونسا کام حقیقت میں صحیح ہے اور کونسا غلط۔ پھر خداوند تعالیٰ بے نیاز بھی ہے اس کی اپنی کوئی غرض ہے ہی نہیں۔ اسے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ کو دھوکا دے کہ کچھ نفع حاصل کرے۔ اس لیے وہ پاک بے نیاز مالک جو کچھ بھی ہدایت دے گا بے غرض دے گا اور صرف آپ کے فائدے کے لیے دے گا۔ پھر خداوند تعالیٰ عادل بھی ہے۔ ظلم کا اس کی ذات پاک میں شائبہ بھی نہیں ہے۔ اس لیے وہ سراسر حق کی بنا پر حکم دے گا۔ اس کے حکم پر چلنے میں اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ آپ خود دلپے اوپر یا دوسرے لوگوں پر کسی قسم کا ظلم کر جائیں۔

یہ روشنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے، اس کو فائدہ اٹھانے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ آپ لبرل پر اور اس کے رسول پر جس واسطے کہ یہ روشنی آ کر ہے، آپ کے دل سے ایمان لائیں یعنی آپ کو پورا یقین ہو کہ خدا کی طرف سے اس کے رسول پاک نے جو کچھ ہدایت دی ہے وہ بالکل برحق ہے، خواہ اس کی مصلحت آپ کی سمجھ میں نہ آئے۔ دوسرے یہ کہ ایمان لانے کے بعد آپ اس کی اطاعت کریں۔ اس لیے کہ اطاعت کے بغیر کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ فلاں چیز زہر ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے، اُسے نہ کھاؤ۔ آپ کہتے ہیں کہ بے شک تم نے سچ کہا۔ یہ زہر ہی ہے، مار ڈالنے والی چیز ہے۔ مگر یہ جانتے اور ماننے کے باوجود آپ اس چیز کو کھا جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ وہی ہو گا جو نہ جانتے ہوئے کھانے کا ہوتا۔ ایسے جانتے اور ماننے کے حال میں؟ اہلی فائدہ فوہی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ایمان لانے کے ساتھ اطاعت بھی کریں جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر فقط زبان ہی کو آمنا و صدقہ نہ کہیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں۔ اور جس بات کو روکا گیا ہے، اس سے پرہیز کرنے کا زبانی اقرار ہی نہ کریں، بلکہ اپنے اعمال میں اس سے پرہیز کریں۔ اسی لیے حق تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ اَطِيعُوا اللہَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ، میری اطاعت کرو اور میرے رسول کی۔ وَانْ طِيعُوا تَطِيعُوا تَحْتَهُ وَانْ طِيعُوا تَطِيعُوا تَحْتَهُ۔ اگر میرے رسول

کی اطاعت کے لئے تب ہی تم کو ہدایت ملے گی۔ فَلْيَعْبُدُوا اللَّهَ حَقَّ عِبَادَتِهِ عَنِ الْهَمِّ وَأَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ، وہ لوگ جو امت رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی آفت میں نہ پڑ جائیں۔

اور ان اسلام ایجو بار بار میں آپ کہتا ہوں کہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو کسی آدمی کی بات ماننی ہی نہیں چاہیے نہیں، دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انکھیں بند کر کے پیچھے چلیں بلکہ ہمیشہ یہ دیکھتے رہیں کہ جو شخص آپ کے کسی کام کو کہتا ہے وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر مطابق کہتا ہے تو اس کی بات ضرور ماننی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں آپ اس کی اطاعت کر سکتے ہیں۔ یہ تو دراصل اللہ اور اس کے رسول ہی کی اطاعت ہے۔ اور اگر وہ حکم خدا اور رسول کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات ماننے پر ذمہ خوار وہ کوئی ہو کیونکہ آپ کے لیے سوائے خدا اور رسول کے کسی کے حکم کی اطاعت چاہئے نہیں ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود تو آپ کے سامنے اگر حکم دینے سے رہا، اس کو جو کچھ احکام دینے تھے وہ آپ کے رسول کے ذریعہ ہی بھیج دیے۔ اب یہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ بھی سارے تیرے ویرن ہیں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ کے حکم کے ذریعہ ہی فرمایا۔ لیکن قرآن اور حدیث میں ہیں۔ لیکن قرآن اور حدیث خود بھی چلنے والے درختوں کے حکم دینے والی چیزیں نہیں ہیں کہ آپ کے سامنے آئیں اور اگر کسی بات کا حکم دیں اور کسی بات کو کیں۔ قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق آپ چلائے چلے بہر حال انسان ہی ہوں گے۔ اس لیے انسانوں کی اطاعت کے بغیر تو چارہ نہیں البتہ ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انسانوں کے پیچھے انکھیں بند کر کے چلیں بلکہ عیسائے میں نے ابھی آپ کے پیچھے دیکھتے ہیں کہ وہ قرآن حدیث کے مطابق چلا رہے ہیں یا نہیں۔ اگر قرآن و حدیث کے مطابق چلائیں تو ان کی اطاعت بوجہ ضرورت ہے۔ اور اگر اس کے خلاف چلائیں تو ان کی اطاعت حرام ہے۔



(۱) دین کے معنی = عزت - حکومت - سلطنت - بادشاہی اور فرمان روائی ہیں

(۲) دین = ذلت اطاعت - تابعداری اور بندگی ہیں

(۳) دین = صواب و حق اور غلط و باطل کے درمیان میں رہنا اور اعمال کی سزا و جزا دینے کے ہیں

برادران اسلام! مذہب کی باتوں میں آپ اکثر دو لفظ متا کرتے ہیں، اور بولتے بھی ہیں۔ ایک دین۔ دوسرے شریعت۔ لیکن آپ میں سے بہت کم آدمی ہیں جن کو یہ معلوم ہو گا کہ دین کے کیا معنی ہیں اور شریعت کا کیا مطلب ہے۔ بے پڑھے لکھے تو غیر مجبور ہیں۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ آدمی بلکہ بہت سے مولوی بھی یہ نہیں جانتے کہ دونوں لفظوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہے، اور ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے اکثر دین کو شریعت اور شریعت کو دین سے گڑبڑ کر دیا جاتا ہے اور اس سے جڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج میں بہت سادہ الفاظ میں آپ کو ان کا مطلب سمجھاتا ہوں۔

دین کے کئی معنی ہیں۔ ایک معنی عزت، حکومت، سلطنت، بادشاہی اور فرماں روائی کے ہیں۔ دوسرے معنی اس کے بالکل برعکس ہیں۔ یعنی ذلت، اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی۔ تیسرے معنی حسبِ کتاب کرنے اور فیصلہ کرنے اور اعمال کی جزا و سزا دینے کے ہیں۔ قرآن شریف میں لفظ دین بھی تین معنوں میں آیا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

یعنی خدا کے نزدیک دین بس وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزت و الامانت دے گا۔ دوسرے معنی کسی کے آپ کے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اس کے کسی کا غلام نہ بنے اور تابعدار نہ بن کر نہ ہے۔ صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اُس کے ہوا کسی کے حساب سے نہ اسے کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ لکھا۔ اسی دین کا نام اسلام ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر آدمی نے کسی اور کو اعلیٰ عزت والا، اعلیٰ حاکم، اعلیٰ بادشاہ اور مالک، اعلیٰ جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اس کے سامنے دستانہ سر جھکایا، اس کی بندگی اور غلامی کی، اس کا حکم مانا، اور اس کی جزا کا لالچ اور سزا کا خوف کھایا، تو یہ چھوڑا دین جو اسلام

ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرتا کیونکہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی اس تمام کائنات میں اصلی عزت والی نہیں ہے، نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے، نہ اور کی غلامی اور بندگی کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے، نہ اس مالک حقیقی کے سوا کوئی اور جزا و سترائینے والا ہے۔ یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے :-

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ -

یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا اور اس کی بندگی اور غلامی اختیار کرے گا، اور اس کو جزا و ستر دینے والا سمجھے گا، اس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے اس لیے کہ :-

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حَقًّا -

انسانوں کو تو خدا نے اپنا بندہ بنایا ہے اور اپنے سوا کسی اور کی بندگی کا حکم ہی نہیں دیا ہے۔ ان کا تو فرض یہ ہے کہ سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے لیے اپنے دین یعنی اپنی اطاعت اور غلامی کو مخصوص کریں اور کیسے ہو کر صرف اسی کی بندگی کریں اور صرف اسی کے حساب سے ڈریں۔

أَفَعَبِّرُونَ اللَّهَ يَبْعُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طُوعًا وَكَرْهًا وَالَّذِينَ يُضَيِّعُونَ -

کیا انسان خدا کے سوا کسی اور کی غلامی اور فرماں برداری کرنا چاہتا ہے؟ حالانکہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں صرف خدا کی غلام اور فرماں بردار ہیں، اور ان ساری چیزوں کو اپنے حساب کتاب کے لیے خدا کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جاتا ہے۔ کیا انسان زمین اور آسمان کی ساری کائنات کے خلاف ایک نرالا راستہ اپنے لیے نکالنا چاہتا ہے؟

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ -

اللہ نے اپنے رسول کو سچے دین کا علم دے کر اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ سارے جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم کر دے اور انسان کو ایسا آزاد کرے کہ وہ خداوندِ عالم کے سوا کسی کا بند بن کر نہ رہے، چاہے کفار و مشرکین اس پر اپنی جہالت سے کتنی ہی واہلچاہیئیں، اور کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔

وَقَالُوا لَهُمْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا تَكُونُ فِتْنَةً وَيَسْأَلُونَ الدِّينَ أَكَلَهُمُ اللَّهُ

اور تم جنگ کر دے کہ دینا سے غیر اللہ کی فرماں روائی کا فتنہ مٹ جائے، اور دنیا میں بس خدا ہی کا قانون چلے، خدا ہی کی بادشاہی تسلیم کی جائے، اور انسان صرف اسی کی بندگی کرے۔

اس تشریح سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دین کے کیا معنی ہیں:-

خدا کو اتنا اور مالک و حاکم ماننا،

خدا ہی کی غلامی، بندگی اور تابعداری کرنا،

اور خدا کے حساب سے ڈرنا، اس کی سزا کا خوف کھانا، اور اسی کی جزا کا لالچ کرنا۔

پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعہ ہی پہنچتا ہے اس لیے سول کو خدا کا رسول اور کتاب کو خدا کی کتاب ماننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے، جیسا کہ فرمایا:-

يَبْقَىٰ آدَمَ مَا يَنْبَغِي لَكُمْ رَسُولٌ فَمَتَّكُمْ فَيَقْضُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي مِمَّنْ آتَىٰكُمْ فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

یعنی اے بنی آدم جب میرے رسول تمھارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کرے گا اور ان کے مطابق اپنا عمل درست کرے گا، اس کے لیے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطے سے بھیجتا ہے، اس لیے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو، وہ اس کی فرماں برداری صرف اسی طرح کر سکتا ہے کہ اس کے رسول کی فرماں برداری کرے، اور رسول کے ذریعہ سے جو احکام آئیں ان کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام دین ہے۔



اب میں آپ کو بتاؤں گا کہ شریعت کسے کہتے ہیں شریعت کے معنی طریقہ اور راستے کے ہیں۔ جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا اور اس کی بندگی قبول کر لی اور یہ تسلیم کر لیا کہ رسول کی طرف سے حاکم مجاز ہے، اور کتاب اسی کی طرف سے ہے، تو تم دین میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد تم کو جس طریقہ سے خدا کی بندگی کرنی ہے اور اس کی فرائض برداری میں جس راستہ پر چلنا ہے، اس کا نام شریعت ہے۔ یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسول ہی کے ذریعہ سے بتاتا ہے۔ وہی سکھاتا ہے کہ اپنے مالک کی عبادت اس طرح کرو، طہارت و پاکیزگی کا یہ طریقہ ہے، نیکی اور تقویٰ کا یہ راستہ ہے، حقوق اس طرح ادا کرنے چاہئیں، معاملات یوں انجام دینے چاہئیں، اور زندگی اس طرح بسر کرنی چاہیے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک تھا، ایک ہی رہا، اور اب بھی ایک ہی ہے، مگر شریعتیں بہت سی آئیں، بہت سی منسوخ ہوئیں، بہت سی بدلی گئیں، اور کبھی ان کے بدلنے سے دین نہیں بدلا۔ حضرت نوح کا دین بھی وہی تھا جو حضرت ابراہیم کا تھا، حضرت موسیٰ کا تھا، حضرت شعیب اور حضرت صالح اور حضرت ہود کا تھا، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مگر شریعتیں ان سب کی کچھ نہ کچھ مختلف رہی ہیں۔ نماز اور روزے کے طریقے کسی میں کچھ تھے اور کسی میں کچھ۔ حرام اور حلال کے احکام، طہارت کے قاعدے، نکاح اور طلاق اور وراثت کے قانون ہر شریعت میں دوسری شریعت سے کچھ نہ کچھ مختلف رہے ہیں۔ ان کے باوجود سب سلمان تھے، حضرت نوح کے پیرو بھی، حضرت ابراہیم کے پیرو بھی، حضرت موسیٰ کے پیرو بھی، اور ہم بھی۔ اس لیے کہ دین سب کا ایک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے حکام میں فرق ہونے سے دین میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دین ایک ہی رہتا ہے، اچانک اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہوں۔

اس فرق کو یوں سمجھو کہ ایک آقا کے بہت سے نوکر ہیں جو شخص اس کو آقا ہی نہیں مانتا اور اس کے حکم کو اپنے لیے واجب التعمیل ہی نہیں سمجھتا، وہ تو نافرمان ہے اور نوکری کے دائرے ہی سے خارج ہے۔ اور جو لوگ اس کو آقا تسلیم کرتے ہیں، اس کے حکم کو ماننا اپنا فرض جانتے ہیں، اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں وہ سب نوکروں کے زمرے میں داخل ہیں۔ نوکری بجالانے اور خدمت کرنے کے طریقے مختلف ہوں تو اس سے ان کے

فکر ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر آقا نے کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا ہے اور دوسرے کو دوسرا طریقہ تو ایک نوکر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہیں نوکر ہوں اور وہ نوکر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آقا کا حکم سن کر ایک نوکر اس کا منشا رکھ بھتا ہے، اور دوسرا کچھ اور، دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں، تو نوکری میں دونوں برابر ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نے مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اور دوسرے نے صحیح مطلب سمجھا ہو لیکن جب طاعت دونوں نے کی ہے تو ایک کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ تو نافرمان ہے، یا تجھے آقا کی نوکری ہی سے خارج کر دیا گیا۔

اس مثال سے آپ دین اور شریعت کے فرق کو بڑی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ مختلف رسولوں کے ذریعہ سے مختلف شریعتیں بھیجتا رہا۔ کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا اور کسی کو دوسرا طریقہ۔ ان سب طریقوں کے مطابق جن جن لوگوں نے مالک کی اطاعت کی وہ سب مسلمان تھے، اگرچہ ان کی نوکری کے طریقے مختلف تھے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آقا نے حکم دیا کہ اب پچھلے طریقوں کو ہم منسوخ کرتے ہیں۔ آئندہ جس کو ہماری نوکری کرنی ہو وہ اس طریقے پر نوکری کرے جو اب ہم اپنے آخری واسطے کے ذریعہ سے بتاتے ہیں۔ اس کے بعد کسی نوکر کو پچھلے طریقوں پر نوکری کرنے کا حق باقی نہیں رہا، کیونکہ اب اگر وہ نئے طریقے کو نہیں مانتا اور پرانے طریقوں پر چل رہا ہے تو وہ دراصل آقا کا حکم نہیں مانتا بلکہ اپنے دل کا کہاں مان رہا ہے اس لیے وہ نوکری سے خارج ہے، یعنی مذہب کی زبان میں کافر ہو گیا ہے۔

یہ تو پچھلے انبیاء کے ماننے والوں کے لیے ہے۔ رسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو، تو ان پر اس مثال کا دوسرا حصہ صادق آتا ہے۔ اللہ نے جو شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو بھیجی ہے، اس کو خدا کی شریعت ماننے والے، اور واجب تعمیل سمجھنے والے سب مسلمان ہیں۔ اب اگر اس شریعت کے احکام کو ایک شخص کسی طرح بھتا ہے اور دوسرا کسی اور طرح، اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرتے ہیں، تو چاہے ان کے عمل میں کتنا ہی فرق ہو، ان میں سے کوئی بھی نوکری سے خارج نہ ہو گا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جس طریقے پر چل رہا ہے، یہی سمجھ کر

خدا کو

اسی کی

فرمان

بتاتا

کا یہ

لیکن

بہت سی

تھا جو

لی اللہ

بر کسی میں

میں دوسری

تیم کے

کے حکم

طریقے

لو اپنے

اس کو

نوکر

ان کے

تو چل رہا ہے کہ یہ آقا کا حکم ہے۔ پھر ایک نوکر کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ میں تو نوکر ہوں اور فلاں شخص نوکر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ بس وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آقا کے حکم کا صحیح مطلب سمجھا، اور اس نے صحیح سمجھا، مگر وہ اس کو نوکری سے خارج کر دینے کا ہرگز حجاز نہیں ہے۔ جو شخص ایسی جرأت کرتا ہے وہ گویا خود آقا کا منصب اختیار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ تو جس طرح آقا کے حکم کو ماننے پر مجبور ہے اسی طرح میری سمجھ کو بھی ماننے پر مجبور ہے۔ اگر تو میری سمجھ کو نہ مانے گا تو میں اپنے اختیار سے تجھ کو آقا کی نوکری سے خارج کر دوں گا۔ غور کرو کتنی بڑی بات ہے، اسی بیٹے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ناحق کافر کہے گا اس کا قول خود اسی پر پلٹ جائے گا۔ کیونکہ مسلمان کو تو خدا نے اپنے حکم کا غلام بنایا ہے اور شخص کہتا ہے کہ نہیں، تم میری سمجھ اور میری رائے کی بھی غلامی کرو، دینی صرف خدا ہی سمجھا رہا خدا نہیں ہے بلکہ میں بھی سمجھو ٹا خدا ہوں، اور میرا حکم نہ مانو گے تو میں اپنے اختیار سے تم کو خدا کی بندگی سے خارج کر دوں گا چاہے خدا خارج کرے یا نہ کرے۔ ایسی بڑی بات جو شخص کہتا ہے اس کے کہنے سے چاہے دوسرا مسلمان کافر ہو یا نہ ہو، مگر وہ خود تو اپنے آپ کو کفر کے خطرے میں ڈال ہی دیتا ہے۔

حاضرین! آپ نے دین اور شریعت کا فرق اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ نبی کی کے طریقوں میں اختلاف ہو جانے سے دین میں اختلاف نہیں ہوتا، بشرطیکہ آدمی جس طریقہ پر عمل کرے نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ کر عمل کرے کہ خدا اور اس کے رسول نے وہی طریقہ بتایا ہے جس پر وہ حال ہے۔

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ دین اور شریعت کے اس فرق کو نہ سمجھنے سے آپ کی جماعت میں کتنی خرابیاں واقع ہو رہی ہیں۔

مسلمانوں میں مناز پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک شخص سینے پر ہاتھ باندھتا ہے۔ دوسرا ناف پر باندھتا ہے۔ ایک شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے۔ دوسرا نہیں پڑھتا۔ ایک شخص آمین زور سے کہتا ہے، دوسرا ہستہ کہتا ہے۔ ان میں سے ہر شخص جس طریقہ پر چل رہا ہے یہی سمجھ کر چل رہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ



علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ اس سے نماز کی صورتیں مختلف ہونے کے باوجود دونوں حضور ہی کے پیرو ہیں۔ مگر جن طلبوں نے شریعت کے ان مسائل کو دین سمجھ رکھا ہے انھوں نے محض اپنی طریقوں کے اختلاف کو دین کا اختلاف سمجھ لیا، اپنی جماعتیں الگ کر لیں، اپنی مسجدیں الگ کر لیں۔ ایک نے دوسرے کو گایاں دیں مسجدوں سے مار مار کر نکال دیا۔ مقدمے بازیاں کیں اور رسول اللہ کی امت کو کھڑے کھڑے کر ڈالا۔

اس سے بھی لڑنے اور لڑانے والوں کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک نے دوسرے کو کافر اور فاسق اور گمراہ کہنا شروع کر دیا۔ ایک شخص قرآن سے یا حدیث سے ایک بات اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے، تو وہ اس بات کو کافی نہیں سمجھتا کہ جو کچھ اس نے سمجھا ہے اس پر عمل کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دوسروں سے بھی اپنی سمجھ زبردستی تسلیم کرانے، اور اگر وہ اسے تسلیم نہ کریں تو ان کو خدا کے دین سے خارج کر دے۔

آپ مسلمانوں میں حنفی، شافعی، اہل حریث وغیرہ جو مختلف مذہب سمجھے رہے ہیں یہ سب قرآن و حدیث کو آخری سند مانتے ہیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق وہیں سے احکام نکالتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کی سمجھ صحیح ہو اور دوسرے کی سمجھ غلط ہو۔ یہی ایک طریقہ کا پیرو ہوں، اور اس کو صحیح سمجھتا ہوں، اور اس کے خلاف جو لوگ ہیں ان سے بحث بھی کرتا ہوں، تاکہ جو بات میرے نزدیک صحیح ہے وہ ان کو سمجھاؤں اور جس بات کو میں غلط سمجھتا ہوں اسے غلط ثابت کر دوں۔ لیکن کسی شخص کی سمجھ کا غلط ہونا اور بات ہے اور اس کا دین سے خارج ہونا دوسری بات۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اگر دس مسلمان دس مختلف طریقوں پر عمل کریں تو حجت تک وہ شریعت کو مانتے ہیں، وہ سب مسلمان ہی ہیں، ایک ہی امت ہیں، ان کی جماعتیں الگ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر جو لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے وہ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فرقے بناتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں، اپنی نمازیں اور مسجدیں الگ کر لیتے ہیں، ایک دوسرے سے شادی بیاہ میل جول، اور ربط و ضبط بن کر دیتے ہیں اور اپنے اپنے مذہبوں کے

مذہبوں

و اتفاقاً

لو بھی

ن گاہ

ہے گا

کہ

لما خدا

رج

مگر وہ

مذہب

مذہب

مذہب

مذہب

مذہب

مذہب

مذہب

مذہب

مجھے اس طرح بنایا ہے کہ گویا ہر جگہ ایک لگام ہے۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس فرقہ بندی سے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ کہنے کو مسلمان ایک امت ہیں۔ ہندوستان میں ان کی آٹھ نوکر وڑکی تھیں۔ اتنی بڑی جماعت اگر واقعی ایک ہوا اور پورے اتفاق کے ساتھ خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کام کرے تو دنیا میں کون اتنا دم رکھتا ہے جو اس کو نیچا دکھا سکے۔ حقیقت میں اس فرقہ بندی کی بدولت اس امت کے سینکڑوں ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ ان کے دل ایک دوسرے سے پختے ہوئے ہیں۔ یہ سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی مل کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے والوں سے اتنا ہی تعصب رکھتا ہے جتنا ایک یہودی ایک عیسائی سے رکھتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں کہ ایک فرقے والے نے دوسرے فرقے والے کو نیچا دکھانے کے لیے کفار کا ساتھ دیا ہے۔ ایسی حالت میں اگر آپ مسلمانوں کو ہندوستان میں منسوب دیکھ رہے ہیں تو تعجب نہ کیجیے یہ ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ ان پر وہ غلاب نازل ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:-

اَوَلَيْسَ لَكُمْ شَيْعًا وَبَيْنَ بَنِي بَعْضِكُمْ

یعنی اللہ کے غلاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ تم کو مختلف

فروں میں تقسیم کر دے اور تم آپس میں ہی کٹ مرو۔

بَنَاسَ بَعْضِهِمْ۔

بھائیو! یہ غلاب جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں، اس کے آثار مجھے پنجاب میں سب سے زیادہ نظر آ رہے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے فرقوں کی لڑائیاں ہندوستان کے ہر خطہ سے زیادہ ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کی آبادی میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود آپ کی قوت بے اثر ہے۔ اگر آپ اپنی خیر چاہتے ہیں تو ان جھگڑوں کو توڑ دیے۔ ایک دوسرے کے بھائی بن کر بیٹھیے۔ اور ایک امت بن جائیے۔ خدا کی شہادت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر اہل حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی وغیرہ الگ الگ امتیں بن سکیں۔ یہ امتیں یہ حالت کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اللہ نے صرف ایک امت مسلمہ بنائی تھی۔

## عبادت

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں میں نے آپ کو دین اور شریعت کا مطلب سمجھایا تھا۔ آج میں آپ کے سامنے ایک اور نفاذی تشریح کروں گا جسے مسلمان عام طور پر بولتے ہیں، مگر بہت کم آدمی اس کا صحیح مطلب جانتے ہیں۔ یہ عبادت کا لفظ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں بیان فرمایا ہے کہ مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لَعِبٍ وَكَانَ عَبْدٌ وَدِينٌ۔ یعنی میں نے جن اور انسان کو اس کے سوا اور کسی غرض کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیدائش اور آپ کی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عبادت کا مطلب جاننا آپ کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ اگر آپ اس کے صحیح معنی کو ناواقف ہوں گے تو گویا اس مقصد ہی کو پورا نہ کر سکیں گے جس کے لیے آپ کو پیدا کیا گیا ہے، اور جو چیز اپنے مقصد کو پورا نہیں کرتی وہ ناکام ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اگر مرض کو اچھا نہ کر سکے تو کہتے ہیں کہ وہ علاج میں ناکام ہوا۔ انسان اگر نفس پیدا نہ کر سکے تو کہتے ہیں کہ وہ ذراعت میں ناکام ہوا۔ اسی طرح اگر آپ زندگی کے اصل مقصد یعنی عبادت کو پورا نہ کر سکے تو ہٹنا چاہیے کہ آپ کی ساری زندگی ہی ناکامیاب ہوئی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ پورے غور کے ساتھ عبادت کا مطلب سمجھیں اور اسے اپنے دل میں جگہ دیں کیونکہ یہی آپ کی زندگی کے کامیابی یا ناکام ہونے کا انحصار ہے۔

عبادت کا لفظ ”عبد“ سے نکلا ہے۔ عبد کے معنی بندے اور غلام کے ہیں۔ اس لیے عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے۔ جو شخص کسی کا بندہ ہو اگر وہ اس کی خدمت میں بندوبست کرے اور اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیے تو یہ بندگی اور عبادت ہے۔ اس کے برعکس جو شخص کسی کا بندہ ہو اور



آقا سے تنخواہ بھی پوری پوری وصول کرتا ہو، مگر آقا کے حضور میں بندوں کا سا کام نہ کرے تو اسے نافرمانی اور کفر کہا جاتا ہے، بلکہ زیادہ صریح الفاظ میں اسے مکہ حرامی کہتے ہیں۔

اب غور کیجیے کہ آقا کے مقابلہ میں بندوں کا سا طریقہ اختیار کرنے کی صورت کیا ہے۔

بندے کا پہلا کام یہ ہے کہ آقا ہی کو اپنا آقا سمجھے اور یہ خیال کرے کہ جو میرا مالک ہے، جو مجھے رزق دیتا ہے، جو میری حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے، اسی کی وفاداری مجھ پر فرض ہے، اس کے ہوا اور کوئی اس کا مستحق نہیں کہ میں اس کی وفاداری کروں۔

بندے کا دوسرا کام یہ ہے کہ ہر وقت آقا کی اطاعت کرے، اس کے حکم کو بجالائے، کبھی اس کی خدمت سے منہ نہ موڑے، اور آقا کی مرضی کے خلاف نہ خود اپنے دل سے کوئی بات کرے، نہ کسی دوسرے شخص کی بات مانے۔ غلام ہر وقت ہر حال میں غلام ہے۔ اسے یہ کہنے کا حق ہی نہیں کہ آقا کی فلاں بات مانوں گا اور فلاں بات نہ مانوں گا۔ یا اتنی دیر کے لیے میں آقا کا غلام ہوں، اور باقی وقت میں اس کی غلامی سے آزاد ہوں۔

بندے کا تیسرا کام یہ ہے کہ آقا کا ادب و اس کی تعظیم کرے۔ جو طریقہ ادب و تعظیم کرنے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس کی پیروی کرے۔ جو وقت سلامتی کے لیے حاضر ہونے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس وقت غور و حاضر ہو اور اس بات کا ثبوت دے کہ میں اس کی وفاداری اور اطاعت میں ثابت قدم ہوں۔

بس یہی تین چیزیں ہیں جن سے بن کر عبادت بنتی ہے۔ ایک آقا کی وفاداری۔ دوسرے اطاعت۔ اور تیسرے اس کا ادب و اس کی تعظیم۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ تو اس کا دراصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف اللہ کے وفادار ہوں اس کے خلاف کسی اور کے وفادار نہ ہوں، صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کریں، اس کے خلاف کسی اور کا حکم نہ مانیں، اور صرف اس کے آگے ادب و تعظیم سے سرجھکائیں کسی دوسرے کے آگے سرنہ جھکائیں۔ انہی تین چیزوں کو اللہ نے "عبادت" کے جامع لفظ میں بیان کیا ہے یہی مطلب ان تمام آیتوں کا ہے جن میں اللہ

نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور ہمارے نبی کریم اور آپ سے پہلے جتنے نبی خدا کی طرف سے آئے ہیں ان سب کی تعلیم کا سارا لب لباب یہی ہے کہ اَلَا تَعْبُدُنَّ لِلّٰہِ وَلَا لَآ اِلَہَ اِلَّا اللّٰہُ، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی صرف ایک بادشاہ ہے جس کا تمہیں وفادار بننا چاہیے، اور وہ بادشاہ اللہ ہے، صرف ایک قانون ہے جس کی تمہیں پیروی کرنی چاہیے اور وہ قانون اللہ کا قانون ہے، اور صرف ایک ہی جی ایسی ہے جس کی تمہیں بوجہ اور پرورش کرنی چاہیے، اور وہ جی ہی اللہ کی ہے۔

عبادت کا یہ مطلب اپنے ذہن میں رکھیے، اور پھر ذرا میرے سوالات کا جواب دیتے جائیے۔

آپ اس نوکر کے متعلق کیا کہیں گے جو آقا کی مقرر کی ہوئی ڈیوٹی پر جانے کے بجائے ہر وقت بس اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور لاکھوں مرتبہ اس کا نام چپتا چلا جائے؟ آقا اس سے کہتا ہے کہ جا کر فلاں فلاں آدمیوں کے حق ادا کر۔ مگر یہ جاتا نہیں بلکہ وہیں کھڑے کھڑے آقا کو جھک کر دس سلام کرتا ہے اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ آقا اسے حکم دیتا ہے کہ جا اور فلاں فلاں خرابیوں کو مٹا دے۔ مگر یہ ایک پنج وہاں سے نہیں ہٹتا اور سچے پر سچے کیے چلا جاتا ہے۔ آقا حکم دیتا ہے کہ پھر کا ہاتھ کاٹ دے۔ یہ حکم سن کر بس وہیں کھڑے کھڑے نہایت خوش الحانی کے ساتھ پھر کا ہاتھ کاٹ دے پھر کا ہاتھ کاٹ دے، بیسیوں مرتبہ پڑھتا رہتا ہے، مگر ایک فیصلہ بھی اس نظام حکومت کے قیام کی کوشش نہیں کرتا جس میں شرعی حدود جاری ہوں۔ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص حقیقت میں آقا کی بندگی کر رہا ہے؟ اگر آپ کا کوئی ملازم یہ رویہ اختیار کرے تو میں جانتا ہوں کہ آپ اسے کیا کہیں گے۔ مگر حیرت ہے آپ پر کہ خدا کا جو نوکر ایسا کرتا ہے آپ اسے بڑا عبادت گزار کہتے ہیں ایہ ظالم صبح سے شام تک خدا جانے کتنی مرتبہ قرآن شریف میں خدا کے احکام پڑھتا ہے، مگر ان احکام کو بجالانے کے لیے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کرتا، بلکہ نفل پرنفل پڑھے جاتا ہے، ہزار وائے سبح پر خدا کا نام چپتا ہے اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ آپ اس کی یہ حرکتیں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیسا زاہد عابد بندہ ہے ایہ غلط فہمی صرف اس وجہ سے ہے

کہ آپ عبادت کا صحیح مطلب نہیں جانتے۔

ایک اور نوکر ہے جو رات دن ڈیوٹی تو غیروں کی انجام دیتا ہے، احکام غیروں کے سنتا اور ناستا ہے، قانون پر غیروں کے عمل کرتا ہے اور اپنے اہلی آقا کے فرمان کی ہر وقت خلاف ورزی کیا کرتا ہے، مگر سلامی کے وقت آقا کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے اور زبان سے آقا ہی کا نام جیتا رہتا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی شخص کا نوکر یہ طریقہ اختیار کرے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ اس کی سلامتی کو اس کے منہ پر نہ ماریں گے؟ جب وہ زبان سے آپ کو آقا اور مالک کہے گا تو کیا آپ فوراً یہ جواب نہ دیں گے کہ تو پرے درجہ کا بھوٹا اور بے ایمان ہے، نخواہ مجھ سے بیٹتا ہے اور نوکری دوسروں کی کرتا ہے، زبان سے مجھے آقا کہتا ہے، اور حقیقت میں میرے سوا ہر ایک کی خدمت کرتا پھر مرنے پر یہ تو ایک معمولی عقل کی بات ہے جسے آپ میں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مگر کسی حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ رات دن خدا کے قانون کو توڑتے ہیں، کفار و مشرکین کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اور اپنی زندگی کے معاملات میں خدا کے احکام کی کوئی پروا نہیں کرتے ان کی ناز اور درزے اور سچ اور خلاف قرآن اور حج و زکوٰۃ کو آپ خدا کی عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ عبادت کے اصل مطلب سے واقف ہیں۔

ایک اور نوکر کی مثال لیجیے۔ آقا نے اپنے نوکروں کے لیے جو وردی مقرر کی ہے، یہ ٹھیک ناپ تول کے ساتھ اس وردی کو پہنتا ہے، بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ آقا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، ہر حکم کو سن کر اس طرح جھک کر بسر و چشم کہتا ہے کہ گویا اس سے بڑھ کر طاعت گزار خادم کوئی نہیں۔ سلامی کے وقت سب سے آگے جا کر کھڑا ہوتا ہے اور آقا کا نام چنے میں تمام نوکروں سے بازی لے جاتا ہے۔ مگر آقا کے دشمنوں اور باغیوں کی خدمت بجا لاتا ہے۔ آقا کے خلاف ان کی سازشوں میں حصہ لیتا ہے۔ اور آقا کے نام کو دنیا سے مٹانے کی جو کوشش بھی وہ کرتے ہیں اس میں یہ کم نجات ان کا ساتھ دیتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں تو آقا کے گھر میں نقب لگاتا ہے، اور صبح بڑے وفادار ملازموں کی طرح ہاتھ باندھ کر آقا کی خدمت میں حاضر ہو جاتا



ہے۔ ایسے نوکر کے متعلق آپ کیا کہیں گے وہ یہی تاکہ وہ منافق ہے، باغی ہے، مکہ حرام ہے۔ مگر خدا کے جو نوکر ایسے ہیں ان کو آپ کیا کہہ سکتے ہیں، کسی کو پیر صاحب اور کسی کو حضرت مولانا اور کسی کو دینار، متقی اور عبادت گزار یہ وہ مفاسد ہیں کہ آپ ان کے منہ پر پوسے ناپ کی ڈاڑھیاں دیکھ کر ان کے گھٹنوں سے دود داغ اونچے پڑ جائے دیکھ کر ان کی پیشانیوں پر نماز کے گٹے دیکھ کر، اور ان کی لمبی لمبی نمازیں اور موٹی موٹی قمیصیں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بڑے دیندار اور عبادت گزار ہیں۔ یہ غلط فہمی تھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ نے عبادت اور دینداری کا مطلب ہی غلط سمجھا ہے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر قبیلہ روکھڑے ہونا، گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنا، زمین پر ہاتھ ٹیک کر سجدہ کرنا، اور چند مقرر الفاظ زبان سے ادا کرنا ایسی ہی چند افعال اور حرکات بجائے خود عبادت ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزانہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہنا عبادت ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مکہ معظمہ جا کر کعبہ کے گرد وطواف کرنے کا نام عبادت ہے۔ غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے، اور جب کوئی شخص ان شکلوں کے ساتھ ان افعال کو پورا کر دیتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے خدا کی عبادت کر دی اور مَا حَاقَّكَ اللَّهُ الْخَنَّاسُ وَاللَّاسِ لَا يُعِينُكَ دُونَكَ کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب وہ اپنی زندگی میں آزاد ہے کہ جو چاہے کرے۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس عبادت کے لیے آپ کو پیدا کیا ہے اور جس کا آپ کو حکم دیا ہے وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہ عبادت یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہر وقت ہر حال میں خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور اس قانون کو توڑیں جو قانون الہی کے خلاف ہو۔ آپ کی تہنیش اس حد کے اندر ہو جو خدا نے آپ کے لیے مقرر کی ہے۔ آپ کا ہر فعل اس طریقہ کے مطابق ہو جو خدا نے بتا دیا ہے۔ اس طرز پر جو زندگی آپ بسر کریں گے وہ پوری کی پوری عبادت ہو گی۔ ایسی زندگی میں آپ کا سونا بھی عبادت ہے اور جاننا بھی، کھانا بھی عبادت ہے اور پینا بھی، چلنا بھرننا بھی عبادت ہے اور بات کرنا بھی، حتیٰ کہ اپنی بیوی کے پاس جانا اور اپنے بچے کو پالنا بھی عبادت ہے۔

تسا ہے

سلا می

فی نفس

سلا

یہ ابان

بیرے

مگر کسی

ہیں،

تلاوت

مطلب

پیش

دن کے

سبب

ن اور

یاست

تو آقا

نرمو جا

جن کاموں کو آپ بالکل دنیا داری کہتے ہیں، وہ سب دینداری اور عبادت میں اگر آپ ان کو انجام دینے میں خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کا لحاظ کریں، اور زندگی میں ہر ہر قدم پر یہ دیکھ کر چلیں کہ خدا کے نزدیک جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے۔ حلال کیا کس چیز پر خدا خوش ہوتا ہے اور کس پر ناراض ہوتا ہے۔ مثلاً آپ روزی کمانیکے لیے نکلتے ہیں۔ اس کام میں بہت سے مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں حرام کمال آسانی کے ساتھ آپ کو مل سکتا ہے۔ اگر آپ خدا سے ڈر کر وہ مال نہ لیا اور صرف حلال کی روٹی کھا کر لائے تو یہ جتنا وقت آپ نے روٹی کمانے پر صرف کیا یہ سب عبادت تھا، اور یہ روٹی گھر لاکر جو آپ نے خود کھائی اور اپنے بیوی بچوں اور خدا کے مقرر کیے ہوئے دوسرے مفادوں کو کھلائی، اس سب پر آپ اجر و ثواب کے مستحق ہو گئے۔ آپ نے اگر راستہ چلنے میں کوئی پتھر یا کانٹا ہٹا دیا اس خیال سے کہ خدا کے بندوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ بھی عبادت ہے۔ اگر آپ نے کسی بیمار کی خدمت کی، یا کسی اندھے کو راستہ چلایا، یا کسی مصیبت زدہ کی مدد کی، تو یہ بھی عبادت ہے۔ آپ نے اگر بات چیت کرنے میں جھوٹ یا غیبت سے دل آزاری اور بدگوئی سے پرہیز کیا، اور خدا سے ڈر کر صرف حق بات کی تو جتنا وقت آپ نے بات چیت میں صرف کیا وہ سب عبادت میں صرف ہوا۔

پس خدا کی اصلی عبادت یہ ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے مرتے دم تک آپ خدا کے قانون پر چلیں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس عبادت کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ عبادت ہر وقت ہونی چاہیے۔ اس عبادت کے لیے کوئی شکل نہیں ہے۔ ہر کام اور شکل میں اس کی عبادت ہونی چاہیے جب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فلاں وقت خدا کا بندہ ہوں اور فلاں وقت اس کا بندہ نہیں ہوں، تو آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلاں وقت خدا کی بندگی و عبادت کے لیے ہے اور فلاں وقت اس کی بندگی و عبادت کے لیے نہیں ہے۔

بھائیو! آپ کو عبادت کا مطلب معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زندگی میں ہر وقت ہر حال میں خدا کی بندگی و اطاعت کرنے کا نام ہی عبادت ہے۔ اس لیے آپ پوچھیں گے کہ یہ نماز روزہ اور حج وغیرہ کیا چیزیں

ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ عبادتیں جو اللہ نے آپ پر فرض کی ہیں، ان کا مقصد آپ کو اس بڑی عبادت کے لیے تیار کرنا ہے جو آپ کو زندگی میں ہر وقت ہر حال میں ادا کرنی چاہیے۔ نماز آپ کو دن میں پانچ وقت یا دو لائق ہے کہ تم اللہ کے بندے ہو، اسی کی بندگی تمہیں کرنی چاہیے۔ روزہ سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینہ تک آپ کو اسی بندگی کے لیے تیار کرتا ہے۔ زکوٰۃ آپ کو بار بار توجہ دلاتی ہے کہ یہ مال جو تم نے کمایا ہے یہ خدا کا عطیہ ہے، اس کو صرف اپنے نفس کی خواہشات پر صرف نہ کرو، بلکہ اپنے مالک کا حق ادا کرو۔ حج دل پر خدا کی محبت اور بزرگی کا ایسا نقش بٹھاتا ہے کہ اگر ایک مرتبہ وہ چھ جائے تو تمام عمر اس کا اثر دل سے دو نہیں ہو سکتا۔ ان سب عبادتوں کو ادا کرنے کے بعد اگر آپ اس قابل ہو گئے کہ آپ کی ساری زندگی خدا کی عبادت بن جائے، تو بلاشبہ آپ کی نماز نماز ہے اور روزہ روزہ ہے، زکوٰۃ زکوٰۃ ہے اور حج حج ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو محض رکوع اور سجدہ کرنے اور بھوک پیاس کے دن گزارنے اور حج کی رسمیں ادا کر لینے اور زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ ان ظاہری طریقوں کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک جسم ہو، اگر اس میں جان ہے اور وہ چلتا پھرتا اور کام کرتا ہے تو بلاشبہ ایک زندہ انسان ہے۔ لیکن اگر اس میں جان ہی نہیں تو وہ ایک مردہ لاش ہے۔ مردے کے ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک، سب ہی کچھ ہوتے ہیں، مگر اس میں جان نہیں ہوتی اس لیے تم اسے مٹی میں دبا دیتے ہو۔ اسی طرح اگر نماز کے ارکان پورے ادا ہوں یا روزے کی شرطیں پوری ادا کر دی جائیں مگر وہ مقصد پورا نہ ہو جس کے لیے نماز اور روزہ فرض کیا گیا ہے تو وہ بھی ایک بے جان چیز ہوگی۔

آئندہ خطبات میں میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتاؤں گا کہ جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک کس طرح اس بڑی عبادت کے لیے انسان کو تیار کرتی ہے، اور اگر ان عبادتوں کو آپ سمجھ کر ادا کریں، اور ان کا اصلی مقصد پورا کرنے کی کوشش کریں، تو اس سے آپ کی زندگی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

م دینے

ب جان

سائیکے

پاؤں

کمانے

ہوے

شادیاں

مذہب کو

سورہ

میں

میں

پر حلیں اور

ہر وقت

ب جب آپ

بھی نہیں

ش کے لیے

ل میں خدا

و کیا چیز



## نماز

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں میں نے آپ کے سامنے عبادت کا اصل مطلب بیان کیا تھا، اور یہ وعدہ کیا تھا کہ اسلام میں جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں ان کے متعلق آپ کو بتاؤں گا کہ یہ عبادتیں کس طرح آدنی کو اس بڑی اور اصلی عبادت کے لیے تیار کرتی ہیں جس کے لیے اللہ نے جن دلائل کو پیدا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز نماز ہے، اور آج کے خطبہ میں صرف اسی کے متعلق میں آپ سے کچھ بیان کروں گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عبادت دراصل بندگی کو کہتے ہیں۔ اور جب آپ خدا کے بندہ ہی پیدا ہوئے ہیں، تو آپ کسی وقت کسی حال میں بھی اُس کی بندگی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ جس طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنے گھنٹے یا اتنے منٹوں کے لیے خدا کا بندہ ہوں اور باقی وقت میں اس کا بندہ نہیں ہوں، اسی طرح آپ بھی نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنا وقت خدا کی عبادت میں صرف کروں گا اور باقی اوقات میں مجھے آزادی ہے کہ جو چاہوں کروں۔ آپ تو خدا کے پیدا شدہ غلام ہیں۔ اس نے آپ کو بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے، لہذا آپ کی ساری زندگی اس کی عبادت میں صرف ہونی چاہیے، اور کبھی ایک لمحہ کے لیے آپ کو اس کی عبادت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

یہ بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ عبادت کے معنی دنیا کے کام کاج سے الگ ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جانے اور اللہ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ دراصل عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں خدا کے قانون کے مطابق کریں۔ آپ کا کھانا اور پینا، آپ کا چلنا اور پھرنا، غرض سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو۔ آپ جب اپنے گھر میں بیوی بچوں، بھائی بہنوں اور غرض رشتہ داروں کے پاس ہوں تو اُن کے ساتھ اُس طرح پیش آئیں جس طرح خدا نے حکم دیا ہے جب اپنے دوستوں میں نہیں اور بولیں، اس وقت بھی آپ کو خیال ہے کہ ہم خدا کی بندگی سے آزاد نہیں ہیں جب آپ روزی کمانے کے لیے نکلیں اور لوگوں سے لین دین کریں

اس وقت بھی ایک ایک بات اور ایک ایک کام میں خدا کے احکام کا خیال رکھیں اور کبھی اُس حد سے نہ بڑھیں جو خدا نے مقرر کر دی ہے۔ جب تک آپ رات کے اندھیرے میں ہوں اور کوئی گناہ اس طرح کر سکتے ہوں کہ دنیا میں کوئی آپ کو دیکھنے والا نہ ہو، اس وقت بھی آپ کو یاد ہے کہ خدا آپ کو دیکھ رہا ہے اور اصل ڈر اُس کا ہونا چاہیے نہ کہ دنیا کے لوگوں کا۔ آپ جربہ جھل میں تنہا جا رہے ہوں اور وہاں کوئی جرم اس طرح کر سکتے ہوں کہ کسی پولیس مین اور کسی گواہ کا کھٹکانہ ہو تو اس وقت بھی آپ خدا کو یاد کر کے ڈرجائیں اور جرم سے باز رہیں۔ جب آپ جھوٹ اور بے ایمانی اور ظلم سے بہت سا فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور کوئی آپ کو روکنے والا نہ ہو، اس وقت بھی آپ خدا سے ڈریں اور اس فائدے کو اس سے بچھوڑ دیں کہ خدا اس سے ناراض ہو گا۔ اور جب بچائی اور ایمان داری میں ہلکے آپ کو نقصان پہنچ رہا ہو اس وقت بھی آپ نقصان اٹھانا قبول کر لیں، صرف اس لیے کہ خدا اس سے خوش ہو گا۔ پس دنیا کو چھوڑ کر گوشوں اور کونوں میں جا بیٹھنا اور سچ بولنا عبادت نہیں ہے، بلکہ دنیا کے دھندلوں میں گھسنے خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے۔ ذکر الہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زبان پر الحمد للہ جاری ہو، بلکہ اصل ذکر الہی یہ ہے کہ دنیا کے جھگڑوں اور کپیڑوں میں گھنٹس جاؤ اور اس ہنگامے میں خدا کو یاد رکھو جو چیزیں خدا سے غافل کرنے والی ہیں، ان میں ہنسنا اور بچہ خدا سے غافل نہ ہو۔ دنیا کی زندگی میں جہاں خدائی قانون کو توڑنے کے بے شمار مواقع بڑے بڑے فائدوں کے لالچ اور نقصان کا خوف لیے ہوئے آتے ہیں وہاں خدا کو یاد کرو اور اس کے قانون کی پیروی پر قائم رہو۔ یہ ہے اصلی یاد خدا۔ اس کا نام ہے ذکر الہی اور اسی ذکر کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے کہ قَدْ أَفْضَيْتِ الصَّلَاةَ قَاتِلَتِ الشِّرْكَ وَافَى الْأَكْرَهَ حَضَّ وَابْتَغَوْا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ يُفْلَحُونَ۔ یعنی جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، خدا کے فضل یعنی رزق حلال کی تلاش میں دوڑو دھوپ کرو، اور اس دوڑ و دھوپ میں خدا کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ عبادت کا یہ مطلب ہے کہ میں رکھے اور غور کیجے کہ اتنی بڑی عبادت انجام دینے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت ہے، اور نماز کس طرح وہ سب چیزیں انسان میں پیدا کرتی ہے۔

یہ دعوہ  
کو اس  
یہ ہے  
پیدا ہو  
میں  
پیدا بھی  
بچا ہوں  
ری زندگی  
ہے  
ٹھیک جانے  
اسے قانون  
پابندی  
نہ اس  
و خیال  
دین کریں

سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ کو بار بار یاد دلایا جاتا رہے کہ آپ خدا کے بندے ہیں، اور اسی کی بندگی آپ کو ہر وقت ہر کام میں کرنی ہے۔ یہ یاد دلانے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ایک شیطان آدمی کے نفس میں بٹھا ہوا ہے جو ہر وقت کہتا رہتا ہے کہ تو میرا بندہ ہے۔ اور لاکھوں کروڑوں شیطان ہر طرف دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر شیطان یہی کہہ رہا ہے کہ تو میرا بندہ ہے۔ ان شیطانوں کا ظلم اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک انسان کو دن میں کئی کئی بار یہ یاد نہ دلایا جائے کہ تو کسی کا بندہ نہیں، صرف خدا کا بندہ ہے۔ یہی کام نماز کرتی ہے۔ صبح اٹھتے ہی سریکاموں سے پہلے وہ آپ کو یہی بات یاد دلاتی ہے۔ پھر جب آپ دن کو اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت پھر تین مرتبہ اسی یاد کو تازہ کرتی ہے، اور جب آپ رات کو سونے کے لیے جاتے ہیں تو آخری بار پھر اسی کا اعادہ کرتی ہے۔ یہ نماز کا پہلا فائدہ ہے۔ اور قرآن میں اسی بنا پر نماز کو ذکر تعبیر کیا گیا ہے، یعنی یہ خدا کی یاد ہے۔

پھر چونکہ آپ کو اس زندگی میں ہر قدم پر خدا کے احکام بجالانے ہیں اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ میں فرض شناسی کا مادہ پیدا ہو، اور اس کے ساتھ فرض کو مستعدی سے انجام دینے کی عادت بھی ہو۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ فرض کسے معنی کیا ہیں، وہ تو کبھی احکام کی اطاعت کر ہی نہیں سکتا، اور جو شخص فرض کے معنی تو جانتا ہو مگر اس کی تربیت اتنی خراب ہو کہ فرض کو فرض جانتے کے باوجود اسے ادا کرنے کی پروا نہ کرے، اس سے کبھی یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جو ہزاروں احکام اسے دیے جائیں گے ان کو وہ مستعدی کے ساتھ انجام دے گا۔

جن لوگوں کو فوج یا پولیس میں ملازمت کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان دونوں ملازمتوں میں ڈیوٹی کو سمجھنے اور اسے ادا کرنے کی شش کس طرح کرانی جاتی ہے۔ رات دن میں کسی کئی بار بگل بجایا جاتا ہے، سپاہیوں کو ایک جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے، ان سے قواعد کرائی جاتی ہے۔ یہ سب اس لیے کہ ان کو حکم بجالانے کی عادت ہو، اور ان میں سے جو لوگ ایسے شست اور نالائق ہوں کہ بگل کی آواز سن کر بھی گھر بیٹھے رہیں یا قواعد میں حکم



مطابق حرکت نہ کریں انھیں پہلے ہی ناکارہ کچھ کر ملازمت سے الگ کر دیا جائے پس اسی طرح نماز بھی دن میں پانچ وقت بجلی بجاتی ہے تاکہ اللہ کے سپاہی اس کو سن کر ہر طرف سے دوڑے چلے آئیں اور ثابت کریں کہ وہ اللہ کے احکام کو ماننے کے لیے مستعد ہیں۔ جو مسلمان اس بجلی کو سن کر بھی میٹھا رہتا ہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتا وہ دراصل یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ یا تو فرض کو پہچانتا ہی نہیں، یا اگر پہچانتا ہے تو وہ اتنا نالائق اور ناکارہ ہے کہ خدا کی فوج میں رہنے کے قابل نہیں۔

اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اذان کی آواز سن کر اپنے گھروں سے نہیں نکلتے، میرا جی چاہتا ہے کہ جا کر ان کے گھروں میں لگ لگا دوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں نماز پڑھنے کو کفر اور اسلام کے درمیان وجہ امتیاز قرار دیا گیا ہے۔ عہد رسالت و عہد صحابیہ میں کوئی ایسا شخص مسلمان ہی نہ سمجھا جاتا تھا جو نماز کے لیے جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو، حتیٰ کہ منافقین بھی جنھیں اس امر کی ضرورت ہوتی تھی کہ ان کو مسلمان سمجھا جائے، اس امر پر مجبور ہوتے تھے کہ نماز باجماعت میں شریک ہوں۔ چنانچہ قرآن میں جس چیز پر منافقین کو ملامت کی گئی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے، بلکہ یہ ہے کہ بادل ناخواستہ نہایت بددلی کے ساتھ نماز کے لیے اٹھتے ہیں۔ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک عقائدی چیز نہیں ہے، بلکہ عملی چیز ہے، اور عملی چیز بھی ایسی کہ زندگی میں ہر وقت ہر لمحہ ایک مسلمان کو اسلام پر عمل کرنے اور کفر و فسق سے بچنے کی ضرورت ہے۔ ایسی زبردست عملی زندگی کے لیے لازم ہے کہ مسلمان خدا کے احکام کی بالائے کے لیے ہر وقت مستعد ہو۔ جو شخص اس قسم کی مستعدی نہیں رکھتا وہ اسلام کے لیے قطعاً ناکارہ ہے۔ اسی لیے دن میں پانچ وقت نماز فرض کی گئی تاکہ جو لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے کہ وہ فی الواقع مسلمان ہیں یا نہیں اور فی الواقع اس عملی زندگی میں خدا کے احکام کی بالائے کے لیے مستعد ہیں یا نہیں۔ اگر وہ خدا کی پریڈ کا بل سن کر جنبش نہیں کرتے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام کی عملی زندگی کے لیے تیار نہیں ہیں اس کے بعد ان کا خدا کو ماننا اور رسول کو ماننا محض بے معنی ہے۔ اسی بنا پر قرآن

میں ارشاد ہے کہ اَتَّاهَا لَكُم مِّنْ فَضْلِي الْعَاشِعِينَ یعنی جو لوگ خدا کی اطاعت بندگی کے لیے تیار نہیں ہیں، انھی پر نماز گراں گزرتی ہے، اور جس پر نماز گراں گزرتے وہ خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ وہ خدا کی بندگی و اطاعت کے لیے تیار نہیں ہے۔

تیسری چیز خدا کا خوف ہے جس کے ہر آن دل میں تازہ رہنے کی ضرورت ہے مسلمان اسلام کے مطابق عمل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے یقین نہ ہو کہ خدا ہر وقت ہر جگہ اسے دیکھ رہا ہے، اس کی ہر حرکت کا خدا کو علم ہے، خدا اندھیرے میں بھی اس کو دیکھتا ہے، خدا تنہائی میں بھی اس کے ساتھ ہے، تمام دنیا سے چھپ جانا ممکن ہے مگر خدا سے چھپنا ممکن نہیں، تمام دنیا کی سڑاؤں سے آوی پچ سکتا ہے، مگر خدا کی سزا سے بچنا غیر ممکن ہے۔ یہی یقین آدمی کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے روکتا ہے۔ اسی یقین کے زور سے وہ حلال اور حرام کی ان حدود کا لحاظ رکھنے پر مجبور ہوتا ہے جو اللہ نے زندگی کے معاملات میں قائم کی ہیں۔ اگر یہ یقین کمزور ہو جائے تو مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان کی طرح زندگی بسر کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے اللہ نے دن میں پانچ وقت نماز فرض کی ہے تاکہ وہ اس یقین کو دل میں بار بار مضبوط کرتی رہے۔ چنانچہ قرآن میں خود اللہ ہی نے نماز کی اس مصلحت کو بیان کر دیا کہ إِنَّ اللَّهَ تَقِيَّ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ یعنی نماز وہ چیز ہے جو انسان کو بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ اس کی وجہ آپؐ کر کے خود سمجھ سکتے ہیں مثلاً آپ نماز کے لیے پاک ہو کر اور وضو کر کے آتے ہیں۔ اگر آپ ناپاک ہوں اور غسل کیا بغیر آجائیں، یا آپ کے کپڑے ناپاک ہوں اور انہی کو پہنے ہوئے آجائیں، یا آپ کو وضو نہ ہو اور آپ کہیں کہ میں وضو کر کے آیا ہوں، تو دنیا میں کون آپ کو پکڑ سکتا ہے؟ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سے یہ گناہ نہیں چھپ سکتا۔ اسی طرح نماز میں جو چیزیں اہم تھیں پڑھی جاتی ہیں اگر ان کو آپ نہ پڑھیں تو کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ مگر آپ کبھی ایسا نہیں کرتے۔ یہ کس لیے؟ اسی لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سب کچھ سن رہا ہے اور آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہر طرح آپ جنگل میں بھی نماز پڑھتے ہیں رات اندھیر میں بھی نماز پڑھتے ہیں گھر میں جب تنہا ہوتے ہیں اس وقت بھی نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ کوئی آپ کو دیکھنے والا نہیں ہوتا اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

اپنے نماز نہیں پڑھی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے یہی کہ آپ چھپ کر بھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں اور آپ کو یقین ہے کہ خدا سے کسی جرم کو چھپانا ممکن نہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نماز کس طرح خدا کا خوف اور اس کے حاضر و ناظر اور عظیم و خیر ہو نے کا یقین آدمی کے دل میں بٹھاتی اور تازہ کرتی رہتی ہے۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں آپ ہر وقت خدا کی عبادت اور بت کی کب سے کر سکتے ہیں جب تک کہ یہ خوف اور یقین آپ کے دل میں تازہ نہ ہوتا رہے۔ اگر اس چیز سے آپ کا دل خالی ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ رات دن چوبیس گھنٹوں میں معاملات آپ کو دنیا میں پیش آتے ہیں، ان میں آپ خدا سے ڈر کر نیکی پر قائم رہیں گے اور بدی سے بچیں گے۔

جو تھکی چیز جو عبادت الہی کے لیے نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ آپ خدا کے قانون سے واقف ہو جائیں۔ اس لیے کہ اگر آپ کو قانون کا علم ہی نہ ہو تو آپ اس کی پابندی کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ کام بھی نماز انجام دیتی ہے۔ نماز میں قرآن جو پڑھا جاتا ہے، یہ اسی لیے ہے کہ روزانہ آپ خدا کے احکام اور اس کے قانون سے واقف ہوتے ہیں۔ جمعہ کا خطبہ بھی اسی لیے ہے کہ آپ کو اسلام کی تعلیم سے واقفیت ہو۔ نماز باجماعت درجہ سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عالم اور عامی بابر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور لوگوں کو ہمیشہ خدا کے احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا رہے۔ اب یہ آپ کی بد قسمتی ہے کہ آپ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ آپ کو جمعہ کے خطبہ بھی ایسے سنائے جاتے ہیں جن سے آپ کو اسلام کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔ اور نماز کی جماعتوں میں اگر نہ آپ کے عالم اپنے جاہل بھائیوں کو کچھ سکھاتے ہیں اور نہ جاہل اپنے عالم بھائیوں سے کچھ پوچھتے ہیں۔ نماز تو آپ کو ان سب فائدوں کا موقع دیتی ہے، آپ خود فائدہ نہ اٹھائیں تو نماز کا کیا قصور؟

بانیوں چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان زندگی کے اس ہنگامہ میں اکیلانہ ہو، بلکہ سب مسلمان مل کر ایک مضبوط عورت بنیں اور خدا کی عبادت، یعنی اس کے احکام کی پابندی کرنے اور اس کے قانون پر عمل کرنے اور اس کے قانون کو دنیا میں جاری کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس زندگی میں ایک طرف مسلمان یعنی خدا کے فرماں بردار بندے ہیں اور دوسری طرف کفار یعنی خدا کے باغی بندے ہیں۔ رات دن فرماں برداری



اور بغاوت کے درمیان کشمکش برپا ہے۔ باغی خدا کے قانون کو توڑتے ہیں اور اس کے خلاف دنیا میں شیطانی قوانین کو جاری کرتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اگر ایک ایک مسلمان تنہا ہو تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ خدا کے فرماں بردار بندے مل کر اجتماعی طاقت سے بغاوت کا مقابلہ کریں اور خدا کے قانون کو نافذ کریں۔ یہ اجتماعی طاقت پیدا کرنے والی چیز تمام چیزوں سے بڑھ کر نماز ہے۔ پانچ وقت کی جماعت، پھر جمعہ کا بڑا اجتماع، یہ سب مل کر مسلمانوں کو ایک مضبوط دیوار کی طرح بنا دیتے ہیں اور ان میں وہ یک جہتی اور عملی اتحاد پیدا کرتے ہیں جو روزِ مہم کی عملی زندگی میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار بنانے کے لیے ضروری ہے۔

## نمازیں آپ کیا پڑھتے ہیں

برادرانِ اسلام! پچھلے خلیہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ نماز کس طرح انسان کو اللہ کی عبادت یعنی بندگی اور اطاعت کے لیے تیار کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ میں نے کہا تھا اس سے آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ جو شخص نماز کو محض فرض اور حکم الہی جان کر باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا ہے وہ اگر نماز کی دعاؤں کا مطلب نہ سمجھتا تو تب بھی اس کے اندر کس طرح خدا کا خوف، اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین، اور اس کی عدالت میں ایک طرف حاضر ہونے کا اعتقاد ہر وقت تازہ ہونا رہتا ہے۔ اور کس طرح اس کے دل میں یہ عقیدہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں اور خدا ہی اس کا اصلی بادشاہ اور حاکم ہے، اور کس طرح اس کے اندر فرض شناسی کی عادت اور خدا کے احکام بجالانے کے لیے مستعدی پیدا ہوتی ہے، اور کس طرح اس میں وہ صفات خود بخود پیدا ہونے لگتی ہیں جو انسان کی ساری زندگی کو خدا کی بندگی و عبادت بنا دینے کے لیے ضروری ہیں۔ اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر انسان اسی نماز کو سمجھ کر ادا کرے اور نماز پڑھتے وقت یہ بھی جانتا رہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو اس کے خیالات اور اس کی عادات و خصائل پر کتنا زبردست اثر پڑے گا، اس کے ایمان کی قوت کس قدر بڑھتی چلی جائے گی، اور اس کی زندگی کا رنگ کیسا بدلتا جائے گا۔

سب سے پہلے اذان کو لیجیے۔ دن میں پانچ وقت آپ کو کیا کہہ کر پکارا جاتا ہے؟ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ "خدا سب سے بڑا ہے، خدا سب سے بڑا ہے، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی بندگی کا حق دار نہیں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ سُبْحٰنَ عَلٰی الصَّلٰوۃِ "اُوں نماز کے لیے" سُبْحٰنَ عَلٰی الْفَلَاحِ "اُوں کام کے لیے" میں فلاح اور بہبودی ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اللہ سب سے بڑا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

دیکھو کیسی زبردست پکار ہے۔ ہر روز پانچ مرتبہ یہ آواز کس طرح تمہیں یاد دلاتی ہے کہ زمین میں جتنے بڑے بڑے خدائی کے دعویٰ نظر آتے ہیں سب جھوٹے ہیں زمین و آسمان میں ایک ہی ہستی ہے جس کے لیے بڑائی ہے، اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ آواز اس کی عبادت کر دو۔ اسی کی عبادت میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ "کون ہے جو اس آواز کو سن کر دل نہ جائے گا؟ کیونکر ممکن ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہو وہ اتنی بڑی گواہی اور ایسی زبردست پکار سن کر اپنی جگہ بیٹھا رہ جائے اور اپنے مالک کے آگے سر جھکانے کے لیے دوڑ نہ پڑے؟

اس کے بعد تم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو منہ قبلہ کے سامنے ہے۔ پاک صاف ہو کر پادشاہ عالم کے دربار میں حاضر ہو۔ سب پہلے تمہاری زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔ اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ میں نے یکسر ہر کہ اپنا رخ اس ذات کی طرف پھیر دیا ہے جس سے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خدائی میں کسی اور کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس زبردست بات کا اقرار کر کے تم کا دل ہلکا ہوتا ہے، گویا دنیا و مافیہا سے دست بردار ہو رہے ہو۔ پھر انداکیں کہہ کر ہاتھ باندھ لیتے ہو، گویا اب تم بالکل اپنے پادشاہ کے سامنے مودب، دست بستہ کھڑے ہو۔ اس کے بعد تم کیا عرض کرو گے ہو؟

سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اَسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَكَرَّ اَلَمِ عِزِّكَ۔ پاک ہے تو ہے میرے محبوب، تعریف و تائید سے تیرے لیے برکت والا ہے تیرا نام، سب سے بلند و بالا ہے تیری بزرگی اور کوئی محبوب تو نہیں تیرے سوا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ خدا کی پناہ مانگتا ہوں میں شیطان مردود کی دراندازی اور

شرارت سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحٰنَ اَعْلٰیہِیْنَ۔ تعریف خدا کے لیے ہے جو سارے جہان والوں کا مالک پروردگار ہے۔



الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ "ہدایت رحمت والا بڑا مہربان ہے۔" مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ "روزِ آخرت کا مالک ہو۔" جس میں اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پھل ملے گا۔ اِنَّكَ تَعْلَمُ وَاَيُّكَ فَتَسْتَعِجِلُنَّ "مالک! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔" اِنَّ هٰذَا لَآلِهَةٌ مِّنْ اِلٰهِ الْمُسْلِمِينَ "ہم کو یہ ہمارا رب دکھا۔" صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ "ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تونے فضل کیا ہے اور انعام فرمایا ہے۔" غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ "ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ اور نہ ان کا راستہ جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ راہِ راست سے ہٹ گئے ہیں۔" اٰمِیْن "اے ایسا ہی ہو۔ مالک! ہماری اس دعا کو قبول کر۔"

اس کے بعد قرآن کی چند آیتیں پڑھتے ہو جن میں سے ہر ایک میں امرت بھرا ہوا ہے نصیحت ہے، عبرت ہے سبق ہے، اندر اسی راہِ راست کی ہدایت ہے جس کے لیے سورہ فاتحہ میں تم دعا کر چکے تھے۔ مثلاً:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ الَّذِي مَنَعَهُمْ زُنَاحًا مَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ "اَلَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ" مگر ٹوٹے سے بچے ہوئے صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے۔ "وَتَوَّاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّاصَوْا بِالصَّٰلِحِ" اور جنہوں نے ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی ہدایت کی اور حق پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تباہی اور نامرادی سے انسان میں اسی طرح بچ سکتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور صرف تنہا ہی کافی نہیں، بلکہ ایمان داروں کی ایک جماعت، ایسی ہونی چاہیے جو دینِ حق پر قائم رہے اور قائم رہنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہے۔

یَا مَعْزِرُ "اے آیتِ اَللّٰہِیٰ مَیْکُنْ بِالدِّیْنِ" تو نے دیکھا کہ جو شخص رہبرِ گمراہ نہیں مانتا وہ کیسا آدمی ہوتا ہے؟ فَذٰلِكَ الَّذِیْ حَقَّ عَلَیْہِ الْیَتِیْمُ "ایسا ہی آدمی یتیم کو دھتکا دیتا ہے۔" وَلَا تَجْعَلْ عَلَی الْفَقَہِ الْمُسْکِیْنِ "اور مسکین کو آپ کھانا کھلانا تو درکنار، دوسروں سے بھی یہ کہنا پسند نہیں کرنا کہ غریب کو کھانا کھلا دو، فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ صَلَاتِہُمْ سَاهُونَ "الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ صَلَاتِہُمْ سَاهُونَ" اَلْمَاعُونَ "تباہی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو روزِ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس لیے نماز سے غفلت کرتے ہیں، اور پڑھتے بھی ہیں تو محض دکھاوے کے لیے، اور



اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی  
معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ شہادت دیتے وقت تم شہادت کی انگلی  
اٹھاتے ہو کیونکہ یہ نماز میں تمہارے عقیدے کا اعلان ہے اور اس کو زبان سے ادا کرتے وقت خاص طور پر  
توجہ اور زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد تم درود پڑھتے ہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی  
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ هَيَّيْجُودُ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ  
وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَيُّ قَيُّوْمٌ۔ خدا یا رحمت فرما ہمارے  
سر دار اور مولیٰ محمد اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیم اور آل ابراہیم پر اور خدا یا برکت نازل فرما ہمارے  
سر دار اور مولیٰ محمد اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔ یہ درود پڑھنے کے بعد تم اللہ  
سے دعا کرتے ہو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ جَهَنَّمَ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ  
فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْيَهُودِ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَنْجَرِ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَرْجَمِ۔ خدا یا  
میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس گمراہ  
کرنے والے دجال کے فتنے سے جو زمین پر چھا جانے والا ہے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنے  
سے۔ خدا یا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بڑے اعمال کی تومہ داری اور قرض داری سے۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد تمہاری نماز پوری ہو گئی۔ اب تم مالک کے دربار سے واپس ہوتے ہو اور واپس ہو کر پہلا  
کام کیا کرتے ہو یہ کہ دائیں اور بائیں ہر طرف تمام حاضرین اور دنیا کی ہر چیز کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہو،  
اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ۔ یہ وہ بشارت ہے جو خدا کے دربار سے پلٹتے ہوئے تم دنیا کے لیے لائے ہو۔  
یہ ہے وہ نماز جو تم صبح اٹھ کر دنیا کے کام کا شروع کرنے سے پہلے پڑھتے ہو پھر چند گھنٹے کام کا  
میں مشغول رہنے کے بعد دوپہر کو خدا کے دربار میں حاضر ہو کر دوبارہ ہی نماز ادا کرتے ہو۔ پھر چار گھنٹوں کے بعد  
تیسرے پہر کو پھر ہی نماز پڑھتے ہو۔ پھر چند گھنٹے اور مشغول رہنے کے بعد شام کو اسی نماز کا اعادہ کرتے ہو۔



پھر دنیا کے کاموں سے فارغ ہو کر سونے سے پہلے آخری مرتبہ اپنے مالک کے سامنے جاتے ہو اس آخری نماز کا خاتمہ وتر پر ہوتا ہے جس کی تیسری رکعت میں ایک زبردست اقرار نامہ اپنے مالک کے سامنے پیش کرتے ہو یہ دعائے قنوت ہے قنوت کے معنی ہیں خدا کے آگے ذلت و انکساری، اطاعت اور بندگی کا اقرار یہ اقرار تم کن الفاظ میں کرتے ہو اور غور سے سنو:

اللَّهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ  
 "خدا یا ہم تجھ سے بددعا کرتے ہیں، تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، تجھ پر ایمان لاتے ہیں۔ تیرے ہی اوپر بھروسہ رکھتے ہیں، اور بھلائی کے ساتھ تیری تعریف کرتے ہیں، "وَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ  
 "ختم و انت ترک من غیرک" ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں، ناشکری نہیں کرتے، ہم اقرار کرتے ہیں کہ جو لوگ تیرے نافرمان ہیں ان سے ملحق ہوں، ان کے ساتھ اور کوئی واسطہ ان کے ساتھ نہ رکھیں گے۔  
 اللَّهُمَّ اِنَّا نَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ وَنَعْبُدُكَ  
 "مخلوق" اور ہم تیری ہی رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تیرا عذاب ایسے لوگوں پر پڑے گا جو کافر ہیں۔"

برادران اسلام! غور کرو، جو شخص دن میں پانچ مرتبہ اذان کی یہ آواز سنتا ہو اور سمجھتا ہو کہ کتنی بڑی چیز کی شہادت دی جا رہی ہے اور کیسے زبردست بادشاہ کے حضور میں بلایا جا رہا ہے، اور جو شخص ہر مرتبہ اس پکار کو سن کر اپنے سارے کام کاغچھوڑ دے اور اس ذات پاک کی طرف دوڑے جسے وہ اپنا اور تمام کائنات کا مالک جانتا ہے اور جو شخص کسی کئی بار نماز میں وہ ساری باتیں سمجھ بوجھ کر ادا کرے جو ابھی آپ کے سامنے میں نے بیان کی ہیں، کیونکر ممکن ہے کہ اس کے دل میں

خدا کا خوف پیدا نہ ہو؟ اس کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرم نہ آئے؟ اس کی روح گناہوں اور بدکاریوں کے یہاں دھتے سے کہ بار بار خدا کے سامنے حاضر ہوتے ہوئے لرز نہ اٹھے؟ کس طرح ممکن ہے کہ آدمی نماز میں خدا کی بندگی کا اقرار، اس کی اطاعت کا اقرار، اس کے مالک یوم الدین ہونے کا اقرار کرے جب اپنے کام کاج کی طرف واپس آئے تو جھوٹ بولے، بے ایمانی کرے، لوگوں کے حق مارے، رشوت کھائے اور کھلائے، خدا کے بندوں کو آزار پہنچائے، فحش اور بے حیائی اور بدکاری کرے، اور پھر ان سب اعمال کا بوجھ لاد کر دوبارہ خدا کے سامنے حاضر ہونے اور انہی سب باتوں کا اقرار کرنے کی جرأت کر سکے؟ ہاں! یہ کیسے ممکن ہے کہ تم جان بوجھ کر خدا سے روزانہ چھتیس مرتبہ اقرار کرو کہ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور پھر خدا کے سوا دوسروں کی بندگی کر دو اور دوسروں کے آگے مدد کے لیے ہاتھ پھیلاؤ؟ ایک مرتبہ تم اقرار کیسے کہ خلاف ورزی کرو گے تو دوسری بار خدا کے دربار میں جاتے ہوئے تمھارا ضمیر مذمت کرے گا اور شرمندگی پیدا ہوگی۔ دوسری بار خلاف ورزی کرو گے تو اور زیادہ شرم آئے گی، اور زیادہ دل اندر سے اذیت بھیجے گا۔ تمام عمر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روزانہ پانچ مرتبہ نماز پڑھو اور پھر بھی تمھارے اعمال درست نہ ہوں۔ تمھارے اخلاق کی اصلاح نہ ہو اور تمھاری زندگی کی کایا نہ سٹپے؟ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نماز کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے کہ **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ**۔ یقیناً نماز انسان کو بے حیائی اور بدکاری سے روکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا ہے کہ اتنی زبردست اصلاح کرنے والی چیز سے بھی اس کی اصلاح نہیں ہوتی تو یہ اس کی طینت کی خرابی ہے، نماز کی خرابی نہیں۔ پانی اور صابن کی خاصیت میل کو صاف کرنا ہے۔ لیکن اگر کوئلے کی سیاہی اس سے دور نہ ہو تو یہ پانی اور صابن کا قصور نہیں۔ اس کی وجہ کوئلے کی اپنی سیاہی ہے۔

بھائیو! آپ کی نمازوں میں ایک بہت بڑی کمی ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ نماز میں جو کچھ

آخری پیش کردہ فراموشی

خیر

سے ہی

نہ

ہیں کہ

ہے

کرتے

پتیری

کھٹکھٹ

عذاب

ما ہو کہ

بہا ہر

طوت

ی بائیں

دل میں

پڑھتے ہیں اس کو سمجھتے نہیں، اگر آپ تھوڑا سا وقت صرف کریں تو ان ساری دعاؤں کا مطلب <sup>الرد</sup>  
یا اپنی مادری زبان میں یاد کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو کچھ آپ پڑھیں گے اسے سمجھتے  
بھی جائیں گے۔

---

کتاب



## نماز باجماعت

برادران اسلام! پچھلے خطبوں میں تو میں نے آپ کے سامنے صرف نماز کے فائدے بیان کیے تھے جن سے آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ یہ عبادت بجائے خود کیسی زبردست چیز ہے کس طرح انسان میں بندگی کا کمال پیدا کرتی ہے اور کس طرح اس کو بندگی کا حق ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔ اب میں آپ کو نماز باجماعت کے فائدے بتانا چاہتا ہوں جن میں آپ کو آپ اندازہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے کس طرح ایک ہی چیز میں ہمارے لیے ساری نعمتیں جمع کر دی ہیں۔ اول تو نماز خود ہی کیا کم تھی اس کے ساتھ جماعت کا حکم دے کر اس کو دو تشریف کر دیا گیا، اور اس کے اندر وہ طاقت بھر دی گئی جو انسان کی کایا پلٹ دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

پہلے آپ سے یہ کہہ چکا ہوں کہ زندگی میں ہر وقت اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھنا، اور فرماں بردار غلام کی طرح مالک کی مرضی کا تابع بن کر رہنا، اور مالک کا حکم بجالانے کے لیے ہر وقت تیار رہنا اصلی عبادت ہے، اور نماز اسی عبادت کے لیے انسان کو تیار کرتی ہے۔ یہ بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس عبادت کے لیے انسان میں مثنیٰ صفات کی ضرورت ہے وہ سب نماز پیدا کرتی ہے۔ بندگی کا احساس۔ خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان۔ آخرت کا یقین۔ خدا کا خوف۔ خدا کو عالم الغیب جاننا اور اس کو ہر وقت اپنے سے قریب سمجھنا۔ خدا کی فرماں برداری کے لیے ہر حال میں مستعد رہنا۔ خدا کے احکام سے واقف ہونا۔ یہ اور ایسی تمام صفاتیں نماز آدمی کے اندر پیدا کر دیتی ہے جو اس کو صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بنانے کے لیے ضروری ہیں۔

مگر آپ ذرا غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انسان اپنی جگہ خواہ کتنا ہی کامل ہو، مگر وہ خدا کی بندگی کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ دوسرے بندے بھی اس کے مددگار نہ ہوں۔ خدا کے تمام حکام بجا نہیں لا سکتا جب تک کہ وہ بہت سے لوگ جن کے ساتھ رہنے لاس کا رہنا سہنا ہے جن سے ہر وقت اس کو

معاملہ پیش کرتا ہے، اس فرماں برداری میں اس کا ساتھ نہ دیں۔ آدمی دنیا میں کیسا تو یہ نہیں ہوا ہے۔ نہ اکیلارہ کر کوئی کام کر سکتا ہے۔ اس کی ساری زندگی اپنے بھائی بندوں، دوستوں اور بھائیوں، معاملہ داروں اور زندگی کے بے شمار ساتھیوں سے ہزاروں قسم کے تعلقات میں جکڑی ہوئی ہے۔ اللہ کے احکام بھی تنہا ایک لے دینی کے لیے نہیں ہیں بلکہ انہی تعلقات کو درست کرنے کے لیے ہیں۔ اب اگر یہ سب لوگ خدا کے احکام بجالانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں، تو سب فرمانبردار بندے بن سکتے ہیں۔ اور اگر سب فراموشی پر غلبے ہوئے ہوں، ایمان کے تعلقات اس قسم کے ہوں کہ خدا کے احکام بجالانے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں، تو ایک اکیلے آدمی کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خدا کے قانون پر ٹھیک ٹھیک عمل کر سکے۔

اس کے ساتھ جیت پ قرآن کو غور سے پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ خدا کا حکم صرف یہی نہیں ہے کہ آپ خود اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے بنیں، بلکہ ساتھ ساتھ یہ حکم بھی ہے کہ دنیا کو خدا کا مطیع و فرمانبردار بنائیں۔ دنیا میں خدا کے قانون کو پھیلانے اور جاری کریں۔ شیطان کا قانون یہاں جہاں چل رہا ہو اس کو مٹا دیں اور اس کی جگہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے قانون کی حکومت قائم کریں۔ یہ زبردست خدمت جو اللہ نے آپ کے سپرد کی ہے، اس کو ایک اکیلے مسلمان انجام نہیں دے سکتا۔ اور اگر کروڑوں مسلمان بھی ہوں، مگر الگ الگ رہ کر کوشش کریں تب بھی وہ شیطان کے بندوں کی منظم طاقت کو پتہ نہیں دکھاسکتے۔ اس کے لیے بھی ضرورت ہے کہ مسلمان ایک جتھا بنیں، ایک دوسرے کے مددگار ہوں، ایک دوسرے کی پشت پناہ بن جائیں، اور سب مل کر ایک ہی مقصد کے لیے جدوجہد کریں۔

پھر زیادہ گہری نظر سے جب آپ دیکھیں گے تو یہ بات آپ پر کھلے گی کہ اتنے بڑے مقصد کے لیے فقط مسلمانوں کا بل جانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ مل جانا بالکل صحیح طریق پر ہو یعنی مسلمانوں کی جماعت اس طرح بنے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ان کے تعلقات ٹھیک ٹھیک جیسے ہونے چاہئیں ویسے ہی ہوں۔ ان کے آپس کے تعلق میں کوئی خرابی نہ رہنے پائے۔ ان میں پوری یکجہتی

ہو وہ ایک سر دار کی اطاعت کیے ہیں۔ اس کے حکم پر حرکت کرنے کی عادت ان میں پیدا ہو۔ اور وہ یہ بھی سمجھ لیں کہ اپنے سر دار کی فرماں برداری انھیں کس طرح اور کہاں تک کرنی چاہیے اور نماز مانی کے مواقع کون سے ہیں۔

ان سب باتوں کو نظر میں رکھ کر دیکھیں کہ نماز باجماعت کس طرح یہ سارے کام کرتی ہے۔

حکم ہے کہ اذان کی آواز سن کر اپنے اپنے کام چھوڑ دو اور مسجد کی طرف آ جاؤ۔ پیر طہی کی پیکار سن کر ہر طرف سے مسلمانوں کا اٹھنا اور ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے اندرونی کیفیت پیدا کرتا ہے جو فوج کی ہوتی ہے۔ فوجی سپاہی جہاں جہاں بھی ہوں، بجلی کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا کمانڈر بلا رہا ہے۔ اس طہی پر سب کے دل میں ایک ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی کمانڈر کے حکم کی پیروی کا خیال۔ اور اس خیال کے مطابق سب ایک ہی کام کرتے ہیں یعنی اپنی اپنی جگہ سے اس آواز پر دوڑ پڑتے ہیں اور ہر طرف سے سٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ فوج میں یہ طریقہ کس لیے اختیار کیا گیا ہے؟ اسی لیے کہ اول تو ہر سپاہی میں الگ الگ حکم ہوتے اور اس پر مستعدی کے ساتھ عمل کرنے کی خصلت اور عادت پیدا ہو، اور پھر ساتھ ہی ساتھ ایسے تمام فرمانبردار سپاہی مل کر ایک گروہ، ایک جھنڈا، ایک ٹیم بھی بن جائیں اور ان میں یہ عادت بھی پیدا ہو جائے کہ کمانڈر کے حکم پر ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ سب جمع ہو جایا کریں تاکہ جب کوئی ہم پیش آئے تو ساری فوج ایک آواز پر ایک مقصد کے لیے اکٹھی ہو کر کام کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ سارے سپاہی اپنی اپنی جگہ تو بڑے تیس مارھاں ہوں مگر جب کام کے موقع پر انھیں پکارا جائے تو وہ جمع ہو کر نہ رہ سکیں، بلکہ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق جدھر چاہے چلا جائے۔ ایسی حالت اگر کسی فوج کی ہو تو اس کے ہزار بہادر سپاہیوں کو فتنہ کے پچاس سپاہیوں کا ایک منظم دستہ الگ الگ پکڑ کے ختم کر سکتا ہے۔ بس اسی اصول پر مسلمانوں کے لیے بھی یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو مسلمان جہاں اذان کی آواز سنے سب یکجا چھوڑ کر اپنے قریب کی مسجد کا رخ کرے تاکہ سب مسلمان مل کر اللہ کی فوج بن جائیں۔ اس خلیع کی مشق ان کو روزانہ پانچ وقت کرائی جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری فوجوں سے بڑھ کر سنہ بیٹھ یوٹی اس خدائی فوج کی ہے۔ دوسری فوجوں کے لیے تو مدتوں میں کبھی ایک ہم پیش آتی ہے اور اس کی خاطر



ان کو یہ ساری فوجی مشینیں کرائی جاتی ہیں مگر اس خدائی قوت کو ہر وقت شیطانی طاقتوں کے ساتھ لڑنا ہے اور ہر وقت اپنے کمانڈر کے احکام کی تعمیل کرتی ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ یہ بھی بہت بڑی رعایت ہے کہ اسے روزانہ صرف پانچ مرتبہ خدائی بگل کی آواز پر دوڑنے اور خدائی پھاؤنی یعنی مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ تو محض اذان کا فائدہ تھا۔ اب آپ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور صرف اس جمع ہونے میں بے شمار فائدے ہیں۔ یہاں جو آپ جمع ہوئے تو آپ نے ایک دوسرے کو دیکھا، پہچانا، ایک دوسرے سے واقف ہوئے۔ یہ دیکھنا پہچاننا، واقف ہونا کس حیثیت سے ہے؟ اس حیثیت سے کہ آپ سب ایک خدا کے بندے ہیں۔ ایک رسول کے پیرو ہیں۔ ایک کتاب کے ماننے والے ہیں۔ ایک ہی مقصد آپ سب کی زندگی کا ہے۔ اسی ایک مقصد کو پورا کرنے کے لیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور اسی مقصد کو یہاں سے واپس جا کر بھی آپ کو پورا کرنا ہے۔ اس قسم کی آشنائی اس قسم کی واقفیت آپ میں خود بخود پیدا کر دیتی ہے کہ آپ سب ایک قوم ہیں، ایک ہی فوج کے سپاہی ہیں، ایک دوسرے کے بھائی ہیں، دنیا میں آپ کی اغراض، آپ کے مقاصد، آپ کے نقصانات اور آپ کے فوائد سب مشترک ہیں، اور آپ کی زندگیاں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

پھر آپ جو ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ظاہر ہے کہ آنکھیں کھول کر ہی دیکھیں گے۔ اور یہ دیکھنا بھی دشمن کا دشمن کو دیکھنا نہیں بلکہ دوست کا دوست کو اور بھائی کا بھائی کو دیکھنا ہوگا۔ اس نظر سے جب آپ دیکھیں گے کہ میرا ایک بھائی چھپے پرانے پٹروں میں ہے، کوئی پریشان صورت ہے، کوئی فاقہ زدہ چہرہ یہ ہے ہوئے آیا ہے، کوئی معذور، لنگڑا، لولایا اندھا ہے تو خواہ مخواہ آپ کے دل میں ہمدردی پیدا ہوگی۔ آپ میں سے جو خوش حال ہیں وہ غریبوں اور بے کسوں پر رحم کھائیں گے۔ جو بد حال ہیں انھیں امیروں تک پہنچے اور ان سے اپنا حال کہنے کی ہمت پیدا ہوگی۔ کسی کے متعلق معلوم ہو گا کہ بیمار ہے یا کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے اس لیے مسجد میں نہیں آیا تو اس کی عیادت کو جانے کا خیال پیدا ہوگا۔ کسی کے مرنے کی خبر ملی تو سب مل کر اس کے لیے نماز جنازہ پڑھیں گے اور غمزدہ غریبوں کے غم میں شریک ہوں گے۔ یہ سب باتیں آپ کی باہمی محبت کو بڑھانے والی اور ایک دوسرے

کامد و گار بنانے والی ہیں۔

اس کے بعد ذرا غور کیجیے۔ یہاں جو آپ جمع ہوئے ہیں تو ایک پاک جگہ پاک مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ یہ چوروں اور سڑکیوں اور جوئے بازوں کا اجتماع تو نہیں ہے کہ سب کے دل میں ناپاک راویں بھرے ہوئے ہوں۔ یہ تو اللہ کے بندوں کا اجتماع ہے، اللہ کی عبادت کے لیے، اللہ کے گھر میں، سب اپنے خدا کے سامنے بندگی کا اقرار کرتے حاضر ہوئے ہیں۔ ایسے موقع پر دل تو یاماندار آدمی میں خود ہی اپنے گناہوں پر شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس نے کوئی گناہ اپنے دوسرے بھائی کے سامنے کیا تھا، اور وہ خود بھی یہاں مسجد میں موجود ہے تو محض اس کی نگاہوں کا سامنا ہو جانا ہی اس کے لیے کافی ہے کہ گناہ گار اپنے دل میں کٹ کٹ جائے۔ اور اگر کہیں مسلمانوں میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا جذبہ بھی موجود ہو، اور وہ جانتے ہوں کہ ہمدردی و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کی اصلاح کس طرح کرنی چاہیے، تو یقین جاسیے کہ یہ اجتماع انتہائی رحمت و برکت کا موجب ہو گا۔ اس طرح سب مسلمان مل کر ایک دوسرے کی خرابیوں کو دور کریں گے، ایک دوسرے کی کمی پوری کریں گے اور پوری جماعت نیکوں اور صالحوں کی جماعت بنتی چلی جائے گی۔

یہ صرف مسجد میں جمع ہونے کی برکتیں ہیں۔ اس کے بعد یہ دیکھیے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے میں کتنی برکات پوشیدہ ہیں۔ آپ سب ایک صف میں ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ نہ کوئی اونچے درجے کا ہے نہ نیچے درجے کا۔ خدا کے دربار میں خدا کے سامنے سب ایک درجے میں ہیں۔ کسی کا ہاتھ لگنے اور کسی کے چھو جانے سے کوئی ناپاک نہیں ہوتا۔ سب پاک ہیں، اس لیے کہ سب انسان ہیں، ایک خدا کے بندے ہیں، اور ایک ہی دین کے سامنے وائے ہیں۔ آپ میں خاندانوں اور قبیلوں اور ملکوں اور زبانوں کا بھی کوئی فرق نہیں۔ کوئی تید ہے، کوئی پٹھان ہے۔ کوئی راجپوت ہے۔ کوئی جاٹ ہے۔ کوئی کسی ملک کا رہنے والا ہے اور کوئی کسی ملک کا۔ کسی کی زبان کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ مگر سب ایک صف میں کھڑے ایک خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب ایک قوم ہیں۔ یہ حسب نسب اور برادریوں اور قوموں کی تقسیم سب بھونٹی

ہے۔ رب کے بڑا تعلق آپ کے درمیان خدا کی بندگی و عبادت کا تعلق ہے۔ اس میں جب آپ سب ایک ہیں تو پھر کسی معاملہ میں بھی کیوں الگ ہوں؟

پھر جب آپ ایک صف میں کھڑے سے کھڑے ہوا کر کھڑے ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرج اپنے بادشاہ کے سامنے خدمت کے لیے کھڑی ہے۔ صف ہانڈھ کر کھڑے ہونے اور مل کر ایک ساتھ حرکت کرنے سے آپ کے دلوں میں یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔ آپ کو شیخ کرانی جاتی ہے کہ خدا کی بندگی میں اس طرح نیک ہو جاؤ کہ رب کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں اور رب کے پاؤں ایک ساتھ چلیں، گویا آپ دس میں یا سو یا ہزار آدمی نہیں ہیں بلکہ مل کر ایک آدمی کی طرح بن گئے ہیں۔

اس جماعت اور اس صف بندی کے بعد آپ کرتے کیا ہیں؟ ایک زبان ہو کر اپنے الگ سے عرض کرتے ہیں کہ اِنَّكَ تَعْبُدُ وَاَيَّاتُكَ خَسْتَعِينُ۔ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ سَبِّحْ لِلَّهِ الْحَمْدُ۔ ہمارے پروردگار تیرے ہی لیے حمد ہے۔ اَلَسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى عِزِّكَ اللهُ الصَّلِیُّنَ۔ ہم سب پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ پھر نماز ختم کر کے آپ ایک دوسرے کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ اَلَسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ سب ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔ رب مل کر ایک ہی مالک سے رب کے لیے بھلائی کی دعا کرتے ہیں۔ آپ اکیلے اکیلے نہیں ہیں۔ آپ ہیں سے کوئی تنہا سب کچھ اپنے لیے نہیں مانگتا۔ بلکہ ہر ایک کی دعا ہی ہے کہ سب پر خدا کا فضل ہو، سب کو ایک ہی سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق بخشی جائے، اور سب خدا کی سلامتی میں شامل ہوں۔ اس طرح یہ نماز آپ کے دلوں کو جوڑتی ہے، آپ کے خیالات میں یکسانی پیدا کرتی ہے اور آپ میں خیر خواہی کا تعلق پیدا کرتی ہے۔

مگر دیکھ لیجیے کہ جماعت کی نماز آپ کبھی امام کے بغیر نہیں پڑھتے۔ دو آدمی بھی مل کر پڑھیں گے تو ایک امام ہو گا اور دوسرا مقتدی جماعت جب کھڑی ہو جائے تو اس سے الگ ہو کر نماز پڑھنا سخت ممنوع ہے، بلکہ ایسی نماز ہوتی



ہی نہیں۔ حکم ہے کہ جوتا جائے، اسی امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہوتا جائے۔ یہ سب چیزیں محض نماز ہی کے لیے نہیں ہیں، بلکہ ان میں دراصل آپ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ مسلمان کی حیثیت زندگی بسر کرنی ہے تو اس طرح جماعت میں مل کر رہو۔ تنہا ہی جماعت، جماعت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تنہا کوئی امام نہ ہو اور جماعت جب بن جائے تو اس سے الگ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تنہا ہی زندگی مسلمان کی زندگی نہیں رہی۔

صرف اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ جماعت میں امام اور مقتدیوں کا تعلق اس طور پر قائم کیا گیا جس سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس چھوٹی مسجد کے باہر اس عظیم الشان مسجد میں جس کا نام ”زمین“ ہے آپ کے امام کی حیثیت کیا ہے، اس کے فرائض کیا ہیں، اس کے حقوق کیا ہیں، آپ کو کس طرح اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور کن باتوں میں کرنی چاہیے، اگر وہ غلطی کرے تو آپ کیا کریں، کہاں تک آپ غلطی میں بھی اس کی پیروی کرنی چاہیے، کہاں آپ اس کو ٹھکنے کے مجاز ہیں، کہاں آپ اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور کس موقع پر آپ اس کو امرات سے ہٹا سکتے ہیں۔ یہ سب گویا چھوٹے پیمانے پر ایک بڑی سلطنت کو چلانے کی مشق ہے جو ہر روز پانچ مرتبہ آپ سے چھوٹی سے چھوٹی سچی میں کرائی جاتی ہے۔

یہاں اتنا موقع نہیں کہ میں ان ساری تفصیلات کو بیان کروں مگر چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں۔ حکم ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو پرہیزگار ہو، علم میں زیادہ ہو، قرآن زیادہ جانتا ہو، اور سن ریٹ بھی ہو۔ حدیث میں ترتیب بھی بتا دی گئی کہ ان صفات میں کوئی نہ کسی صفت پر مقدم ہے۔ یہیں سے تعلیم بھی دیدی گئی کہ سردار قوم کے انتخاب میں کن باتوں کا لحاظ کرنا چاہیے۔

حکم ہے کہ امام ایسا شخص نہ ہو جس سے جماعت کی اکثریت ناماں ہو۔ یوں تو تھوڑے بہت مخالف کس کے نہیں ہوتے لیکن اگر جماعت میں زیادہ تعداد ہی کسی شخص سے نفرت رکھتے ہوں تو اسے امام نہ بنایا جائے۔ یہاں پھر سردار قوم کے انتخاب کا ایک قاعدہ بتا دیا گیا۔

حکم ہے کہ جو شخص جماعت کا امام بنایا جائے وہ نماز اپنی پڑھائے کہ جماعت کے ضعیف ترین آدمی کو بھی

تکلیف نہ ہو محض جوان مضبوط آئندہ درست اور درست طے آدمیوں کو یہ پیش نظر رکھ کر لمبی قزاق اور بے بے رکوع اور سب سے نہ کرنے سکے، بلکہ یہ بھی دیکھ کر جماعت میں بڑھے بھی ہیں، ایسا بھی ہیں، کمزور بھی ہیں اور ایسے مشغول آدمی بھی ہیں جو جلدی نماز پڑھ کر اپنے کام پر واپس جانا چاہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں یہاں تک رحم اور شفقت کا نمونہ پیش فرمایا ہے کہ نماز پڑھانے میں کسی بچے کے رونے کی آواز آ جاتی تو نماز مختصر کر دیتے تھے تاکہ اگر بچے کی ماں جماعت میں شریک ہے تو اسے تکلیف نہ ہو۔ یہ گویا سردار قوم کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ جب سردار بنایا جائے تو قوم کے اندر اس کا طرز عمل کیسا ہونا چاہیے۔

حکم ہے کہ اگر امام کو نماز پڑھاتے میں کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ نماز پڑھانے کے قابل نہ ہے تو فوراً ہٹ جائے اور اپنی جگہ چھپے کے آدمی کو کھڑا کرے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سردار قوم کا بھی یہی فرض ہے۔ جب وہ سرداری کے قابل اپنے آپ کو نہ پائے تو اسے خود ہٹ جانا چاہیے اور دوسرے اہل آدمی کے لیے جگہ قالی کر دینی چاہیے۔ اس میں نہ شرم کا کچھ کام ہے اور نہ خود غرضی کا۔

حکم ہے کہ امام کے فعل کی سختی کے ساتھ پابندی کرو۔ اس کی حرکت سے پہلے حرکت کرنا سخت ممنوع ہے، یہاں تک کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں جائے اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ گدھے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ یہاں گویا قوم کو سبق دیا گیا ہے کہ اسے اپنے سردار کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیے۔

امام اگر نماز میں غلطی کرے مثلاً جہاں اسے بیٹھنا چاہیے تھا وہاں کھڑا ہو جائے یا جہاں کھڑا ہونا چاہیے تھا وہاں بیٹھ جائے تو حکم ہے کہ سبحان اللہ کہہ کر اسے غلطی پر متنبہ کر دے۔ سبحان اللہ کے معنی ہیں "اللہ پاک ہے" امام کی غلطی پر سبحان اللہ کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ غلطی سے تو صرف اللہ ہی پاک ہے۔ تم انسان ہو تم سے بھول چوک ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ طریقہ ہے امام کو ٹوکنے کا۔ اور جیل سے طرح اسے لٹا کا جائے تو اس کی لازم ہے کہ بلا کسی شرم و لحاظ کے اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ البتہ اگر ٹوٹے جانے کے باوجود امام کو یقین ہو کہ اس نے صحیح فعل کیا ہے تو وہ اپنے یقین کے مطابق عمل کر سکتا ہے اور اس صورت میں جماعت

کا کام یہ ہے کہ اس کے عمل کو غلط جانتے کے باوجود اس کا ساتھ دے۔ نماز ختم ہونے کے بعد وقت ہی جتنی رکھتے ہیں کہ امام پراس کی غلطی ثابت کریں اور نماز دوبارہ پڑھانے کا اس سے مطالبہ کریں۔

امام کے ساتھ جماعت کا یہ بڑا نقص ہے کہ یہ حالات کے لیے ہے جبکہ غلطی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہو لگتی ہے اگر امام سنت نبوی کے خلاف نماز کی ترکیب بدل دے یا نماز میں قرآن کو جان بوجھ کر غلط پڑھے یا نماز پڑھاتے ہوئے کفر اور شرک یا صریح گناہ کا ارتکاب کرے تو جماعت کا فرض ہے کہ اسی وقت نماز توڑ کر اس امام سے الگ ہو جائے۔

یہ سب ہدائیں ایسی ہیں جن میں پوری تعلیم دے دی گئی ہے کہ تم کو اپنی قوی زندگی میں اپنے قوی سردار کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔

برادران اسلام! یہ فوائد جو میں نے نماز باجماعت کے بیان کیے ہیں ان سے اپنے اندازہ لگایا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایک عبادت میں جو دن بھر میں پانچ مرتبہ صرت چند منٹ کے لیے ادا کی جاتی ہے کس طرح دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں آپ کے لیے جمع کر دی ہیں، کس طرح یہی ایک چیز آپ کو تمام سعادتوں سے مالا مال کر دیتی ہے، اور کس طرح یہ آپ کو اللہ کی غلامی اور دنیا کی کھراپی کے لیے تیار کرتی ہے۔ اب آپ ضرور سوال کریں کہ جب نماز ایسی چیز ہے تو جو فائدے تم اس کے بیان کرتے ہو یہ حاصل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کا جواب ان شمار لکھ آئندہ خطبہ میں دوں گا۔



۲۹۷۵۱۲۰۲  
۷۹۴



## نمازیں بے اثر کیوں ہو گئیں؟

برادران اسلام! آج کے خطبہ میں مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ جس نماز کے اس قدر فائدے میں نے کئی خطبوں میں مسلسل آپ کے سامنے بیان کیے ہیں وہ اب کیوں وہ فائدے نہیں دے رہی ہے؟ کیا بتا ہے کہ آپ نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر بھی غلام ہیں؟ پھر بھی کفار آپ پر غالب ہیں؟ پھر بھی آپ دنیا میں تباہ حال اور مذمت زدہ ہیں؟

اس کا مختصر جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نمازیں پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو اس طریقہ سے نہیں پڑھتے جو خدا اور رسول نے بتایا ہے اس لیے ان فائدوں کی توقع آپ نہیں کر سکتے جو مومن کو معراج کمال تک پہنچانے والی نماز سے پہنچنے چاہئیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ صرف اتنا سا جواب آپ کو مطمئن نہیں کر سکتا، اس لیے ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کو یہ بات سمجھاؤں گا۔

یہ گھنٹا جو آپ کے سامنے لٹک رہا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں بہت سے پُرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جب اس کو کوک دی جاتی ہے تو سب پُرزے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور ان کی حرکت کرنے کے ساتھ ہی باہر کے سفید تختے پر ان کی حرکت کا نتیجہ ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے، یعنی گھنٹہ کی دونوں سوئیاں چل کر ایک ایک سکڑ اور ایک ایک منٹ بتانے لگتی ہیں۔ اب آپ ذرا غور کی نگاہ سے دیکھیے۔ گھنٹے کے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ صحیح وقت بتائے۔ اس مقصد کے لیے گھنٹے کی مشین میں وہ سب پُرزے جمع کیے گئے جو صحیح وقت بتانے کے لیے ضروری تھے، پھر ان سب کو اس طرح جوڑا گیا کہ سب مل کر باقاعدہ حرکت کریں اور ہر پُرزہ وہی کام اور اتنا ہی کام کرتا چلا جائے جتنا صحیح وقت بتانے کے لیے اس کو کرنا چاہیے، پھر کوک دینے کا قاعدہ مقرر کیا گیا تاکہ ان پُرزوں کو ٹھہرنے نہ دیا جائے اور تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد ان کی حرکت سب سے

رہے۔ اس طرح جب تمام پرزوں کو ٹھیک ٹھیک جوڑا گیا اور ان کو کوک دی گئی تب کہیں یہ گھنٹہ اس قابل ہوگا کہ وہ مقصد پورا کرے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ اگر آپ اسے کوک نہ دیں تو یہ وقت نہیں بتائے گا۔ اگر آپ کوک دیں لیکن اس قاعدے کے مطابق نہ دیں جو کوک دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو یہ بند ہو جائے گا یا چلے گا بھی تو صبح وقت نہ بتائے گا۔ اگر آپ اس کے بعض پرزے نکال ڈالیں اور پھر کوک دیں تو اس کوک سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اگر آپ اس کے بعض پرزوں کو نکال کر اس کی جگہ نگر مثین کے پرنے لگا دیں اور پھر کوک دیں تو یہ نہ وقت بتائے گا اور نہ کبڑا ہی سیے گا۔ اگر آپ اس کے سارے پرنے اس کے اندر بدستور رہنے دیں لیکن ان کو کھول کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں تو کوک دینے سے کوئی پرزہ بھی حرکت نہ کرے گا۔ کہنے کو سارے پرنے اس کے اندر موجود ہوں گے، مگر محض پرزوں کے موجود رہنے سے وہ مقصد حاصل نہ ہو گا جس کے لیے گھنٹہ بنایا گیا ہے، کیونکہ ان کی ترتیب اور ان کا آپس کا تعلق آپ نے توڑ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ بل کر حرکت نہیں کر سکتے۔ یہ سب صورتیں جو میں نے آپ سے بیان کی ہیں، ان میں اگرچہ گھنٹے کی ہستی اور اس میں کوک دینے کا فعل دونوں یکساں ہو جاتے ہیں، لیکن دور سے دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ گھنٹہ نہیں ہے، یا آپ کوک نہیں دے رہے ہیں۔ وہ تو یہی کہے گا کہ صورت بالکل گھنٹے جیسی ہے، اور یہی امید کرے گا کہ گھنٹے کا جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل ہونا چاہیے۔ اسی طرح جب وہ آپ کو کوک دیتے ہوئے دیکھے گا تو یہی خیال کرے گا کہ آپ واقعی گھنٹے کو کوک دے رہے ہیں، اور یہی توقع کرے گا کہ گھنٹے کو کوک دیتے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہونا چاہیے۔ لیکن یہ توقع پوری کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ گھنٹہ بس دور سے دیکھنے ہی کا گھنٹہ ہے اور حقیقت میں اس کے اندر گھنٹہ بن باقی نہیں رہا ہے؟

یہ مثال جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے اس سے آپ سارا معاملہ سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام کو اسی گھنٹہ پر قیاس کر لیجیے جس طرح گھنٹے کا مقصد صبح وقت بتانا ہے اسی طرح اسلام کا مقصد یہ ہے کہ زمین میں آپ خدا کے خلیفہ یعنی خدائی فوجدار بن کر رہیں، خود خدا کے حکم چلیں، سب پر خدا کا حکم چلائیں، اور سب کو خدا کے قانون کا تابع بنا کر رکھیں۔ اس مقصد کو صاف طور پر قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے کہ:-

تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے نکالا گیا  
ہے تمھارا کام یہ ہے کہ سب انسانوں کو نیکی کا حکم ددا اور ان کی  
سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ  
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَتُقِيمُوْنَ الصَّلَاةَ

اور

لوگوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ غیر اللہ کی فرماں برداری کا فتنہ  
مٹ جائے اور اطاعت پوری کی پوری صرف اللہ کے لیے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ يَهْتَدُوا لِحُجَّتِ الْوَحْيِ  
وَيَكُوْنُوا مِنَ الْكَافِرِيْنَ

اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے گھنٹے کے پرزوں کی طرح اسلام میں بھی وہ تمام پرزے جمع کیے گئے ہیں  
جو اس غرض کے لیے مناسب اور ضروری تھے۔ دین کے عقائد، اخلاق کے اصول، معاملات کے قاعدے،  
خدا کے حقوق، بندوں کے حقوق، خود اپنے نفس کے حقوق، دنیا کی ہر اس چیز کے حقوق جس سے آپ کو واسطہ پیش  
آتا ہے، کمانے کے قاعدے اور خرچ کرنے کے طریقے، جنگ کے قانون اور صلح کے قاعدے، حکومت کرنے  
کے قوانین اور حکومت اسلامی کی اطاعت کرنے کے ڈھنگ، یہ سب اسلام کے پرزے ہیں اور ان کو گھڑی کے  
پرزوں کی طرح ایک ایسی ترتیب سے ایک دوسرے کے ساتھ لگا دیا گیا ہے کہ جوں ہی اس میں کوئی جگہ دی جائے،  
ہر پرزہ دوسرے پرزوں کے ساتھ مل کر حرکت کرنے لگے۔ اور ان سب کی حرکت سے اصل نتیجہ یعنی اسلام  
کا غیہ اور دنیا پر خدائی قانون کا تسلط اس طرح مسلسل ظاہر ہوتا شروع ہوا جس طرح اس گھنٹے کو آپ دیکھ  
ہے ہیں کہ اس کے پرزوں کی حرکت کے ساتھ ہی باہر کے سفید تھکے پر پتھر برابر ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔  
گھڑی میں پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے رکھنے کے لیے چمکیں اور چنچر تیار لگائی گئی ہیں۔  
اسی طرح اسلام کے تمام پرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جڑا رکھنے اور ان کی صحیح ترتیب قائم رکھنے کے لیے  
وہ چیز رکھی گئی ہے جس کو نظام جماعت کہا جاتا ہے یعنی مسلمانوں کا ایک ایسا سروراجو دین کا صحیح علم اور تقویٰ کی  
رکھتا ہو، جماعت کے داخل بل کر اس کی مدد کریں، جماعت کے ہاتھ پاؤں اس کی اطاعت کریں، ان سب کی طاقت



سے وہ اسلام کے قوانین نافذ کرے اور لوگوں کو ان قوانین کی خلاف ورزی سے روکے۔ اس طریقے سے جب سارے پرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جائیں اور ان کی ترتیب ٹھیک قائم ہو جائے تو ان کو حرکت دینے اور قیے رہنے کے لیے کوک کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہی کوک یہ نماز ہے جو ہر روز پانچ وقت پڑھتی ہے پھر اس گھڑی کو صاف کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صفائی یہ روزے ہیں جو سال بھر میں تین دن رکھے جاتے ہیں۔ اور اس گھڑی کو تیل دیتے رہنے کی بھی ضرورت ہے، سو رکوع وہ تیل ہے جو سال بھر میں ایک مرتبہ اس کے پرزوں کو دیا جاتا ہے۔ تیل کہیں باہر سے نہیں آتا بلکہ اسی گھڑی کے بعض پرزے تیل بناتے ہیں اور بعض سوکھے ہوئے پرزوں کو روغن دار کر کے آسانی کے ساتھ چلنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ پھر اسے کبھی کبھی اوور ہال کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، سو وہ اوور ہالنگ یہ ج ہے جو عمر میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہے اور اس سے زیادہ جتنا کیا جاسکے اتنا ہی بہتر ہے۔

اب آپ غور کیجیے کہ یہ کوک دینا اور صفائی کرنا اور تیل دینا اور اوور ہال کرنا اسی وقت تو مفید ہو سکتا ہے جیسا کہ فریم میں اسی گھڑی کے پرزے موجود ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ اسی ترتیب سے جڑے ہوئے ہوں جس سے گھڑی ساز نے انھیں جوڑا تھا، اور ایسے تیار ہیں کہ کوک دیتے ہی اپنی مقررہ حرکت کرتے لگیں اور حرکت کرتے ہی نتیجہ دکھاتے لگیں۔ لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ دوسرا ہو گیا ہے۔ اول تو وہ نظام جماعت ہی باقی نہیں رہا جس سے اس گھڑی کے پرزوں کو باندھا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے پیچ ڈھیلے ہو گئے اور پرزہ پرزہ الگ ہو کر بکھر گیا۔ اب جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے، کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ ہر شخص مختار ہے، اس کا دل چاہے تو اسلام کے قانون کی پیروی کرے، اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ اس پر بھی آپ لوگوں کا دل ٹھنڈا نہ ہوا تو آپ نے اس گھڑی کے بہت سے پرزے نکال ڈالے اور ان کی جگہ ہر شخص نے اپنی اپنی پسند کے مطابق جس دوسری شین کا پرزہ چاہا لا کر اس میں فٹ کر دیا۔ کوئی صاحب نگر مشین کا پرزہ پسند کر کے لے آئے کسی صاحب کوٹا پیسنے کی چکی کا کوئی پرزہ پسند آیا تو وہ اسے اٹھا لائے، اور کسی صاحب نے موٹر لاری کی کوئی چیز پسند

کی تو اسے لاکر اس گھڑی میں لگا دیا۔ اب آپ سلمان بھی ہیں اور بنک سے سودی کاروبار بھی چل رہا ہے، انٹرنس  
کمپنی میں بیمہ بھی کر رکھا ہے، انگریزی عدالتوں میں چھوٹے مقدمے بھی لڑ رہے ہیں، کفار کی وفادارانہ خدمت بھی  
ہو رہی ہے بیٹیوں اور بیٹیوں کو میٹم صاحب بھی بنایا جا رہا ہے، بچوں کو مادہ پرستانہ تعلیم بھی دی جا رہی  
ہے، گاندھی صاحب کی پیروی بھی ہو رہی ہے، اور لینن صاحب کے راگ بھی گائے جاتے ہیں، غرض کوئی غیر اسلامی  
چیز نہیں رہی ہے جسے ہمارے بھائی مسلمانوں نے لاکر اسلام کی اس گھڑی کے فریم میں ٹھونس نہ دیا ہو۔

یہ سب حکمتیں کرنے کے بعد آپ چاہتے ہیں کہ کوک دینے سے یہ گھڑی چلے اور وہی نتیجہ دکھائے جس کے لیے  
اس گھڑی کو بنایا گیا تھا، اور صفائی کرنے سے تیل دینے اور اور ہال کرنے سے وہی فائدہ ہوں جو ان کاموں کے لیے  
مقرر ہیں۔ مگر ذرا عقل سے آپ کلام لیں تو باسائی سمجھ سکتے ہیں کہ جو حال آپ نے اس گھڑی کا کر دیا ہے اس میں عمر بھر  
کوک دینے اور صفائی کرنے اور تیل دینے رہنے سے بھی کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا جب تک آپ باہر سے آئے ہوئے تمام  
پرزدوں کو محال کر اس کے اصلی پرزے اس میں نہ رکھیں گے، اور پھر ان پرزدوں کو اسی ترتیب کے ساتھ جوڑ کر کس نہ دیں  
جس طرح ابتدا میں انھیں جوڑا اور کسا گیا تھا، آپ ہرگز ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے جو اس سے کبھی ظاہر ہوئے تھے۔  
خوب سمجھ لیجیے کہ یہ اصلی وجہ ہے آپ کی نمازوں اور روزوں اور زکوٰۃ اور حج کے نتیجہ ہو جانے کی اول تو آپ  
میں سے نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے اور زکوٰۃ اور حج ادا کرنے والے ہیں ہی کتنے۔ نظام جماعت  
کے کچھ جاننے سے ہر شخص محتار مطلق ہو گیا ہے۔ چاہے ان فرائض کو ادا کرے، چاہے نہ کرے۔ کوئی پوچھنے والا ہی  
نہیں۔ پھر جو لوگ انھیں ادا کرتے ہیں وہ بھی کس طرح کرتے ہیں؟ نمازیں جماعت کی پابندی نہیں۔ اور اگر کہیں عجم  
کی پابندی ہے بھی تو مسجدوں کی امامت کے لیے ان لوگوں کو چنا جاتا ہے جو دنیا میں کسی اور کام کے قابل نہیں ہوتے  
مسجد کی روٹیاں کھانے والے، فرض دینی کو کمانی کا ذریعہ سمجھنے والے، جاہل، کم حوصلہ اور سست خلاق لوگوں کو  
آپ نے اُس نماز کا امام بنایا ہے جو آپ کو خدا کا خلیفہ اور دنیا میں خدائی فوجدار بنانے کے لیے مقرر کی گئی  
تھی۔ اسی طرح روزے اور زکوٰۃ اور حج کا جو حال ہے وہ بھی ناقابل بیان ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود آپ

کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی بہت سے مسلمان اپنے فرائض دینی بجالانے والے ضرور ہیں، لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں گھڑی کا پھر زہ پڑھ الگ کر کے اور اس میں باہر کی بیسیوں چیزیں داخل کر کے آپ کا کوک، دینا اور نہ دینا، صفائی کرنا اور نہ کرنا، تیل دینا اور نہ دینا، دونوں بے نتیجہ ہیں۔ آپ کی یہ گھڑی دور سے گھڑی ہی نظر آتی ہے، دیکھتے والا یہی کہتا ہے کہ یہ اسلام ہے اور آپ مسلمان ہیں۔ آپ جیسا گھڑی کو کوک جیتے اور صفائی کرتے ہیں تو دور سے دیکھتے والا یہی سمجھتا ہے کہ واقعی آپ کوک کے سہے ہیں اور صفائی کر سہے ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز نماز نہیں ہے، بارہ روزے روزے نہیں ہیں۔ مگر دیکھنے والوں کو کیا خبر کہ اس ظاہری فریم کے اندر کب کچھ کارستانیاں کی گئی ہیں۔

برادران اسلام! میں نے آپ کو اصل وجہ بتا دی کہ آپ کے یہ مذہبی اعمال آج کیوں بے نتیجہ ہو رہے ہیں، اور کیا وجہ ہے کہ نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کے باوجود آپ خدا کی فوجدار بننے کے بجائے کفار کے قیدی اور ہر ظالم کے تختہ ہشتی بنے ہوئے ہیں لیکن اگر برائے مانتے تو میں آپ کو اس سے بھی زیادہ فحش ناک بانسہ بناؤں۔ آپ کو اپنی اس حالت کا رنج اور اپنی مہیبت کا احساس ضرور ہے، مگر آپ کے اندر ہزار میں نو سو ننانوے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ ایسے ہیں جو اس حالت کو بدلنے کی صحیح صورت کے لیے راضی نہیں ہیں۔ وہ اسلام کے اس گھٹے کو جس کا پڑنا پڑا اندر سے الگ کر دیا گیا ہے اور جس میں اپنی پسند کے مطابق ہر شخص نے کوئی نہ کوئی چیز ملا رکھی ہے، از سر نو مرتب کرنا برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ جیسا اس میں سے یہ دینی چیزیں نکالی جائیں گی تو ان کی پسند کی بھی کچھ چیزیں نکلی کر رہیں گی، اور جیسا اس کو کسا جائے گا تو وہ خود بھی اس کے ساتھ کسے جائیں گے۔ اور یہ ایسی شقت ہے جسے رضا و رغبت گوارا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اس سبب وہ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہ گھنٹا اسی حال میں دیوار کی زینت بن رہا ہے اور دور سے لالا کر لوگوں کو اس کی زیارت کرائی جائے، اور انھیں بتایا جائے کہ اس گھنٹے میں ایسی اور ایسی کرامات پھٹی ہوئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر جو لوگ کچھ زیادہ اس گھنٹے کے ہوا خواہ ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اسی حالت میں اس کو خوب دل لگا لگا کر کوک دی جائے اور نہایت تن دہی کے ساتھ اس کی



صفا کی جائے، مگر حاشاکہ اس کے پرزوں کو مرتب کرنے اور بیرونی پرزے نکال پھینکنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔

کاش میں آپ کی ہاں میں ہاں ملا سکتا مگر میں کیا کروں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ جس حالت میں آپ اس وقت ہیں اس میں پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ تہجد اور شروق اور چاشت بھی آپ پڑھنے لگیں، اور پانچ پانچ گھنٹے روزانہ قرآن بھی پڑھیں، اور رمضان شریف کے علاوہ گیارہ مہینوں میں ساڑھے پانچ مہینہ کے خرید روزے بھی لکھ لیا کریں تب بھی کچھ حاصل نہ ہوگا مگر اگر آپ کے اندر اس کے اہلی پرزے رکھے ہوں اور انہیں کس دیا جائے تب تو ذرا سی کوک بھی اس کو چلا دے گی اور سادہ صاف کرنا اور ذرا سادہ دینا بھی نتیجہ خیز ہوگا۔ ورنہ عمر بھر کوک دیتے رہیں، گھڑی نہ چلتی ہے نہ چلے گی۔ و ماحینا الا البلاغ۔

## روزہ

برادران اسلام! دوسری عبادت جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کی ہے "روزہ" ہے۔ روزہ سے مراد یہ ہے کہ صبح سے شام تک دمی کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرے۔ نماز کی طرح یہ عبادت بھی ابتداء سے تمام بینبروں کی شریعت میں فرض رہی ہے پچھلی حقبتیں گزری ہیں سب اسی طرح روزے رکھتی تھیں جس طرح امت محمدی رکھتی ہے۔ البتہ روزے کے احکام، اور روزوں کی تعداد اور روزے رکھنے کے زمانہ میں مختلف تشریحات کے درمیان فرق رہا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مذاہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے اگرچہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملا کر اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ** یعنی "اے مسلمانو! تمھارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کی امتوں پر فرض کیا گیا تھا۔" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی تشریحات آئی ہیں وہ کبھی روزے کی عبادت سے خالی نہیں رہیں جس طرح نماز اور زکوٰۃ سے خالی نہیں رہی ہیں۔

غور کیجیے کہ آخر روزے میں کیا بات ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو ہر زمانے میں فرض کیا ہے؟

اس سے پہلے کئی مرتبہ آپ سے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کا اصل مقصد انسان کی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت بنا دینا ہے۔ انسان عبد یعنی بندہ پیدا ہوا ہے، اور عبدیت یعنی بندگی اس کی عین فطرت ہے، اس لیے عبادت یعنی خیال اور عمل میں اللہ کی بندگی کرنے سے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو آزاد نہ ہونا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں ہمیشہ اور ہر وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی

رضا اور دشمنی کی چیزیں ہیں، اور اس کا غضب اور ناراضی کس چیز میں۔ پھر جس طرف اللہ کی رضا ہو اور صبر جانا چاہیے اور جس طرف اس کا غضب اور اس کی ناراضی ہو اس سے یوں بچنا چاہیے جیسے آگ کے انگارے سے کوئی بچتا ہے۔ جو طریقہ اللہ نے پسند کیا ہو اس پر چلنا چاہیے اور جس طریقہ کو اس نے پسند نہ کیا ہو اس سے بھاگنا چاہیے جب انسان کی ساری زندگی اس رنگ میں رنگ جائے تب سمجھو کہ اس نے اپنے مالک کی بندگی کا حق ادا کیا اور مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ وَلَا الْجِنَّ وَلَا الْإِنْسِ إِلَّا لِيَعْبُدُنِي کا مشا پورا کر دیا۔

یہ بات بھی اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے نام سے جو عبادتیں ہم پر فرض کی گئی ہیں ان کا اصلی مقصد اسی بڑی عبادت کے لیے ہم کو تیار کرنا ہے۔ ان کو فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر تم نے دن میں پانچ وقت رکوع اور سجدہ کر دیا، رمضان میں تیس دن تک صبح سے شام تک بھوک پیاس برداشت کر لی، اور مال دار ہونے کی صورت میں سالانہ زکوٰۃ اور عمر میں ایک مرتبہ حج ادا کر دیا، تو اللہ کا جو کچھ حق تم پر تھا وہ ادا ہو گیا اور اس کے بعد تم اس کی بندگی سے آزاد ہو گئے کہ جو چاہو کرتے پھرو۔ بلکہ دراصل ان عبادتوں کو فرض کرنے کی غرض یہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے آدمی کی تربیت کی جائے اور اس کو اس قابل بنایا جائے کہ اس کی پوری زندگی اللہ کی عبادت بن جائے۔ ایسے انسان مقصد کو سامنے رکھ کر ہم دیکھیں کہ روزہ کس طرح آدمی کو اس بڑی عبادت کے لیے تیار کرتا ہے۔

روزہ کے سوا دوسری جتنی عبادتیں ہیں وہ کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں، مثلاً نماز میں آدمی اٹھتا اور بیٹھتا اور رکوع اور سجدہ کرتا ہے جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ حج میں ایک لباس سفر کر کے جاتا ہے اور پھر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ زکوٰۃ بھی کم از کم ایک شخص دیتا ہے اور دوسرا شخص لیتا ہے۔ ان سب عبادتوں کا حال چھپ نہیں سکتا۔ اگر آپ ادا کرتے ہیں تب بھی دوسروں کو معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اگر انہیں کرتے تب بھی لوگوں کو خبر ہو ہی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا۔ ایک شخص سب کے سامنے سحری کھائے اور افطار کے وقت



شک ظاہر میں کچھ نہ کھائے پیے، مگر چھپ کر پانی پی جائے، یا کچھ چوری چھپے کھائے تو خدا کے سوا کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا ہی سمجھتی رہے گی کہ وہ روزہ سے ہے اور وہ حقیقت میں روزے سے نہ ہوگا۔

روزے کی اس حیثیت کو سامنے رکھو، پھر غور کرو کہ جو شخص حقیقت میں روزے سے رکھتا ہے اور اس میں چوری چھپے بھی کچھ نہیں کھاتا پیتا، سخت گرمی کی حالت میں بھی جبکہ پیاس سے علق چٹخا جاتا ہو، پانی کا ایک قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا، سخت بھوک کی حالت میں بھی جبکہ آنکھوں میں دم آ رہا ہو کوئی چیز کھانے کا ارادہ نہیں کرتا، اسے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب میں سنہم پر رکھنا ایمان ہے۔ کس قدر زبردست یقین کے ساتھ وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی حرکت چاہے ساری دنیا سے چھپ جائے مگر اللہ سے چھپ سکتی کیسا خوف خدا اس کے دل میں ہے کہ بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر صرف اللہ کے خوف کی وجہ سے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزے کو توڑنے والا ہو۔ کس قدر مضبوط اعتقاد ہے اس کو آخرت کی جزا و سزا پر کہ مہینہ بھر میں وہ کم از کم تین سو اٹھ گھنٹہ کے روزے رکھتا ہے اور اس دوران میں بھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے دل میں آخرت کے متعلق شک کا ناہمہ نہ تک نہیں آتا، کیونکہ اگر اسے اس امر میں شک ہو جائے کہ آخرت ہونگی یا نہ ہوگی اور اس میں عذاب و ثواب ہو گا یا نہ ہوگا، تو وہ کبھی اپنا روزہ پورا نہیں کر سکتا۔ شک کی فطرت یہی ہے کہ وہ آدمی کے ارادے کو متزلزل کر دیتا ہے۔ لہذا شک اتنے کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ آدمی خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ نہ کھائے اور نہ پینے کے ارادے پر قائم رہ جائے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا ہر ایک جہتہ تک مسلمان کے ایمان کی مسلسل آزمائش کرتا ہے۔ اور اس آزمائش میں جتنا جتنا آدمی پورا اترتا جاتا ہے اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ یہ گویا آزمائش کی آزمائش ہے، اور ٹریننگ کی ٹریننگ۔ اب جب کسی شخص کے پاس امانت رکھواتے ہیں تو گویا اس کی ایمان داری کی آزمائش کرتے ہیں۔ اگر وہ اس آزمائش میں پورا اترے اور امانت میں خیانت نہ کرے

دھر

سے

گنا

سے بھا

گی کا

م پر

نہیں

بھوک

اللہ کا

مل ان

بتایا جا

س طرح

آدمی

اور پھر

ہے۔ ان

اگر نہیں

خدا اور

وقت

تو اس کے انداماتوں کا بوجھ نبھانے کی اور زیادہ طاقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اور زیادہ امین بنتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مسلسل ایک مہینہ تک روزانہ بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹے تک آپ کے ایمان کو کڑی آزمائش میں ڈالتا ہے اور جب اس آزمائش میں آپ پورے اترتے ہیں تو آپ کے اندر اس بات کی مزید قیادت پیدا ہونے لگتی ہے کہ اللہ سے ڈر کر دوسرے گناہوں سے بھی پرہیز کریں، اللہ کو عالم الغیب جانکر چوری چھپے بھی اس کے قانون کو توڑنے سے بچیں، اور ہر موقع پر قیامت کا وہ دن آپ کو یاد آجایا کرے جب سب کچھ کھل جائے گا اور بغیر کسی رو رعایت کے بھلائی کا بھلا اور برائی کا برا بدلسلے گا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ  
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ  
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرة - ۱۸۳)

اے اہل ایمان! تمہارے اوپر روزے فرض کیے گئے ہیں  
جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے، شاید  
کہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔

روزے کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ طویل مدت تک شریعت کے احکام کی اطاعت کراتا ہے۔ نماز کی مدت ایک وقت میں چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت سال بھر میں صرف ایک دفعہ آتا ہے اور وہ بھی سب کے لیے نہیں۔ ان سب کے برخلاف روزہ سال بھر میں پورے ایک مہینہ تک شب و روز شریعت محمدی کے اتباع کی مشق کراتا ہے۔ صبح سحری کے لیے اٹھو، ٹھیک فلاں وقت پر کھانا پینا سب بند کر دو، دن بھر میں فلاں فلاں کام کر سکتے ہو اور فلاں فلاں کام نہیں کر سکتے، شام کو ٹھیک فلاں وقت پر افطار کرو، پھر کھانا کھا کر آرام کرو، پھر تراویح کے لیے دوڑو۔ اس طرح ہر سال کا ہل مہینہ بھر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مسلمان کو مسلسل فوجی سپاہیوں کی طرح پورے قاعدے اور ضابطے میں رکھا جاتا ہے اور پھر گیارہ مہینہ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ جو تربیت اس مہینہ میں اس نے حاصل کی ہے اس کے اثرات ظاہر ہوں، اور جو کمی پائی جائے وہ پھر دوسرے سال کی ٹریننگ میں پوری

کی جائے۔

اس قسم کی تربیت کے لیے ایک ایک شخص کو الگ لے کر تیار کرنا کسی طرح مزدوں نہیں ہوتا۔ فوج میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شخص کو الگ الگ قلعہ نہیں کھائی جاتی بلکہ پوری فوج کی فوج ایک ساتھ قواعد کرتی ہے، سب کو ایک وقت بگی کی آواز پر اٹھنا اور بگی کی آواز پر کام کرنا ہوتا ہے، تاکہ ان میں عجات بن کر متفقہ کام کرنے کی عادت ہو، اور اس کے ساتھ ہی وہ سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار ہوں یعنی ایک شخص کی تربیت میں جو کچھ نقصان رہ جائے اس کی کمی کو دوسرا اور دوسرے کی کمی کو تیسرا پورا کر دے۔ اسی طرح اسلام میں بھی رمضان کا مہینہ روزے کی عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ایک وقت میں سب کے سب مل کر روزہ رکھیں۔ اس حکم نے انفرادی عبادت کو اجتماعی عبادت بنا دیا جس طرح ایک کے عدد کو لاکھ سے ضرب دو تو لاکھ کا زبردست عدد بن جاتا ہے اسی طرح ایک ایک شخص کے روزہ رکھنے سے جو اخلاقی اور روحانی فائدے ہو سکتے ہیں، لاکھوں کر ڈھائی آدھائیوں کے مل کر روزہ رکھنے سے وہ لاکھوں کر ڈھائیوں کے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ پوری قضا کو نیکی اور پرہیزگاری کی روح سے بھر دیتا ہے۔ پوری قوم میں گویا تقویٰ کی کھتی سرسبز ہو جاتی ہے۔ ہر شخص نہ صرف خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اگر اس میں کوئی کمزوری ہوتی ہے تو اس کے دوسرے بہت سے بھائی جو اسی کی طرح روزہ دار ہیں، اس کی پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ ہر شخص کو روزہ رکھ کر گناہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اور ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ خواہش ابھرتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے، کسی ننگے کو کپڑا پہنائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے، کسی جگہ اگر کوئی نیک کام ہو یا ہو تو اس میں حصہ لے اور اگر کہیں غلامیہ بدی ہو رہی ہو تو اُسے روکے نیکی اور تقویٰ کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے، اور بھلائیوں کے پھلنے پھولنے کا موسم آ جاتا ہے جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلام اپنے موسم آنے پر خوب پھلتا پھوٹتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-



کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنۃ  
 بعشر أمثالها الی سبع مائۃ ضعف قال  
 اللہ تعالیٰ الا الصوم فاندلی وانا الجزی  
 آدمی کا ہر عمل خدا کے ہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے۔ ایک نیکی دس گنی  
 سے سات سو گنی تک بڑھتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ  
 روزہ اس کے سوا سب سے زیادہ خاص میرے لیے ہے اور میں اس کا  
 جتنا چاہتا ہوں بدلہ دیتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے کی نیت اور نیکی کے نتائج کے لحاظ سے تمام اعمال بھلے  
 پھولتے ہیں اور ان کی ترقی کے لیے ایک حد مقرر ہے۔ مگر روزے کی ترقی کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔  
 رمضان چونکہ خیر اور صلاح کے پھلنے پھولنے کا موسم ہے اور اس موسم میں ایک شخص نہیں بلکہ لاکھوں  
 کروڑوں مسلمان مل کر اس نیکی کے باغ کو پانی دیتے ہیں اس لیے یہ بے حد و حساب بڑھ سکتا ہے جتنی  
 زیادہ نیکی نیتی کے ساتھ اس ہمیتہ میں عمل کرو گے، جس قدر زیادہ برکتوں سے خود فائدہ اٹھاو گے اور  
 اپنے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاؤ گے، اور پھر جس قدر زیادہ اس ہمیتہ کے اثرات پیر کے گیارہ  
 ہمیتوں میں باقی رکھو گے، اتنا ہی یہ پھلے پھولے گا اور اس کے پھلنے پھولنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔  
 تم خود اپنے عمل سے اس کو محدود کر لو تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے۔

روزے کے یہ اثرات اور یہ نتائج سن کر آپ میں سے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو گیا  
 کہ یہ اثرات آج کہاں ہیں؟ ہم روزے بھی رکھتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، مگر نتیجے جو تم بیان کرتے  
 ہو ظاہر نہیں ہوتے۔ اس کی ایک وجہ تو میں آپ سے پہلے بیان کر چکا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلام  
 کے اجزاء کو الگ الگ کر دینے کے بعد اور بہت سی نئی چیزیں اس میں ملا دینے کے بعد آپ ان نتائج  
 کی توقع نہیں کر سکتے جو پورے نظام کی بندھی ہوئی صورت ہی میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ  
 دوسری وجہ یہ ہے کہ عبادت کے متعلق آپ کا نقطہ نظر بالکل بدل گیا ہے۔ اب آپ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ  
 محض صبح سے شام تک کچھ نہ کھانے اور دینے کا نام عبادت ہے، اور جب یہ کام آپ نے کر لیا تو عبادت

پوری ہو گئی۔ اسی طرح دوسری عبادتوں کی بھی محض ظاہری شکل کو آپ عبادت سمجھتے ہیں، اور عبادت کی اصلی روح جو آپ کے ہر عمل میں ہونی چاہیے اس سے عام طور پر آپ کے ۹۹ فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی غافل ہیں۔ اسی وجہ سے یہ عبادات اپنے پورے فائدے نہیں دکھاتیں، کیونکہ اسلام میں تو نیت اور فہم اور سمجھ بوجھ ہی پر سب کچھ منحصر ہے۔

ان شمار اہل آئندہ خطبہ میں اس مضمون کی پوری تشریح کروں گا۔

## روزہ کا اصل مقصد

برادران اسلام! ہر کام جو انسان کرتا ہے، اس میں دو چیزیں لازمی طور پر ہوا کرتی ہیں۔ ایک چیز تو وہ مقصد ہے جس کے لیے کام کیا جاتا ہے، اور دوسری چیز اس کام کی وہ خاص شکل ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ مثلاً کھانا کھانے کے فعل کو پیچھے کھانے سے آپ کا مقصد زندہ رہنا اور جسم کی طاقت کو بحال رکھنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ آپ نواسے بناتے ہیں، منہ میں لے جلتے ہیں، دانتوں میں جیراٹے ہیں، اور حلق کے نیچے اتارتے ہیں۔ چونکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ کارگر اور سب سے زیادہ مناسب طریقہ یہی ہو سکتا تھا، اس لیے آپ نے اسی کو اختیار کیا۔ لیکن آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اصل چیز وہ مقصد ہے جس کے لیے کھانا کھایا جاتا ہے، نہ کہ کھانے کے فعل کی صورت اگر کوئی شخص لکڑی کا براہ یا رکھ یا ٹی لے کر اس کے نواسے بنائے اور منہ میں لے جائے اور دانتوں سے چبا کر حلق سے نیچے اتارے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ یہی ناکہ اس کا دماغ خراب ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ حق کھانے کے اصل مقصد کو نہیں سمجھا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ بس فعل خوردن کے ان چاروں ارکان کو ادا کر دینے ہی کا نام کھانا کھانا ہے۔ اسی طرح آپ اس شخص کو بھی پاگل قرار دیں گے جو روٹی کھانے کے بعد فوراً ہی حلق میں انگلی ڈال کر تے کر دیتا ہوا اور پھر نکالت کرتا ہو کہ روٹی کھانے کے جو فائدے بیان کیے جلتے ہیں وہ مجھے حاصل ہی نہیں ہوتے، بلکہ میں تو اٹھاؤں روزہ روزہ بلا ہوتا جا رہا ہوں اور مرجانے کی نوبت آگئی ہے۔ یہ آحق اپنی اس کمزوری کا الزام روٹی اور کھانے پر رکھتا ہے حالانکہ طاقت اس کی اپنی ہے۔ اس نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے کا فعل جتنے ارکان سے مرکب ہے بس ان کو ادا کر دینے ہی سے زندگی کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے اس نے سوچا کہ اب روٹی کا بوجھ اپنے معدے میں کیوں رکھو؟ کیوں نہ اسے نکال



پھینکا جائے تاکہ پیٹ ہلکا ہو جائے۔ کھانے کے ارکان تو ہیں اور کہہ ہی چکا ہوں۔ یہ احمقانہ خیال جو اس نے قائم کیا اور اس کی پیروی کی اس کی سزا بھی ظاہر ہے کہ اسی کو ٹھگتنی چاہیے۔ اس کو جانتا چاہیے تھا کہ جب تک روٹی پیٹ میں جا کر نہ ختم نہ ہو، اور خون بن کر سارے جسم میں پھیل نہ جائے، اس وقت تک زندگی کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کھانے کے ظاہری ارکان بھی اگرچہ ضروری ہیں، کیونکہ ان کے بغیر روٹی معدے تک نہیں پہنچ سکتی، مگر محض ان ظاہری ارکان سے کام نہیں چل سکتا۔ ان ارکان میں کوئی جادو بکرا ہوا نہیں ہے کہ انھیں ادا کرنے سے بس طبعی طریقہ پر آدمی کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہو۔ خون پیدا کرنے کے لیے تو اللہ نے جو قانون بنایا ہے اسی کے مطابق وہ پیدا ہوگا۔ اس کو توڑو گے تو اپنے آپ کو خود ہلاک کر دو گے۔

یہ مثال جو اس تفصیل کے ساتھ میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے اس پر آپ غور کریں گے تو آپ کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ آج آپ کی عبادتیں کیوں بے اثر ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی آپ سے بار بار بیان کر چکا ہوں، سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ آپ نے نماز روزے کے ارکان اور ان کی ظاہری صورتوں ہی کو اصل عبادت سمجھ رکھا ہے اور آپ نے خیال غام میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جس نے یہ ارکان پوری طرح ادا کر دیے اس نے بس اللہ کی عبادت کر دی۔ آپ کی مثال اسی شخص کی سی ہے جو کھانے کے چاروں ارکان یعنی تولیے برنانا، منہ میں رکھنا، چبانا، ہلق کے نیچے اتار دینا، اس اپنی چاروں کے مجموعے کو کھانا سمجھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ جس نے یہ چار ارکان ادا کر دیے اس نے کھانا کھانا اور کھانے کے فائدے اس کو حاصل ہونے چاہئیں، خواہ اس نے ان ارکان کے ساتھ مٹی اور تھچراپنے پیٹ میں آتے ہوں، یا روٹی کھا کر فوراً قے کر دی ہو، اگر حقیقت میں آپ لوگ اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو گئے ہیں تو مجھے بتائیے یہ ماجرا کیا ہے کہ جو روزہ دار صبح سے شام تک اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے وہ عین اس عبادت کی حالت میں بھوٹ کیسے ہوتا ہے؟ غیرت کس طرح کرتا ہے؟ اس کی زبان سے گالیاں کیوں نکلی ہیں؟ وہ لوگوں کا حق کیسے مار کھاتا ہے؟ حرام کھانے اور حرام کھلانے کے کام کس طرح کر دیتا ہے؟ اور پھر یہ سب کام کر کے بھی اپنے نزدیک یہ کیسے سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کی عبادت کی ہے؟ کیا اس کی مثال اس شخص کی سی نہیں ہے جو رکھ اور

نیز  
میں  
نا

نے

نہ

یہ

سے

نہ

نہ

نہ

نہ

نہ

نہ

نہ

نہ

مٹی کھاتا ہے اور محض کھانے کے چار ارکان ادا کر دینے کو سمجھتا ہے کہ کھانا ہی کو کہتے ہیں؟

پھر مجھے بتائیے یہ کیا ماجرا ہے کہ رمضان بھر میں تقریباً ۳۶ گھنٹے خدا کی عبادت کرنے کے بعد جب آبِ فارغ ہوتے ہیں تو اس پوری عبادت کے تمام اثرات شوال کی پہلی تاریخ ہی کو کافور ہو جاتے ہیں؟ ہندو اپنے تہواروں میں جو کچھ کرتے ہیں وہی سب آپ عید کے زمانے میں کرتے ہیں۔ حدیہ ہے کہ شہروں میں تو عید کے روز بدکاری اور شراب نوشی اور قمار بازی تک ہوتی ہے۔ اور بعض ظالم تو میں نے ایسے دیکھے ہیں جو رمضان کے زمانہ میں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں۔ عام مسلمان خدا کے فضل سے اس قدر بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں، مگر رمضان ختم ہونے کے بعد آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے اندر عید کے دوسرے دن بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کا کوئی اثر باقی رہتا ہو؟ خدا کے قوانین کی خلاف ورزی میں کوئی کہہ سکا کھارکھی جاتی ہو نیک کاموں میں کتنا حصہ لیا جاتا ہے؟ اور فسادیت میں کیا کمی آ جاتی ہے؟

سو نیچے اور غور کیجیے کہ اس کی وجہ آخر کیا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں عبادت کا مفہوم اور مطلب ہی غلط ہو گیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حرسے لے کر مغرب تک کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کا نام روزہ ہے اور بس یہی عبادت ہے۔ اس لیے روزے کی تو آپ پوری حفاظت کرتے ہیں۔ خدا کا خوف آپ کے دل میں اس قدر ہوتا ہے کہ جس چیز میں روزہ ٹوٹنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو اس سے بھی بچتے ہیں۔ اور اگر جان بڑھائی جائے تب بھی آپ کو روزہ ٹوٹنے میں تامل ہوتا ہے لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا اصل عبادت نہیں بلکہ عبادت کی صورت ہے۔ اور یہ صورت مقرر کرتے سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے اندر خدا کا خوف اور خدا کی محبت پیدا ہو، اور آپ کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ جس جیتوں دنیا بھر کے فائدے ہوں مگر خدا ناراض ہو نہ ہو اس سے اپنے نفس پر جبر کر کے بچ سکیں، اور جس چیز میں ہر طرح کے خطرات اور نقصانات ہوں مگر خدا اس سے خوش ہوتا ہو اس پر آپ اپنے نفس کو مجبور کر کے آمادہ کر سکیں۔ یہ طاقت اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی کہ آپ روزے کے مقصد کو سمجھتے اور ہمیشہ بھرتک آپ نے خدا کے خوف اور خدا کی محبت میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے اور خدا کی رضا

کے مطابق چلنے کی جو مشق کی ہے اس سے کام لیتے۔ مگر آپ تو رمضان کے بعد ہی اس مشق کو اور ان صفات کو جو اس مشق سے پیدا ہوتی ہیں اس طرح نکال پھینکتے ہیں جیسے کھانا کھانے کے بعد کوئی شخص انگلی ڈال کرتے کرے۔ بلکہ آپ میں سے بعض لوگ تو روزہ کھولنے کے بعد ہی دن بھر کی پرہیزگاری کو نگل دیتے ہیں پھر آپ ہی بتائیے کہ رمضان اور اس کے روزے کوئی طلسم تو نہیں ہیں کہ بس ان کی ظاہری شکل پوری کر دینے سے آپ کو وہ طاقت حاصل ہو جائے جو حقیقت میں روزے سے حاصل ہوتی چاہیے۔ جس طرح روٹی سے جہانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معدے میں جا کر ہضم نہ ہو اور خون بن کر جسم کی رگ رگ میں نہ پہنچ جائے اسی طرح روزے سے بھی روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ آدمی روزے کے مقصد کو پوری طرح سمجھے نہیں اور اپنے دل و دماغ کے اندر اس کو اثر کرنے اور خیال، نیت، ارادہ اور عمل سب پر چھا جانے کا موقع نہ دے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ یعنی تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے، شاید کہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس سے تم ضرور متقی و پرہیزگار بن جاؤ گے۔ اس لیے کہ روزہ کا یہ نتیجہ تو آدمی کی سمجھ بوجھ اور اس کے ارادے پر موقوف ہے۔ جو اس کے مقصد کو سمجھے گا اور اس کے ذریعہ سے اصل مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ تھوڑا بہت متقی بن جائے گا۔ مگر جو مقصد ہی کو نہ سمجھے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کرے گا اسے کوئی فائدہ حاصل کرنے کی امید ہی نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ مقصد سے غافل ہو کر بھوکا پیاسا رہنا کچھ مفید نہیں۔ چنانچہ فرمایا:-

من لم يدع قول الزور والعمل  
بہ فليس لله حجة في ان يده طعامه  
جب کسی نے بھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں  
وشمار بہ۔

دوسری حدیث میں ہے کہ سرکار نے فرمایا:-

کے بعد جب آپ

ہندوا اپنے

عید کے روز

مان کے زمانہ

ن قدر بگڑے

لے دوسرے دن

ٹھار رکھی جاتی ہے

یہ ہے کہ آپ کے

کچھ نہ کھانے

تے ہیں۔ خدا کا

بچتے ہیں۔ اور اگر

ہو یا سارہ نامل

نہا کا خوف اور خدا

مگر خدا ناراض

مگر خدا اس سے

روزے کے مقصد

دکنے اور خدا کی رضا



کہ من صائم لیس لہ من  
صیامہ الا الظہاء وکہ من قاتم لیس  
لہ من قیامہ الا السکر۔  
بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بچھو کہہ کر یا  
کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ اور بہت سے راتوں کو کوٹھے  
رہتے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رات بچھو کے سوا ان  
کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ محض بھوکا اور پیاسا  
رہنا عبادت نہیں ہے بلکہ اہل عبادت کا ذریعہ ہے، اور اہل عبادت ہے خوف خدا کی وجہ سے خدا کے قانون  
کی خلاف ورزی نہ کرنا، اور محبت الہی کی بنا پر ہر اس کام کے لیے شوق سے لپکتا جس میں محبوب کی خوشنودی  
ہو، اور نفسانیت سے بچنا جہاں تک بھی ممکن ہو۔ اس عبادت سے جو شخص غافل رہا اس نے خواہ مخواہ اپنے  
پریش کو بھوک پیاس کی تکلیف دی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت کب تھی کہ بارہ چودہ گھنٹے کے لیے اس سے کھانا  
پینا چھڑا دیتا؟

روزے کے اصل مقصد کی طرف سرکار اس طرح توجہ دلاتے ہیں:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَحَسَابًا  
غَفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔  
یعنی جس نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کے ساتھ اس  
کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے متعلق ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیے وہ عقیدہ ذہن میں پوری  
طرح تازہ ہے۔ اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ ہیں  
وہ ایمان کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے ساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھ  
لے گا وہ اپنے پچھلے گناہ بخوشی اٹالے جائے گا، اس لیے کہ اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا بھی تو اب اس نے  
اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کر لیا، اور التائب من الذنب گمن الذنب لہ (گناہ سے توبہ کرنے  
والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا)۔

دوسری حدیث میں آیا ہے:-

الصيام جنة واذا كان يومه صوم  
احدكم فلا يرفث ولا يصخب فان سابه  
احد او قاتله فليقل اني امر بصائم  
روزے ڈھال کی طرح ہیں کہ جس طرح ڈھال دشمن کے وار سے  
بچنے کے لیے ہے اسی طرح روزہ بھی شیطان کے وار سے بچنے کے  
لیے ہے۔ لہذا جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اسے چاہیے کہ اس  
ڈھال کو استعمال کرے اور دنگ فساد سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے بڑے تو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ بھائی میں  
روزے سے ہوں مجھ سے تم یہ توقع نہ رکھو کہ تمھارے اس شغل میں حصہ لوں گا۔

دوسری احادیث میں حضور نے بتایا ہے کہ روزے کی حالت میں آدمی کو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے  
چاہئیں اور ہر بھلائی کا شوقین بن جانا چاہیے خصوصاً اس حالت میں اس کے اندر اپنے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی  
کا جذبہ تو پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو جانا چاہیے، کیونکہ وہ خود بھی جوک پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہو کر زیادہ اچھی طرح  
محسوس کر سکتا ہے کہ دوسرے بندگان خدا پر غریبی اور صیبت میں کیا گذرتی ہوگی۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے  
کہ خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عام دنوں سے زیادہ رحیم اور شفیع ہو جاتے تھے۔ کوئی سائل  
اس زمانہ میں حضور کے دروازے سے خالی نہ جاتا تھا۔ اور کوئی قیدی اس زمانہ میں قید نہ رہتا تھا۔ ایک حدیث میں  
ہے کہ حضور نے فرمایا:-

من فطر فيه صائما كان له مغفرة  
لذنوبه وعتق رقبة من الناس وكان  
له مثل اجرة من غير ان ينتقص من  
اجرة شيء -  
جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو یہ اس  
کے گناہوں کی بخشش کا اور اس کی گردن کو آگ سے بچانے  
کا ذریعہ ہو گا اور اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس  
روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔

## زکوٰۃ

بیت

برادران اسلام، نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ عام طور پر چونکہ عبادات کے سلسلہ میں نماز کے بعد روزے کا نام لیا جاتا ہے، اس لیے لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ نماز کے بعد روزے کا نذر ہے۔ مگر قرآن مجید سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نماز کے بعد سب سے بڑھ کر زکوٰۃ کی اہمیت ہے۔ یہ دیر سے ستون ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ان کے ٹپنے کے بعد اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکی اور صفائی کے۔ اپنے مال میں سے ایک حصہ حاجتمندوں اور مسکینوں کے لیے نکالنے کو زکوٰۃ اس لیے کہا گیا کہ اس طرح وہ مال، اور اس مال کے ساتھ خود آدمی کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے جو شخص خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے خدا کے بندوں کا حق نہیں نکالتا اس کا مال ناپاک ہے اور مال کے ساتھ اس کا نفس بھی ناپاک ہے، کیونکہ اس کے نفس میں احسان فراموشی بھری ہوئی ہے۔ اس کا دل اتنا تنگ ہے، اتنا خود غرض ہے، اتنا زبرد پرست ہے کہ جس خدا نے اس کو اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ دولت دے کر اس پر احسان کیا، اس کے احسان کا حق ادا کرتے ہوئے بھی اس کا دل دکھتا ہے۔ ایسے شخص سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیا میں کوئی نیکی بھی خدا کے واسطے کر سکے گا، کوئی قربانی بھی محض اپنے دین و ایمان کی خاطر برداشت کرے گا۔ ہنہ اے ایسے شخص کا دل بھی ناپاک اور اس کا وہ مال بھی ناپاک جسے وہ اس طرح جمع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا فرض عائد کر کے ہر شخص کو امتحان میں ڈالا ہے۔ جو شخص بخوشی اپنے ضرورت سے زیادہ مال میں سے خدا کا حق نکالتا ہے اور اس کے بندوں کی مدد کرتا ہے وہی اللہ کے کام کا آدمی ہے اور وہی اس لائق ہے کہ ایمانداروں کی جماعت میں اس کا شمار کیا جائے اور جس کا دل اتنا تنگ ہے کہ وہ اتنی قربانی بھی خداوند عالم کے لیے برداشت نہیں کر سکتا، وہ اللہ کے کسی کام کا نہیں، اور وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اہل ایمان کی جماعت



میں داخل کیا جائے۔ وہ ایک سڑا ہوا عضو ہے جسے جسم سے الگ ہی کر دینا بہتر ہے ورنہ سارے جسم کو مٹا دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب کے بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس طرح جنگ کی جیسے کافروں سے کی جاتی ہے، حالانکہ وہ لوگ نماز پڑھتے تھے اور خدا اور رسول کا اقرار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز روزہ اور ایمان کی شہادت سب بے کار ہیں، کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید اٹھا کر دیکھیے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ قدیم زمانہ سے تمام انبیاء کی امتوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم لازمی طور پر دیا گیا ہے، اور دین اسلام کبھی کسی نبی کے زمانہ میں بھی ان دو چیزوں سے خالی نہیں رہا۔ پسندنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے انبیاء کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:-

وَجَعَلْنَاهُمْ اُمَّةً مِّمَّنْ ذُرِّيَّتِمْ اَنَّا وَكَلْنَا  
اَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فَعَلُوا خَيْرَاتٍ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ  
وَاتَيْنَا الزَّكَاةَ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔  
انکو ہم نے انسانوں کا پیشوا بنایا اور وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں  
کی ہدایت کرتے تھے۔ ہم نے وحی کے ذریعہ سے ان کو نیک کام  
کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی اور وہ ہمارے  
عبادت گزار تھے۔ (الانبیاء - ۷۴)

پسندنا اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:-  
وَكَانَ يَحْمِلُ اَهْلًا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ  
وَكَانَ عِندَ رَبِّهِمْ خَيْرًا۔ (مریم - ۷۴)  
وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اللہ کے  
نزدیک برگزیدہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے دعا کی کہ خدا یا ہمیں اس دنیا کی بھلائی بھی عطا کر اور آخرت  
کی بھلائی بھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ جواب میں ارشاد ہوا:-

عَذَابِيْ اَشَدُّ مِنْ اَنْشَاءِ وَرَحْمَتِيْ  
وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ مَّا كَتَبْنَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ  
میں اپنے عذاب میں جسے چاہوں گا گھیروں گا اگرچہ میری رحمت  
ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے مگر اس رحمت کو میں انہی لوگوں کے

وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ  
 حق میں لکھوں گا جو مجھ سے دین کے اور زکوٰۃ دیں گے  
 (الاعراف - ۱۱۹) اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔

حضرت موسیٰ کی قوم چہ کہ چھوٹے دل کی تھی اور فہم پر جان دیتی تھی، جیسا کہ آج بھی یہودیوں کا حال آپ دیکھتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر کی دعا کے جواب میں صاف فرمایا کہ تمھاری امت اگر زکوٰۃ کی پابندی کرے گی تب تو اس کے لیے میری رحمت کاوند ہے، ورنہ ابھی سے صاف سن رکھو کہ وہ میری رحمت سے محروم ہو جائے گی اور میرا عذاب اسے گھیرے گا چنانچہ حضرت موسیٰ کے بعد بھی بار بار بنی اسرائیل کو اس بات پر تنبیہ کی جاتی رہی۔ بار بار ان سے ہمہ دے گئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کریں (سورہ قہرہ رکوع ۱۰) یہاں تک کہ آخر میں صاف نوٹس دے دیا گیا کہ:-

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ  
 وَأَتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَدْتُمْ عَمُوهُمُ  
 لَأَقْرِبَنَّ اللَّهُ فَرَحًا حَسَنًا (النارہ - ۳)  
 یعنی اللہ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور جو رسول آئیں ان کی مدد کرو اور اللہ کو قرب حق دے دو تب تو میں تمھارے ساتھ ہوں  
 (وہ تمھیں میری رحمت کی امید نہ رکھنی چاہیے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ سوان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ حکم دیا، جیسا کہ سورہ مریم میں ہے:-

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي  
 بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا صُمْتُ حَيًّا (مریم - ۲)  
 اللہ نے مجھے برکت دی ہے جہاں بھی میں ہوں اور مجھ پر ایمان دیا  
 کہ نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں جب تک زندہ رہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ دین اسلام ابتدا سے ہر نبی کے زمانہ میں نماز اور زکوٰۃ کے ان دو بڑے ستونوں پر قائم ہوا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا پر ایمان رکھنے والی کسی امت کو بھی ان دو فرضوں سے معاف کیا گیا ہو۔ اب دیکھیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ دونوں فرض کس طرح ساتھ ساتھ لگے ہوئے

ہیں۔ قرآن مجید کھوتے ہی سبک پہلے جن آیات پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ کیا ہیں؟ یہ کہ:-

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِنْهُ يَتْلُوْنَ

یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے،  
(یعنی علم ہی علم ہے) یہ پرہیزگاروں کو دنیا میں زندگی کا یہ دھما  
راستہ بتاتا ہے۔ اور پرہیزگاروں کو گمراہی سے جو غیب پر ایمان

لاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے

(البقرہ - ۱)

اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

پھر فرمایا اُوْلٰئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار  
کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور قلاع ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔ یعنی جن میں یگانہ نہیں اور جو نماز اور زکوٰۃ کے  
پابند نہیں وہ نہ ہدایت پر ہیں اور نہ انھیں قلاع نصیب ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد اسی سورہ بقرہ کو پڑھتے جاویں، چند صفحوں کے بعد پھر حکم ہوتا ہے:-

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا

نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دواد رکوع کرنے والوں کے ساتھ

مَعَ الرَّاٰكِعِيْنَ (البقرہ - ۵)

رکوع کرو (یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو)

پھر تھوڑی دور آگے چل کر اسی سورہ میں ارشاد ہوا:-

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوْكَلُوْا وَّجُوْهُكُمْ قِبَلَ

نیکی محض اس کا نام نہیں ہے کہ شرق یا مغرب کی طرف تم نے منہ

اَلْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کر لیا بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جس نے خدا اور آخرت اور ملائکہ اور

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّنَ

کتاب الہی اور پیغمبروں پر ایمان رکھا اور اللہ کی محبت میں اپنے جان

وَآتٰى اَلْمَالَ عَلٰی حُبِّهِ ذَوٰی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰی وَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مساقیوں اور سائلوں پر اپنا

اَسْلٰكِيْنَ وَاٰتٰى السَّبِيْلَ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي

مال خرچ کیا اور لوگوں کو قرض یا عطیہ یا سیر کی سہاٹی گزریں

الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتٰى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْنُوْ

چھڑانے میں مدد دی۔ اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ اور ملائکہ



يَعْنِي هُمْ إِذَا هَلَّ دَارُ الصَّيْرِ فِي الْبَسَاءِ  
وَالصَّرَاءِ وَجَبَ الْبَسَاءُ أَوْلَىٰكَ الْبَيْنَ صَدَقًا  
وَأَوْلَىٰكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ - (البقرہ - ۲۲)

لوگ وہ ہیں جو عمر کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا کریں اور مصیبت اور  
نقصان اور جنگ کے موقع پر صبر کے ساتھ راہ حق پر ٹھ جائیں۔ ایسے ہی  
لوگ بچے مسلمان ہیں اور ایسے ہی لوگ حقیقی دہیز گار ہیں۔

پھر آگے دیکھیے سورہ مائدہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ  
ذَاكِعُونَ - وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ  
آمَنُوا فَإِنَّ حَرْبَ اللَّهِ هُمُ الْعَدُوُّونَ (المائدہ - ۸)

مسلمانو! تمہارا حقیقی دوست واحد و کار صرف اللہ اور رسول اور ایمان والے  
لوگ ہیں یعنی ایسے لوگ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور خدا کے آگے  
جھکتے ہیں پس جو شخص اللہ اور رسول اور ایسے ایمان دار لوگوں کو دوست  
بنائے وہ اللہ کی پارٹی کا دشمن ہے اور اللہ کی پارٹی ہی غالب ہوتی ہے

اس عظیم الشان آیت میں ایک بڑا قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس آیت سے آپ کو معلوم ہو گیا  
کہ اہل ایمان صرف وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ان دو اہل اسلام سے جو لوگ روگردانی  
کریں ان کا دعوئے ایمان ہی جھوٹا ہے پھر اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کی ایک پارٹی  
ہے اور ایمان دار آدمی کا کام یہ ہے کہ سب سے الگ ہو کر اسی پارٹی میں شامل ہو جائے۔ جو مسلمان اس پارٹی سے باہر رہنے  
والے کسی شخص کو، خواہ وہ باپ ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو، بھائیہ یا بیٹن ہو یا کوئی بھی ہو اگر وہ اس کو اپنا دوست بنائے گا  
اور اس سے محبت اور مددگاری کا تعلق رکھے گا تو اسے یہ امید نہ رکھنی چاہیے کہ اللہ اس سے مددگاری کا تعلق رکھنا پسند  
فرمائے گا۔ سب سے آخر میں اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو دنیا میں غلبہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب  
وہ یکسو ہو کر اللہ اور رسول اور صرف اہل ایمان ہی کو اپنا دینی، مددگار، دوست اور ساتھی بنائیں۔

اب آگے سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار اور مشرکین سے جنگ کا حکم دیا ہے اور مسلسل کئی رکوعوں  
تک جنگ ہی کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا

پھر اگر وہ کفر اور شرک سے توبہ کریں، ایمان لے آئیں اور نماز

الزَّكَاةُ فَاحْوَٰنُكُمْ فِي الْتَّائِبِينَ - (توبہ - ۲)

بڑھیں اور زکوٰۃ دین تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔

یعنی محض کفر و شرک سے توبہ کرنا اور ایمان کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ وہ واقعی کفر و شرک سے تائب ہو گئے ہیں اور حقیقت میں ایمان لائے ہیں، صرف اسی طرح بل سکتا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں۔ لہذا اگر وہ اپنے اس عمل سے اپنے ایمان کا ثبوت دیں تب تو تمھارے دینی بھائی ہیں اور نہ ان کو بھائی نہ سمجھو اور ان سے جنگ بند نہ کرو۔

یہ پھر آگے چل کر اسی سورہ میں فرمایا :-

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ

مومن مرد اور مومن عورتیں ہی ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں

أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ بِالْمَعْرُوفِ وَيُحِبُّونَ

اور ان مومن مردوں اور عورتوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

ہیں، بدی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور

وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ

خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ رحمت

اللہ - (التوبہ - ۹)

فرمائے گا۔

سن لیا آپ نے! کوئی شخص مسلمانوں کا دینی بھائی بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اقرار ایمان کر کے عملاً نماز اور زکوٰۃ کی پابندی نہ کرے۔ ایمان، نماز، اور زکوٰۃ، یہ تین چیزیں مل کر ایمان داروں کی جماعت بناتی ہیں، جو لوگ ان تینوں کے پابند ہیں وہ اس ایک جماعت کے اندر ہیں اور انھی کے درمیان دوستی، محبت، رفاقت، مددگاری کا تعلق ہے، اور جو ان کے پابند نہیں، وہ اس جماعت کے باہر ہیں، خواہ نام کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ ان سے دوستی، محبت اور رفاقت کا تعلق رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اللہ کے قانون کو توڑ دیا اور اللہ کی پارٹی کو منتشر کر دیا۔ پھر تم دنیا میں غالب ہو کر رہنے کی امید نہیں کر سکتے۔

اور آگے چلے سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وَلَيَنْصَرِفَنَّ اللَّهُ الْمُكْفِرِينَ الَّذِينَ يَنْصُرُونَكَ

اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اور اللہ

بیت اور

ایسے ہی

ن اولیاء

کے آگے

کودت

اب جو

علوم پر

رہ دانی

پارٹی

باہر سے

نئے گا

ت رکھنا

ہے جب

ی رکھوں

بن اور

اللّٰهُ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۚ الَّذِينَ اِنْ مَلَكَهُمْ فِي  
 الْاَرْضِ اَنَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡوَالِزَّكٰوةَ وَ  
 اَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَلِلّٰهِ عَا  
 لَمُومُوْنَ۔ (الحج-۶)

زبردست قوت والا اور ب پر غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو  
 اگر ہم زمین میں حکومت بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے،  
 نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے اور ب چیزوں کا ناجائز  
 خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو بھی وہی نوٹس دیا گیا ہے جو بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا۔ ابھی آپ کو سنا چکا ہوں  
 کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کیا نوٹس دیا تھا ان سے صاف فرما دیا تھا کہ میں اسی وقت تک تمہارے ساتھ رہوں  
 جب تک تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہو گے اور میرے نبیوں کے مشن میں ان کا ساتھ دو گے یعنی میرے قانون  
 کو دنیا میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہو گے۔ جو نبی تم نے اس کام کو چھوڑا، پھر میں اپنا ہاتھ تمہاری مدد سے  
 کھینچ لوں گا۔ ٹھیک یہی بات اللہ نے مسلمانوں سے بھی فرمائی ہے ان سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر زمین میں طا  
 قت حاصل کر کے تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دو گے اور نیکیاں پھیلاؤ گے اور بدیوں کو مٹاؤ گے، تب تو میں تمہارا مددگار  
 ہوں اور جس کام میں مددگار ہوں اسے کون دبا سکتا ہے۔ لیکن اگر تم نے نماز اور زکوٰۃ سے منہ پھرا اور زمین میں  
 حکومت حاصل کر کے نیکیوں کے بجائے بدیاں پھیلائیں اور بدیوں کے بجائے نیکیوں کو مٹانا شروع کیا اور میرا کلمہ  
 بلند کرنے کے بجائے اپنا کلمہ بلند کرنے لگے اور خرچ وصول کر کے اپنے لیے زمین میں جنتیں بناتے ہی کو وراثت  
 ارضی کا مقصود سمجھ لیا تو سن رکھو کہ میری مدد تمہارے ساتھ نہ ہوگی، پھر شیطان ہی تمہارا مددگار رہ جائے گا۔  
 اللہ اکبر! کتنا بڑا عبرت کا مقام ہے۔ جو دھکی بنی اسرائیل کو دی گئی تھی، اس کو انھوں نے خالی خالی زبانی  
 دھکی سمجھا اور اس کے خلاف عمل کر کے اپنا انجام دیکھ لیا، کہ آج روئے زمین پر مارے مارے پھر رہے ہیں، جگہ جگہ سے  
 نکالے جا رہے ہیں اور کہیں ٹھکا۔ نا نہیں پاتے۔ کروڑ ہا کروڑ لپٹے کے کھتے ان کے پاس پھرے پڑے ہیں، دنیا  
 کی سب سے زیادہ دولت مند قوم ہیں، مگر یہ روپیہ ان کے کسی کام نہیں آتا۔ نماز کے بجائے بدکاری اور زکوٰۃ کے  
 بجائے سود خواری کا مٹون طریقہ اختیار کر کے انھوں نے خود بھی خدا کی لعنت اپنے اوپر مسلط کر لی اور ابل س لعنت کو



یہ ہوسے طاعون کے چوہوں کی طرح دنیا بھر میں اسے پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ پھر یہی دھکی مسلمانوں کو دی گئی اور مسلمانوں نے اس کی کچھ پروا نہ کر کے نماز اور زکوٰۃ سے غفلت کی، اور خدا کی بخشی ہوئی طاقت کو نیکیاں پھیلانے اور بدیوں کو مٹانے میں استعمال کرنا چھوڑ دیا۔ اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ حکومت کے تخت سے اتار کر پھینک دیے گئے، دنیا بھر میں ظالموں کا تختہ مشق بن رہے ہیں، اور رشتے زمین میں ہر جگہ ضعیف اور مغلوب ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کو چھوڑنے کا انجام تو دیکھ چکے۔ اہل ان میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جو مسلمانوں کو بے حیائی فحش اور بدکاری میں مبتلا کرنا چاہتی ہے، اور ان سے کہہ رہی ہے کہ تمھارے افلاس کا علاج یہ ہے کہ بینک و انشورنس کمپنیاں قائم کرو۔ اور سود و خوری شروع کر دو۔ خدا کی قسم اگر انھوں نے یہ کیا تو وہی دولت اور خوری ان پر مسلط ہو کر رہے گی جس میں یہود و منبلا ہوئے ہیں اور یہ بھی خدا کی اس لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے جس نے بنی اسرائیل کو گھیر رکھا ہے۔

برادران اسلام! آئندہ خطبوں میں آپ کو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ کیا چیز ہے، کتنی بڑی طاقت اللہ نے اس چیز میں بھر دی ہے، اور آج جس رحمت خداوندی کو مسلمان ایک معمولی چیز سمجھ رہے ہیں، وہ حقیقت میں کتنی بڑی برکتیں رکھتی ہے۔ آج کے خطبہ میں میرا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کا اسلام میں درجہ کیا ہے۔ بہت سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ نماز نہ پڑھ کر اور زکوٰۃ نہ دے کر بھی وہ مسلمان رہتے ہیں۔ مگر قرآن اس کی صاف الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے، اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابن نہ ہو۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو کافر سمجھ کر ان کے خلاف تلوار اٹھائی تھی، جیسا کہ میں بھی آپ سے بیان کر چکا ہوں۔ صحابہ کرام کو ابتدا میں شبہ تھا کہ آیا وہ مسلمان جو خدا اور رسول کا اقرار کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں جن پر تلوار اٹھانے کا حکم ہے۔ مگر جب حضرت ابو بکرؓ جن کو اللہ نے مقام نبوت کے قریب درجہ عطا فرمایا تھا، اپنی بات پراڑ گئے اور انھوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس زکوٰۃ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیا کرتے تھے، اونٹ باندھنے

جی کو

دیں گے

کا بٹا

بکاو

میں ہیں

نون

میں سے

میں قتل

مددگار

میں

بیر لکھ

روایت

ے گا۔

بی زبانی

جگہ سے

میں دنیا

ہے کہ

میں لعنت

کی ایک دسی بھی رکھیں گے تو میں ان پر تلوار اٹھاؤں گا، تو بالآخر تمام صحابہ کے دلوں کو اللہ نے حق کے لیے کھول دیا اور سب نے یہ بات تسلیم کی کہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے پر جہاد کرنا چاہیے۔ قرآن مجید تو عات کہتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا ان مشرکین کا کام ہے جو آخرت کے منکر ہیں۔ وَبِئْسَ لِلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ۔ (احمد مجید)۔ "تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت سے منکر ہیں۔"

## زکوٰۃ کی حقیقت

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں کہ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے اور یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ جس طرح نماز سے انکار کرنے والے کو کافر ٹھہرایا گیا ہے، اسی طرح زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو بھی نہ صرف کافر ٹھہرایا گیا، بلکہ ان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق جہاد کیا ہے۔

اب میں آج کے خطبہ میں آپ کے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کروں گا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ یہ زکوٰۃ دراصل ہے کیا چیز اور اسلام میں اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔

آپ میں سے بعض لوگ تو ایسے سیدھے سادھے ہیں جو ہر کس و نا کس کو دوست بنا لیتے ہیں، اور کبھی دوست بناتے وقت آدمی کو پرکھتے نہیں کہ واقعہ میں وہ دوست بنانے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ ایسے لوگ دوستی میں اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعد میں ان کو بڑی یاوسیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن جو عقل مند لوگ ہیں وہ جن لوگوں سے ملتے ہیں ان کو خوب پرکھ کر ہر طریقہ سے جانچ پڑتال کر دیکھتے ہیں، پھر جو کوئی ان میں سے سچا غلط، دغا دار آدمی جتنا ہے صرف اسی کو دوست بناتے ہیں، اور بے کار آدمیوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر حکیم و دانہ ہے۔ اس سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ہر کس و نا کس کو اپنا دوست بنائے گا، اپنی پارٹی میں شامل کرے گا، اور اپنے دربار میں عزت و قربت کی جگہ دے گا۔ جب انسانوں کی دانائی اور عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بغیر جانچے اور پرکھے کسی کو دوست نہیں بناتے تو اللہ جو ماری دانائیوں و حکمتوں کا خزانہ ہے اس کے لیے تو ناممکن ہے کہ جانچے اور پرکھنے کے بغیر ہر ایک کو اپنی دوستی کا مرتبہ بخشے۔ یہ کروڑوں انسان جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں جن میں ہر قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں، اچھے اور بُرے، سبکے سبب اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اللہ کی اس پارٹی، اُس حزب اللہ میں شامل کر لیے جائیں جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی خلافت کا مرتبہ اور آخرت میں قرب کا



مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے کمال درجہ حکمت کے ساتھ چننا امتحان چننا آزمائشیں، چننا معیار جانچنے اور پرکھنے کے لیے مقرر کر دیے ہیں کہ انسانوں میں جس شخص کوئی ان پر پورا اترے وہ تو اللہ کی پارٹی میں آجائے اور جو ان پر پورا نہ اترے وہ خود بخود اس پارٹی سے الگ ہو کر رہ جائے اور وہ خود بھی جان لے کہ میں اس پارٹی میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہوں۔

یہ معیار کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم و دانہ ہے اس لیے سب سے پہلا امتحان وہ آدمی کی حکمت و دانائی کا ہی لیتا ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ اس میں سمجھ بوجھ بھی ہے یا نہیں؟ تراحم تو نہیں ہے؟ اس نے کہ جاہل اور بے وقوف کبھی دانہ اور حکیم کا دوست نہیں بن سکتا۔ جو شخص اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر پہچان لے کہ یہی میرا مالک اور خالق ہے، اور اس کے سوا کوئی معبود، کوئی پروردگار، کوئی دعائیں سننے اور مدد کرنے والا نہیں ہے، اور جو شخص اللہ کے کلام کو سن کر جان لے کہ یہ میرے مالک ہی کا کلام ہے، کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا، اور جو شخص سچے نبی اور جھوٹے نبیوں کی زندگی، ان کے اخلاق، ان کے معاملات، ان کی تعلیمات، ان کے کارناموں کے فرق کو ٹھیک ٹھیک سمجھے اور پہچان جائے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں میں فلاں ذات پاک حقیقت میں خدا کی طرف سے ہدایت بخشنے کے لیے آئی ہے اور فلاں دجال ہے، ادھو کا دینے والا ہے۔ ایسا شخص دانائی کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے اور اس کو انسانوں کی بھر بھاڑ سے الگ کر کے اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی کے منتخب امیدواروں میں شامل کر لیتا ہے، باقی لوگ جو پہلے ہی امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جہر چاہیں بھٹکتے پھریں۔

اس پہلے امتحان میں جو امیدوار کامیاب ہو جاتے ہیں، انہیں پھر دوسرے امتحان میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس دوسرے امتحان میں آدمی کی عقل کے ساتھ اس کی اخلاقی طاقت کو بھی پرکھا جاتا ہے، یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس آدمی میں سچائی اور نیکی کو جان کر اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی، اور جھوٹ اور بدی کو جان کر

اسے چھوڑ دینے کی طاقت بھی ہے یا نہیں؟ یہ اپنے نفس کی خواہشات کا، باپ دادا کی تقلید کا، خاندانی رسموں کا، دنیا کے عام خیالات اور طور طریقوں کا غلام تو نہیں ہے؟ اس میں یہ کمزوری تو نہیں ہے کہ ایک چیز کو خدا کی ہدایت کے خلاف پاتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ بڑی ہے، مگر اس کے چکر میں پڑا رہتا ہے اور دوسری چیز کو کوجانتا ہے کہ خدا کے نزدیک ہی حق اور پسندیدہ ہے مگر اسے اختیار کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ اس امتحان میں جو لوگ قیل ہو جاتے ہیں، انھیں بھی اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی میں لینے سے انکار کر دیتا ہے اور صرف اُن لوگوں کو چنتا ہے جن کی تعریف یہ ہے کہ **فَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّعَاظِمَاتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا**۔ یعنی خدا کی ہدایت کے خلاف جو راستہ اور جو طریقہ بھی ہو، اسے وہ جرات کے ساتھ چھوڑ دیں کسی چیز کی پروا نہ کریں، اور صرف اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے لیے تیار ہو جائیں خواہ اس میں کوئی ناراض ہو یا خوش۔

اس امتحان میں جو لوگ کامیاب نکلتے ہیں ان کو پھر تیسرے درجہ کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ اس درجہ میں اطاعت و فرمان برداری کا امتحان ہے۔ یہاں حکم دیا جاتا ہے کہ جب ہماری طرف سے ڈیوٹی کی پکار ملے تو اپنی نیند قربان کر واد حاکم ہو۔ اپنے کام کاج کا ہرج کر داوراؤ۔ اپنی دلچسپیوں کو، اپنے فائدوں کو، اپنے اور تفریح کو چھوڑ واد کر فرض بجالاؤ۔ گرمی ہو، جارا ہو، کچھ ہو، بہر حال جب فرض کے لیے پکارا جائے تو ہر مشقت کو قبول کر واد دوڑے ہوئے آؤ۔ پھر حجب ہم حکم دیں کہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہو، اور اپنے نفس کی خواہشات کو روکو تو اس حکم کی پوری پوری تعمیل نہیں کرنی چاہیے خواہ بھوک پیاس کی کیسی ہی تکلیف ہو اور چاہے لطیف کھانوں اور مزے دار شربتوں کے ڈھیر ہی ہتھارے سامنے کیوں نہ لگے ہوئے ہوں۔ جو لوگ اس امتحان میں کچے نکلتے ہیں ان سے بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ تم ہمارے کام کے نہیں ہو۔ انتخاب صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اس تیسرے امتحان میں بھی کچے ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ صرف انہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ خدا کی طرف سے جو قوانین ان کے لیے بنائے جائیں گے اور جو ہدایات ان کو دی جائیں گی، وہ غصہ اور علانیہ

بکھنے کے  
آئے

کے قابل

انی کا

اور بے

س اور

اور جو

رجو شخص

میں کے

میں خدا

ادمانی

اپنی

لمتے ہیں

ے امتحان

نہ اس کی

ریخی کو

سان کر

فائزے اور نقصان، راحت اور تکلیف، ہر حال میں ان کی پابندی کر لیں گے۔

اس کے بعد چوتھا امتحان مال کی قربانی کا لیا جاتا ہے۔ تیسرا امتحان کے کامیاب بلایا۔ وارثی اس قابل نہیں ہوئے کہ خدا کی ملازمت میں اتنا دے دیے جائیں۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ کہیں وہ چھوٹے دل کے بہت ہست کم حوصلہ، تنگ ظرف تو نہیں ہیں؟ ان لوگوں میں سے تو انہیں میں جو محبت اور دوستی کے دعوے تو بڑے لیے چھوڑے کرتے ہیں مگر اپنے محبوب اور دوست کی خاطر جب گھر سے کچھ خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ مگر زطلبی سخن درین ہست؟ ان کا حال اس شخص کا سا تو نہیں ہے جو زبان سے تو ماناجی ماناجی کہتا ہے اور ماتا جی کی خاطر دنیا بھر سے جھگڑا بھی لیتا ہے، مگر جب ہی ماناجی اس کے غلے کی ٹوکری یا اس کی بنری کے ڈھیر پر منہ مارتی ہیں تو لٹوٹے کر ان کے پیچھے دوڑتا ہے اور مار مار کر ان کی کھال اڑا دیتا ہے؟ ایسے خود غرض، زر پرست، سنگدل آدمی کو ہمسوی درجہ کا عقلمن انسان بھی دوست نہیں بناتا اور ایک بڑے دل والا انسان اس قسم کے ذلیل آدمی کو اپنے پاس بگہر دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ پھر بھلا وہ بزرگ و بزرگوار، جوانے خزانے ہر آن اپنی بے حد حسد و مخوفی پر بے حد حساب طریقہ سے لٹا رہا ہے، ایسے شخص کو کب اپنی دوستی کے قابل سمجھ سکتا ہے جو خدا کے دیے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی جی چرتا ہو؟ اور وہ خدا جس کی دانائی و حکمت سے بڑھ کر ہے، کس طرح اس انسان کو اپنی پارٹی میں شامل کر سکتا ہے جس کی دوستی و محبت فقط زبانی جمع خرچ تک ہو، اور جس پر کبھی بھروسہ نہ کیا جاسکتا ہو؟ پس جو لوگ اس چوتھے امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں ان کو بھی صاف جواب دے دیا جاتا ہے کہ جانا تمہارے لیے اللہ کی پارٹی میں جگہ نہیں ہے، تم بھی ناکارہ ہو، اور تم اس عظیم الشان خدمت کا بار نہ بھاننے کے قابل نہیں ہو۔ جو خلیفہ الہی کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس پارٹی میں صرف وہ لوگ شامل کیے جاسکتے ہیں جو اللہ کی محبت پر جان، مال، اولاد، خاندان، وطن، ہر چیز کی محبت کو قربان کر دیں۔

کُنْ تَنَالُوا الْيُسْرَىٰ حَتَّىٰ تَفْقُوا مِمَّا  
تَحْتَبُونَ (آل عمران - ۱۰)

تم ٹکی کے مقام کو نہیں پاسکتے جب تک کہ وہ چیزیں خدا کی راہ میں قربان نہ کر دو جن سے تم کو محبت ہے۔



اس پارٹی میں تنگ دل لوگوں کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اس میں تو صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جن کے دل بڑے ہیں۔

وَمَنْ يُّؤْتِ شَيْئًا فَنَفْسِهِ فَآوَلَيْكَ هُمْ  
جو لوگ دل کی تنگی سے بچ گئے وہی علاج پانے والے ہیں۔  
(التغابن - ۲)

یہاں تو ایسے فراخ حوصلہ لوگوں کی ضرورت ہے کہ اگر کسی شخص نے ان کے ساتھ دشمنی بھی کی ہو، ان کو نقصان اور رنج بھی پہنچایا ہو، ان کے دل کے ٹکڑے بھی اڑا دیے ہوں، تب بھی وہ خدا کی خاطر اس کے سپیٹ کو روٹی اور اس کے تن کو کپڑا دینے سے انکار نہ کریں، اور اس کی مصیبت کے وقت میں اس کی مدد سے دریغ نہ کریں۔

وَلَا يَأْتِلِ أُولَٰئِكَ الْفَضْلَ مِنْكُمْ وَالسَّعْيَ  
ان یؤتوا ولی الغربی والمسیکین والمهاجرین  
فی سبیل اللہ ویعفوا ویصفووا  
تجبون ان یعفم اللہ عنکم واللہ عفوہ  
سرحیمہ (النور - ۳)

تم میں سے جو بڑے اور صاحبِ قدرت لوگ ہیں وہ اپنے عزیزوں اور مساکین اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کے کسی قصور پر گور نہ کریں، ان کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچ لیں، بلکہ چاہیے کہ ان کو معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخیرے حالانکہ اللہ عفو کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یہاں ان عالی ظرف لوگوں کی ضرورت ہے جو:-

يُكْفِعُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حَيْثُمْ وَسَيِّئًا  
وَيَتِيمًا وَكَسِيرًا أَنَا نَظْمُكُمْ يُوَجِّرُ اللَّهُ لَا  
تَرْيِدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (الدھر - ۱)

محض خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قریبی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف خدا کے لیے تمہیں کھلا رہے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر یہ نہیں چاہتے۔

یہاں ان پاک دل والوں کی ضرورت ہے جو خدا کی دی ہوئی دوست میں سے خدا کی راہ میں بہتر

صلہ یا ایسا مس موقع پر نازل ہوئی تھی جب حضرت ابو بکرؓ کے ایک عزیز نے آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ پر الزام لگاتے ہیں حصہ لیا تھا، اور حضرت ابو بکرؓ نے اس ناروا حرکت سے ناراض ہو کر اس کی مالی مدد نہ کر دی تھی۔

ن قابل

یت بہت

سے لیے

ہت میں کہ

ہے اور اتا

سے ڈھیر پر

ض زر پر

کے ذیل

سب حد و

کے دیے ہو

ہ اس طرح

س پر بھی ہر

یا جاتا ہے کہ

نے کے قابل

ت پر جان

نہ چیزیں خدا کی

بہتر مال چھانٹ کر دیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِنْ  
طِبْتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْ  
الْأَرْضِ وَلَا تَتَمَنَّوْا الْخَيْثَ مِنْهُ  
تَنْفِقُونَ (البقرہ - ۲۷۳)

یہاں اُن بڑی بہت والوں کی ضرورت ہے جو تنگ دستی اور غربت و افلاس کی حالت میں بھی اپنا  
پیٹ کاٹ کر خدا کے دین کی خدمت اور خدا کے بندوں کی مدد میں روپیہ صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔  
وَسَاءَ عَوَالِي مَغْفِرَةٍ مِّن سَيِّئِكُمْ  
وَجَعَلْنَا عَمَلَهَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
أَعَدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ  
فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ (آل عمران - ۱۲۰)

یہاں اُن ایمان داروں کی ضرورت ہے جو پیسے دل سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا  
کی راہ میں خرچ کیا جائے گا وہ ضائع نہ ہو گا بلکہ خدا دنیا اور آخرت میں اُس کا بہترین بدل عطا فرمائے گا۔ اُن  
وہ محض خدا کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس بات کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ لوگوں کو ان کی دینا فاضی و  
سقاوت کا حال معلوم ہوا یا نہیں اور کسی نے ان کی بخشش کا ٹکرا دیا یا نہیں۔

وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِكُمْ  
وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَ  
مَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّؤْتِ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ  
لَا تَظْلَمُونَ (بقرہ - ۲۷۴)

تم جو کچھ بھی راہ حق میں خرچ کر دو گے وہ تمہارے ہی لیے بھلائی ہے  
جب کہ تم اپنے اس خرچ میں خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی نہیں چاہتے۔  
اس طرح جو کچھ بھی تم کا خیر میں صرف کر دو گے اس کا پورا پورا فائدہ تم کو  
ملے گا اور تمہارے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔

یہاں ان بہادروں کی ضرورت ہے جو دولت مادی اور خوش حالی میں بھی خدا کو نہیں بھولتے جن کے محلوں میں ٹھیکہ اور ناز و نعمت میں رہ کر بھی خدا یاد رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ  
وَلَا أَزْوَاجُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ  
ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (الْمُنْفِقُونَ)

اے ایمان والو! مال اور اولاد کی محبت تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کرے۔ جو ایسا کرے گا وہ خود ہی ٹوٹے میں رہنے والا ہے۔

یہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہونے والوں کی لازمی صفات ہیں۔ ان کے غیر کوئی شخص خدا کے دوستوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ انسان کے خلاق ہی کا نہیں بلکہ اس کے ایمان کا بھی بہت کڑا امتحان ہے۔ جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتا ہے، اس خرچ کو اپنے اوپر چڑی اور جمانہ بھتا ہے، جیلوں اور یہانوں سے بچاؤ کی صورتیں نکالتا ہے اور اگر خرچ کرنا ہے تو اپنی دلی تکلیف کا بخار لوگوں پر احسان رکھ کر نکالنے کی کوشش کرتا ہے، یا یہ چاہتا ہے کہ اس کی سخاوت کا دنیا میں اشتہار دیا جائے، وہ دراصل خدا اور آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ گیا وہ ضائع ہو گیا۔ اس کو اپنا عیش، اپنا آرام، اپنی لذتیں، اپنے فائدے اور اپنی ناموری خدا سے اور اس کی خوشنودی سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اگر روپیہ صرف کیا جائے تو اسی دنیا میں ناموری اور شہرت ہونی چاہیے تاکہ اس روپے کی قیمت یہیں وصول ہو جائے۔ ورنہ اگر روپیہ بھی گیا اور کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہو کہ فلاں صاحب نے فلاں کار خیر میں اتنا مال صرف کیا ہے تو گویا سب مٹی میں بن گیا۔ قرآن مجید میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ اس قسم کا آدمی خدا کے کسی کام کا نہیں، وہ اگر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو منافق ہے۔ چنانچہ آیات ذیل ملاحظہ ہوں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا  
صَدَقَاتِكُمْ يَا مَعْزُومِينَ وَلَا ذِي كَالَتَيْنِ  
يُفْقِرُ مَالُهُ سَرْعَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْتِي

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو شخص لوگوں کو دکھانے اور نام چاہنے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

عذر خدا

بی پناہ ہے

مجھے خدا کا راز باطنی

بھلائی ہو بہت چاہتے فائدہ تم کو



بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (البقرہ - ۳۶)

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ  
وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّقُونَ اللَّهَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبہ - ۵)

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
وَأَنْتُمْ عَلَيْهِمْ بِالْمُتَّقِينَ - إِنْ شَاءَ  
يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَاسْتَأْذِنُوا قُلُوبُهُمْ  
فِي سَبِيلِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ (التوبہ - ۷)

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ  
إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَاوِي  
وَلَا يُؤْتُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرَاهُونَ (التوبہ - ۸)

الْمُتَّقُونَ وَالْمُتَّقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ  
بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ  
وَأَقْبَلُ صُورَتُهُمْ سَمَوَاتُ اللَّهِ قَبَسُ بَعْضِهِمْ  
إِنَّ الْمُتَّقِينَ هُمْ الْأَقْبَلُونَ (التوبہ - ۹)

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّبِعُ مَا يَفْقَهُ

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے خدا کی  
راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں سخت سزا کی بشارت دیدی  
لے گی جو لوگ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی نہ  
چاہیں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے سے  
محروم رکھا جائے ان اپنے متقی بزرگوں کو خوب جانتا ہے۔ محروم  
صرف وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے  
جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متروک  
ہو رہے ہیں۔

راہ خدا میں ان کے خرچ کیے ہوئے مال صرف اس لیے  
قبول نہیں کیے جاسکے کہ وہ دراصل اللہ اور رسول پر ایمان  
نہیں رکھتے نماز کو آتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر اور مال خرچ  
کرتے ہیں تو ناک بھوں چڑھا کر۔

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک تختی کے چٹے ہیں۔ وہ  
برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں  
مال خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں۔ وہ خدا کو بھول گئے اور  
خدا نے ان کو بھلا دیا۔ یقیناً ہی منافقین فاسق ہیں۔

ان اعراب یعنی منافقین میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو راہ خدا

مَقْرَمًا مِّنَ التَّوْبَةِ - (۱۲)

میں خرچ کرتے بھی میں تو زبردستی کی چٹی سمجھ کر۔

هَآءِ اَنْتُمْ هَؤُلَاءِ اَنْتُمْ عَوْنٌ لِلسَّافِقِ

سن رکھو کہ تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو راہ خدا میں خرچ کرنے کے

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَخْلُ وَفَمِنْ

یہ کہا جاتا ہے تو ہم میں سے بہت سے لوگ بخل کرتے ہیں اور

يَخْلُ فَاِنْ شَاءَ يَخْلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللّٰهُ

جو کوئی اس کام میں بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی لیے بخل کرتا ہے۔

اَلْغَنِيْ وَاَنْتُمْ اَلْفُقَرَاءُ وَاَنْ تَتَوَكَّلُوْا

اللہ تو غنی ہے تم اس کے محتاج ہو اگر تم نے خدا کے کام میں

يَسْتَبْدِلُوْا قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا

خرچ کرنے سے منہ موڑا تو وہ تمھاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا

اَمَّا لَكُمْ - (محمد - ۱۲)

اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

برادران اسلام! یہ ہے اس زکوٰۃ کی حقیقت جو آپ کے دین کا ایک کن ہے۔ اس کو دنیا کی حکومتوں کے

ٹیکسوں کی طرح محض ایک ٹیکس نہ سمجھیے بلکہ دراصل یہ اسلام کی روح اور اس کی جان ہے۔ حقیقت میں ایمان کا

امتحان ہر جس طرح درجہ بدرجہ امتحانات دیکر آدمی ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ آخری امتحان دے کر گریجویٹ بنتا

ہے، اسی طرح خدا کے ہاں بھی کئی امتحان ہیں جن سے آدمی کو گزرنا پڑتا ہے، اور جب وہ چوتھا امتحان یعنی مال کی قربانی

کا امتحان کامیابی کے ساتھ دے دیتا ہے تب وہ پورا مسلمان بنتا ہے۔ اگرچہ یہ آخری امتحان نہیں ہے،

اس کے بعد سب سے زیادہ سخت امتحان جان کی قربانی کا آتا ہے، جسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ لیکن

اسلام کے دائرے میں، یا بالفاظ دیگر اللہ کی پارٹی میں آنے کے لیے داخلہ کے جو امتحانات متور کیے

گئے ہیں ان میں یہ آخری امتحان ہے۔ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ خرچ کرنے اور روپیہ بہانے کے عذر

تو مسلمانوں کو بہت سناے جا چکے۔ اب اس غربت و افلاس کی حالت میں تو ان کو کمانے اور خرچ

کرنے کے عذر سنانے چاہئیں۔ مگر انھیں معلوم نہیں کہ یہ چیز جس پر وہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں، اور

اصل یہی اسلام کی روح ہے، اور مسلمانوں کو جس چیز نے پستی و ذلت کے گڑھے میں گرایا ہے وہ دراصل

اسی روح کی کمی ہے۔ مسلمان اس لیے نہیں گرے کہ اس روح نے ان کو گرا دیا، بلکہ اس لیے گرے ہیں کہ

یہ روح اُن سے نکل گئی ہے۔

آئندہ خطبات میں میں آپکے بتاؤں گا کہ زکوٰۃ اور صدقات حقیقت میں ہماری جماعتی زندگی کی جان ہیں اور ان میں ہمارے لیے آخرت ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی بھی ساری نعمتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

---



## اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام

برادران اسلام! اس سے پہلے دو خطبوں میں آپ کے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کر چکا ہوں۔ اب میں آپ کے سامنے اس کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتا ہوں۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ اور صدقات کے بے جگہ انفاق فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی ”خدا کی راہ میں خرچ کرنا“ بعض بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم راہ خدا میں صرف کرتے ہو یہ اللہ کے ذمہ قرضہ حسنہ ہے۔ گویا تم اللہ کو قرض دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارا قرضدار ہو جاتا ہے۔ بہت مرت مقامات پر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم دو گے اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے اور وہ صرف اتنا ہی تم کو واپس نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ دے گا۔ اس مضمون پر غور کیجیے۔ کیا زمین و آسمان کا مالک، نعمتِ اللہ آپ کا محتاج ہے؟ کیا اس ذاتِ پاک کو آپ کے قرض لینے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ پادشاہوں کا پادشاہ، وہ بے حد و حساب خزانوں کا مالک اپنے لیے آپ کے کچھ مانگتا ہے؟ معاذ اللہ! معاذ اللہ! اس کی بخشش پر تو آپ پل رہے ہیں۔ اسی کا دیا ہوا رزق تو آپ کھاتے ہیں۔ آپ میں سے ہر میر و غریب کے پاس جو کچھ ہے سب ہی کا تو عطیہ ہے۔ آپ کے ایک ایک فقیر نے لے کر ایک کر دیتی اور اب پتی تک ہر شخص اس کے کرم کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کو کیا ضرورت کہ آپ کے قرض مانگے اور اپنی ذات کے لیے آپ کے آگے ہاتھ پھیلائے؟ دراصل یہ بھی اس کی شانِ کریمی ہے کہ وہ آپ کے خود آپ ہی کے فائدے کے لیے آپ ہی کی بھلائی کے لیے، آپ ہی کے کام میں خرچ کرنے کو فرمانا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ خرچ میری راہ میں ہے، مجھ پر قرض ہے، میرے ذمہ اس کا بدلہ ہے اور میں تمہارا احسان مانتا ہوں۔ تم اپنی قوم کے محتاجوں اور مسکینوں کو دو۔ اس کا بدلہ وہ غریب کہاں سے دیں گے، ان کی طرف سے میں دوں گا۔ تم اپنے غریب سے دو۔

کی مدد کرو۔ اس کا احسان اُن پر نہیں مجھ پر ہے، میں تمھارے اس احسان کو تاروں گا۔ تم اپنے قبیضوں، اپنی بیویوں، اپنے معذوروں، اپنے مافروں، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو جو کچھ دواست میرے حساب میں لکھ لو۔ تمھارا مطالبہ اُن کے ذمہ نہیں، میرے ذمہ ہے۔ اور میں اس کو ادا کروں گا۔ تم اپنے پریشان حال بھائیوں کو قرض دواوران سو سو نہ مانگو، ان کو تنگ نہ کرو، اگر وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوں تو ان کو سول جیل نہ بھجواؤ، ان کے کپڑے اور گھر کے برتن فروخت نہ کرو، ان کے بال بچوں کو گھر سے بے گھر نہ کرو۔ تمھارا فرض اُن کے ذمہ نہیں میرے ذمہ ہے۔ اگر وہ اہل ادا کر دیں گے تو میں اہل اور سود دونوں تمھیں دوں گا۔ اسی طرح اپنی جماعتی فلاح کے کاموں میں، اپنے ابنائے نوع کی بھلائی اور بہتری کے لیے جو کچھ تم خرچ کرو گے، اس کا فائدہ اگرچہ تمھیں کو بیٹے گا، مگر اس کا احسان مجھ پر ہو گا۔ میں اس کی پائی پائی منافع سمیت تمھیں واپس دوں گا۔

یہ ہے اس کریموں کے کریم، اُس پادشاہوں کے پادشاہ کی شان۔ تمھارے پاس جو کچھ ہے اسی کا بخشا ہوا ہے۔ تم کہیں اور سے نہیں لاتے، اُسی کے خزانوں سے لیتے ہو، اور پھر جو کچھ دیتے ہو، اس کو نہیں دیتے اپنے ہی رشتہ داروں، اپنے ہی بھائی بندوں، اپنی ہی قوم کے لوگوں کو دیتے ہو، یا اپنی اجتماعی فلاح پر صرف کرتے ہو جس کا فائدہ آخر کار تم ہی کو پہنچتا ہے۔ مگر اس فیاضِ حق تعالیٰ کو دیکھو کہ جو کچھ تم اس سے لے کر اپنوں کو دیتے ہو، اُسے وہ فرماتا ہے کہ تم نے مجھے دیا، میری راہ میں دیا، مجھے قرض دیا، میں اس کا، جرتھیں دوں گا۔ اللہ اکبر! خداوندِ عالم ہی کو یہ شانِ کریمی زیب دیتی ہے۔ اُسی بے نیاز بادشاہ کا یہ مقام ہے کہ فیاضی اور جودِ کرم کے اس بلند ترین کمال کا اظہار کرے۔ کوئی انسان اس بلند عیالی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اچھا اب اس بات پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور فیاضی پر ابھارنے کا یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس سوال پر جتنا زیادہ آپ غور کریں گے اسی قدر زیادہ آپ پر اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی کا حال کھلے گا، اور آپ کا دل گواہی دیتا چلا جائے گا کہ یہی بے نظیر تعلیمِ ہدائے سوا کسی اور کی طرف سے ہو نہیں سکتی۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے ظلم و جہول واقع ہوا ہے۔ اس کی نظر تنگ ہے۔

یہ زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا دل چھوٹا ہے۔ زیادہ بڑے اور اونچے خیالات اس میں کم ہی سما سکتے ہیں۔ یہ خود غرض واقع ہوا ہے اور اپنی غرض کا بھی کوئی وسیع تصور اس کے دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلد باز بھی ہے، **حَلَقُ الْاَشْءِ مِنْ تَحْتِ**۔ یہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلدی دیکھنا چاہتا ہے اور اسی نتیجہ کو نتیجہ اور اسی فائدے کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اس کے سامنے آجائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ دور رس نتائج تکلیف اس کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ اور بڑے پیمانے پر جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، اور جن فائدوں کا سلسلہ بہت دور تک چلتا ہے اُن کا ادراک اسے تکلیف ہوتا ہے، بلکہ بے اوقات ہوتا ہی نہیں۔ یہ انسان کی تطری کمزوری ہے۔ اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ہر چیز میں اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے اور فائدہ بھی وہ جو بہت چھوٹے پیمانے پر ہو، جلدی سے حاصل ہو جائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے، یا جو کچھ مجھے اپنے باپ دادا سے ملا ہے، یہ میرا ہے۔ اس میں کسی کا حصہ نہیں۔ اس کو میری ضروریات پر، میری خواہشات پر، میری آسائش اور میری لذت نفس ہی پر خرچ ہونا چاہیے۔ یا ایسے کام میں خرچ ہونا چاہیے جس کا نفع جلدی سے محسوس صورت میں میرے پاس پلٹ آئے۔ میں روپیہ صرف کروں تو اس کے بدلے میں یا تو میرے پاس اس سے زیادہ روپیہ آنا چاہیے، یا میری آسائش میں کچھ مزید اضافہ ہونا چاہیے، یا کم از کم یہی ہو کہ میرا نام بڑھے، میری شہرت ہو، میری عزت بڑھے، مجھے خطاب ملے، اونچی کرسی ملے، لوگ میرے سامنے جھکیں اور زبانون پر میرا چہرہ اگراں باتوں میں سے کچھ بھی مجھے حاصل نہیں ہوتا تو آخر میں کیوں اپنا مال اپنے ہاتھ سے دوں؟ قریب میں کوئی یتیم بھوکا مر رہا ہے یا آوارہ پھر رہا ہے تو میں کیوں اس کی خبر گیری کروں؟ اس کا حق اس کے باپ پر تھا۔ اُسے اپنی اولاد کے لیے کچھ چھوڑ کر جانا چاہیے تھا یا انشورنس کرنا چاہیے تھا کوئی بیوہ اگر میرے محلہ میں مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے تو مجھے کیا؟ اس کے شوہر کو اس کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ کوئی مسافر اگر بھگتا پھر رہا ہے تو مجھ سے کیا تعلق؟ وہ بے وقوف اپنا انتظام کیے بغیر گھر سے کیوں نکل کھڑا ہوا؟ کوئی شخص اگر پریشان حال ہے تو ہوا کرے۔ اسے بھی امداد نے میری ہی طرح ہاتھ پاؤں دیے

اپنی بیویوں  
تھار مطالبہ  
داران سر  
اور گھر کے  
مہر ہے۔ اگر  
میں اپنے  
راس کا حمان

ہے اکی گشتا  
نہیں دیتے  
لاح پر صرف  
کرا بنوں کو  
س دوں گا  
ضی اور جو دو

ریقہ کیوں  
یزگی کا حال  
ہو نہیں سکتی  
کی نظر تگ سے



ہیں۔ اپنی ضرورتیں اسے خود پوری کرنی چاہئیں۔ میں اس کی کیوں مدد کروں؟ میں اسے دوں گا تو خرچہ دینگا اور اصل کے ساتھ سود بھی وصول کروں گا، کیونکہ میرا پیسہ کچھ بے کار تو ہے نہیں۔ میں اس سے مکان بنواتا، یا ٹیڑھا خریدتا، یا کسی تفع کے کام پر لگاتا۔ یہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی اٹھائے گا پھر کیوں نہ میں اس فائدے سے اپنا حصہ وصول کروں؟

اس خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والا آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا۔ یا خرچ کرے گا تو اپنے ذاتی فائدے کے لیے کرے گا۔ جہاں اس کو اپنا فائدہ نظر نہ آئے گا وہاں ایک پیسہ بھی اس کی جیب سے نہ بچے گا۔ اگر کسی غریب کی اس نے مدد کی بھی تو دراصل اس کی مدد نہ کرے گا بلکہ اسے لوٹے گا، اور جو کچھ اسے دے گا اس سے زیادہ وصول کر لے گا۔ اگر کسی سکین کو کچھ دے گا تو اس پر ہزاروں حسان رکھ کر اس کی آدمی جان نکال دے گا اور اس کی اتنی تذلیل و تحقیر کرے گا کہ اس میں کوئی خود داری باقی نہ رہ سکے گی۔ اگر کسی قومی کام میں حصہ لے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھ لے گا کہ اس میں میرا ذاتی فائدہ کس قدر ہے۔ جن کاموں میں اس کی اپنی ذات کا کوئی فائدہ نہ ہو وہ سب اس کی مدد سے محروم رہ جائیں گے۔

اس ذہنیت کے نتائج کیا ہیں؟ اس کے نتائج صرف اجتماعی زندگی ہی کے لیے ہلکے نہیں ہیں بلکہ آخر کار خود اس شخص کے لیے بھی نقصان دہ ہیں جو تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے اس کو اپنے لیے فائدہ مند سمجھتا ہے۔ جب لوگوں میں یہ ذہنیت کام کر رہی ہو تو تھوڑے اشخاص کے پاس دولت سمٹ کر اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے اور بے شمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دولت مند لوگ روپے کے زور سے روپیہ کھینچتے رہتے ہیں۔ اور غریب لوگوں کی زندگی روز بروز تنگ ہوتی چلی جاتی ہے۔ افلاس جس سوسائٹی میں عام ہو وہ طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس کی جمانی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس میں بیماریاں پھیلی ہیں۔ اس میں کام کرنے اور دوست پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں جہالت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے اخلاق گرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جرائم

کا اثر کمایا کرنے لگتی ہے اور آخر کار یہاں تک ذہنی پستی پہنچتی ہے کہ وہ لوٹ مار پر آمرا کرتی ہے۔ عام بے مروتی ہیں۔ دو مہندہ لوگ قتل کیے جاتے ہیں، ان کے گھر بار لوٹے اور جلائے جاتے ہیں، اور وہ اس طرح تباہ و برباد ہوتے ہیں کہ ان کا نام و نشان تک دنیا میں باقی نہیں رہتا۔

اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً ہر شخص کی بھلائی اس جماعت کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے جس کے دائرے میں وہ رہتا ہے۔ آپ کے پاس جو دولت ہے اگر آپ اس سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کریں تو یہ دولت پھر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ پھر آپ کے پاس پلٹ کر آئے گی۔ اور اگر آپ تنگ نظری کے ساتھ اس کو اپنے پاس جمع رکھیں گے، یا صرف اپنے ہی ذاتی فائدے پر خرچ کریں گے تو یہ بالآخر گھٹتی چلی جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر اپنے ایک یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے تعلیم دے کر اس قابل بنادیا کہ وہ آپ کی جماعت کا ایک کمانے والا فرد بن جائے تو گویا آپ نے جماعت کی دولت میں اضافہ کیا اور ظاہر ہے کہ جب جماعت کی دولت بڑھے گی تو آپ جو جماعت کے ایک فرد ہیں، آپ کو بھی اس دولت میں سے بہرہ حال حصہ ملے گا، خواہ آپ کو کسی حساب سے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ حصہ آپ کو اس قیام کی قابلیت سے پہنچا ہے جس کی آپ نے مدد کی تھی۔ لیکن اگر اپنے خود غرضی اور تنگ نظری سے کام لے کر یہ کہا کہ میں اس کی مدد کیوں کروں، اس کے باپ کو اس کے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑنا چاہیے تھا، تو وہ آوارہ پھرے گا، ایک بے کار آدمی بن کر رہ جائے گا، اس میں یہ قابلیت پیدا ہی نہ ہو سکے گی کہ اپنی محنت سے جماعت کی دولت میں کوئی اضافہ کر سکے۔ بلکہ کچھ عجب نہیں کہ وہ جرائم پیشہ بن جائے اور ایک روز خود آپ کے گھر میں نقب لگائے۔ اس کے منہ پر ہوسے کہ آپ نے اپنی جماعت کے ایک شخص کو بے کار اور آوارہ اور جرائم پیشہ بنا کر اس کا ہی نہیں، خود اپنا بھی نقصان کیا۔ اس ایک مثال پر قیاس کر کے آپ ذرا وسیع نظر سے دیکھیں تو آپ کو دکھائی دے گا کہ جو شخص بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کے لیے رویہ صرف کرتا ہے، اس کا رویہ ظاہر میں تو اس کی جیب سے نکل جاتا ہے، مگر باہر وہ بڑھتا اور چھتا پھوٹتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر میں وہ

تو غرضی ہو گیا

بنو انا یا ہوا

سے سے اپنا

خرچ کر گئے

اس کی جیب

ٹلے گا اور

اردوستان

ی باقی نہ رہے

رہ کس قدر

گئے۔

نہیں ہیں

پنے لیے

دست مٹ

مد لوگ پڑے

ہے۔ افلاس

ہوتی ہے۔

ہے۔ اس میں

کے لیے جرم

بے شمار فائدوں کے ساتھ اسی جیب میں واپس آتا ہے جس سے وہ کبھی نکلا تھا۔ اور جو شخص خود غرضی اور تنگ نظری کے ساتھ روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے اور جماعت کی بھلائی پر غریح نہیں کرتا، وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے، یا سو دکھا کر است اور بڑھاتا ہے، مگر حقیقت میں وہ اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے۔ یہی راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے :-

يَحْقُقُ اللَّهُ الْبَرَّ وَ يُؤْخِرُ الْبِرَّ إِلَى الْيَوْمِ الْقَائِلِ  
وَمَا أَتَيْتُم مِّن رَّأٍ بِأَلْبَرٍ يُؤْتِيكُمُوهَا  
النَّاسُ فَلَا يُزِيدُوهَا عِندَ اللَّهِ وَ مَا أَتَيْتُم مِّن  
سَرِّ كُفْرٍ تَرْسِيْوْنَهُ وَ وَجَّهَ اللَّهُ قَوْلَ الْكَافِرِ  
هُمُ الْمَضْمُونُونَ

اور سود کا ٹھکانا ہے اللہ اور عداوت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔  
تم جو سود دیتے ہو یہ ٹھیکہ کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائے گا تو در  
اصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی۔ البتہ جو کچھ تم  
مخفی خدا کی رضا جوئی کے لیے دیتے ہو، وہ دو گنی چو گنی ہو جاتی  
باقی ہے۔

لیکن اس راز کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں انسان کی تنگ نظری اور اس کی جہالت مانع ہے۔ یہ محسوسات کا بندہ ہے۔ جو روپیہ اس کی جیب میں ہے اس کو تو یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس کی جیب میں ہے۔ جو روپیہ اس کے ہاتھ کی رو سے بڑھ رہا ہے اس کو بھی یہ جانتا ہے کہ واقعی بڑھ رہا ہے۔ مگر جو روپیہ اس کے پاس سے چلا جاتا ہے اس کو یہ نہیں دیکھ سکتا کہ وہ کہاں بڑھ رہا ہے، کس طرح بڑھ رہا ہے، کتنا بڑھ رہا ہے اور کس پاس کے پاس فائدوں اور منافع کے ساتھ واپس آتا ہے۔ یہ تو بس یہی سمجھ سکتا ہے کہ اس قدر روپیہ میرے پاس سے گیا اور ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔

اس جہالت کے بند کو آج تک انسان اپنی عقل یا اپنی کوشش سے نہیں کھول سکا۔ تمام دنیا میں یہی حال ہے۔ ایک طرف سرمایہ داروں کی دنیا ہے جہاں سارے کام سود خوری پر چل رہے ہیں اور دولت کی کثرت کے باوجود روز بروز مصیبتوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے جس کے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور جو



سرمایہ داروں کے خزانوں پر ڈاکہ مارنے کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن کی ساری بساط اٹ دینا چاہتا ہے۔

اس پیچیدگی کو اُس حکیم و دانشور نے حل کیا ہے جس کی کتاب پاک کا نام قرآن ہے۔ اس نقل کی کنجی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ اگر آدمی خدا پر ایمان لے آئے اور یہ جان لے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کا اصل مالک خدا ہے، اور انسانی معاملات کا انتظام اصل میں خدا ہی کے ہاتھ میں ہے، اور خدا کے پاس ایک نیک ذرے کا حساب ہے، اور انسان کی ساری بھلائیوں اور برائیوں کی آخری جزا و سزا ٹھیک ٹھیک حساب کے مطابق آخرت میں ملے گی، تو اس کے لیے یہ بالکل آسان ہو جائے گا کہ اپنی نظر پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پر بھروسہ کرے اور اپنی دولت کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ کرے، اور اس کے نفع و نقصان کو خدا پر چھوڑ دے۔ اس ایمان کے ساتھ وہ جو کچھ خرچ کرے گا وہ دراصل خدا کو دے گا۔ اس کا حساب کتاب بھی خدا کے ہی کھاتے میں لکھا جائے گا۔ خواہ دنیا میں کسی کو اس کے احسان کا علم ہو یا نہ ہو، مگر خدا کے علم میں ضرور آئے گا اور خواہ اس کا احسان کوئی مانے یا نہ مانے خدا اس کے احسان کو مانے اور جائے گا، اور خدا کا جب یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ اس کا بدلہ دے گا تو یقین ہے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور دے گا خواہ آخرت میں دے یا دنیا اور آخرت دونوں میں دے۔

میدار لکھنؤ سید ابوالحسن علی ہمدانی (مدرسہ)

## انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ پہلے تو نیکی اور بھلائی کے کاموں کا ایک نام مکرم دیا جاتا ہے تاکہ لوگ اپنی زندگی میں عموماً بھلائی کا طریقہ اختیار کریں، پھر اسی بھلائی کی ایک خاص صورت بھی تجویز کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی خاص طور پر پابندی کی جائے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ اللہ کی یا ایک بھلائی ہے، سب سے بڑی بھلائی اور تمام بھلائیوں کا سرچشمہ۔ اس کے لیے عام حکم ہے کہ اللہ کو ہمیشہ ہر حال میں ہر وقت یاد رکھو اور کبھی اس سے غافل نہ ہو۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ

جُنُوبِكُمْ

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ  
 إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ  
 وَافْتِرَاقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَايَةً لِّذِي  
 الْأَبْصَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا  
 وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي  
 خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ سِرًّا مَا  
 خَلَقَتْ هَذَا بَابِطَلًا

وَلَا تُطْعَمُ مَنْ أَغْلَنَّا قَلْبَهُ عَنْ  
 ذِكْرِنَا وَاتَّبِعْهُ هَوَاهُ وَكَانَ آخِرُ الْأَمْرِ طَلًا

اور اس شخص کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنا یاہ سے  
 غافل پایا اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلیں وہ اس کے بعد

کام حدت گورے ہوئے ہیں۔

یہ اور بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں خدا کی یاد جاری رکھو۔ کیونکہ خدا کی یاد ہی وہ چیز ہے جو آدمی کے معاملات کو درست کرتی ہے اور اس کو سیدھے راستے پر قائم رکھتی ہے۔ جہاں آدمی اس کی یاد سے غافل ہوا اور بس نفسانی خواہشوں اور شیطانی وسوسوں نے اس پر قابو پایا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ راہِ راست سے ہٹ کر اپنی زندگی کے معاملات میں حدت گورے گئے گا۔

دیکھیے! یہ تو تھا عام حکم۔ ایسا ہی یاد الہی کی ایک خاص صورت تجویز کی گئی نماز۔ اور نماز میں بھی پانچ وقت میں چند رکعتیں فرض کر دی گئیں جن میں بیک وقت پانچ پھر منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے۔ اس طرح چند منٹ اس وقت اور چند منٹ اس وقت یاد الہی کو فرض کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس آپ اتنی ہی دیر کے لیے خدا کو یاد کریں اور باقی وقت اس کو بھول جائیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم اتنی دیر کے لیے تو تم کو بالکل خدا کی یاد میں لگ جانا چاہیے، اس کے بعد اپنے کام بھی کرتے رہو اور خدا کو بھی یاد کرو۔ بس ایسا ہی معاملہ زکوٰۃ کا بھی ہے۔ یہاں بھی ایک حکم غامض ہے اور ایک خاص۔ ایک طرف تو یہ ہے کہ بخل اور تنگ دلی سے بچو کہ یہ برائیوں کی جڑ اور بدیوں کی ماں ہے۔ اپنے اخلاق میں اللہ کا رنگ اختیار کرو جو ہر وقت بے حد و حساب مخلوق پر اپنے فیض کے دریا بہا رہا ہے حالانکہ کسی کا اس پر کوئی حق اور جوئی نہیں ہے۔ لہذا خدا میں جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ اپنی ضرورتوں سے جتنا بچا سکتے ہو پچاؤ اور اس سے خدا کے دوسرے ضرورت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ دین کی خدمت میں اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے میں جان اور مال سے کبھی دریغ نہ کرو۔ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر دو۔ یہ تو ہے عام حکم۔ اور اس کے ساتھ ہی خاص حکم یہ ہے کہ اس قدر مال اگر تمھارے پاس جمع ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا خدا کی راہ میں ضرور صرف کرو اور اتنی پیدوار تمھاری زمین میں ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا حصہ تو ضرور خدا کی نذر کر دو جس طرح چند رکعت نماز فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہ رکعتیں پڑھتے وقت خدا کو یاد کرو اور باقی

کاموں

بے خاص

کھینچے کرانہ

کو ہمیشہ

ہو۔

درون کے

کی بہت سی

ٹیٹھے دینے

پر غور کر کے

اور غریبوں

یاد۔

بس کے



سارے وقتوں میں اس کو بھول جاؤ، اسی طرح مال کی ایک چھوٹی سی مقدار راہ خدا میں صرف کرنا جو فرض کیا گیا ہے، اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کے پاس اتنا مال ہو جس انہی کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہیے، اور جو اس سے کم مال رکھتے ہوں انہیں اپنی ٹھیکان بھینچ لینی چاہئیں۔ اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مال دار لوگوں پر عینی زکوٰۃ فرض کی گئی ہے بس وہ اتنا ہی خدا کی راہ میں صرف کریں، اور اس کے بعد کوئی ضرورت نہ آئے تو اسے بھر لک دیں، یا دین کی خدمت کا کوئی موقع آئے تو کہہ دیں کہ ہم تو زکوٰۃ دے چکے اب ہم سے ایک پانی کی بھی امید نہ رکھو۔ زکوٰۃ فرض کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کم از کم اتنا تو ہر مال دار کو راہ خدا میں دینا ہی پڑے گا، اور اس سے زیادہ جس شخص سے جو کچھ بن آئے وہ اس کو صرف کرنا چاہیے۔

اب میں آپ کے سامنے عام حکم اور خاص حکم دونوں کی تھوڑی سی تشریح بیان کروں گا۔  
قرآن مجید کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی خود ہی بتا دیتا ہے تاکہ محکوم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو حکم دیا ہے اس کی وجہ کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے۔ قرآن مجید کھوتے ہی سب سے پہلے جس آیت پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ  
هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْتُونَ زَكَاةً  
وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَرِزْقَهُمْ هُمُ الْمُتَّقُونَ  
یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، یہ ان پر ہمیز گار لوگوں کو زندگی کا یہ ہمارا ستارہ بتاتی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ اصل الاصول بیان کر دیا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں سیدھے راستے پر چلنے کے لیے تین چیزیں لازمی طور پر شرط ہیں۔ ایک ایمان بالغیب۔ دوسرے نماز قائم کرنا۔ تیسرے جو رزق بھی اللہ نے دیا ہو اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرنا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

کرنا جو فرض

ہا میں صرت

طلب یہ بھی

س اور اس کے

یس کہ تم تو رکوت

ہا بلکہ اس کا

جس شخص سے

ی بتا دیتا ہے

ہے قرآن مجید

س نہیں یہ ان

ہے جو غیب پر

بزن ہم نے ان

نے پر پلنے کے

جو رزق بھی

لَوْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا  
يُحِبُّونَ۔

پھر فرمایا:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ  
بِالْفَحْشَاءِ۔

اس کے بعد ارشاد ہوا:

وَالْفَقْرُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا  
تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔

ہلاکت اور بربادی کے ہیں،

آخر میں فرمایا کہ:

وَمَنْ يُؤْتِ نَفْسَهُ فَادْلِكْ  
هُمُ الْمُحْسِنُونَ۔

ہیں۔

تم نیکی کا مقام پا ہی نہیں سکتے جب تک کہ خدا کی راہ میں وہ  
چیزیں نہ خرچ کرو جن سے تم کو محبت ہے۔

شیطان تم کو ڈرتا ہے کہ خرچ کر دو گے تو فیر ہو جاؤ گے، وہ  
نہیں شرمناک چیز یعنی نیکی کی تعلیم دیتا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو  
ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کہ راہ خدا میں خرچ نہ کرنے کے معنی

اور جو لوگ سنگ دلی سے بچ گئے وہی غلام بنے واپس  
ہیں۔

ان سب آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے زندگی بسر کرنے کے دو راستے ہیں۔  
ایک خدا کا راستہ ہے جس میں نیکی اور بھلائی اور صلاح اور کامیابی ہے۔ اس راستے کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی  
کا دل کھلا ہوا ہو۔ جو رزق بھی تھوڑا یا بہت اللہ نے دیا ہو اس سے خود اپنی ضرورتیں بھی پوری کرے اور  
اپنے بھائیوں کی مدد بھی کرے، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے بھی خرچ کرے۔ دوسرا راستہ شیطان کا راستہ  
ہے۔ جس میں بظاہر تو آدمی کو فائدہ ہی فائدہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔  
اس راستے کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی دولت سمیٹنے کی کوشش کرے اور پیسے پر جان دے اور دانتوں سے پکڑا  
پکڑ کر رکھے تاکہ خرچ نہ ہونے پائے اور خرچ ہو بھی تو بس اپنے ذاتی فائدے اور اپنے نفس کی خواہشات پر ہو۔

اب دیکھیے کہ خدائی راستے پر چلنے والوں کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے کے کیا طریقے بیان ہوئے ہیں۔ ان سب کو نیز وار بیان کرتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خرچ کرنے میں صرف خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی مطلوب ہوگی۔ گوارا احسان من بنانے یا دنیا میں نام کرنے کے لیے خرچ نہ کیا جائے۔

وَمَا تَقْضُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ  
اللہ۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اس سے اللہ کی رضا کے سوا تمھارا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا  
صَدَقَاتِكُمْ بَأْسَافٍ وَلَا ذِي كَالْتِنِي  
أَيُّ ذِي مَالٍ يَرْفَأُ النَّاسَ وَلَا يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ  
وَالْيَوْمِ آخِرُ فَمَثَلُكُمْ مَثَلُ صَفْوَاتٍ  
عَلَيْهِمْ قُرْآنٌ فَأَصَابَكُمْ وَابِلٌ فَتَمَزَّجْتُمُوهُ  
وَاللَّهُ يَكْفِي عَنْكُمْ صَافِيًا

اے اہل ایمان! اپنی خیرات کو احسان جتنا اور اذیت دے کر  
انفاق کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا  
ہے اور اللہ اور دنیا آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کے فتنے کی مثال تو  
ابھی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برسے تو  
مٹی مٹی بہہ جاتے اور پس حالت چٹان کی چٹان رہ جاتے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو پیسہ دے کر یا دینی کھانا کر یا کپڑا پہنا کر احسان نہ جتایا جائے اور ایسا  
بڑا توڑ کیا جائے جس سے اس کے دل کو تکلیف ہو۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ آمَهُمُ الْهَمُّ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ تَلَا يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا  
مِنَّا وَلَا أَذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ قَوْلٌ  
مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرٌ خَيْرٌ مِنْ مَالٍ فَتَرِ  
يَتَّبِعُهَا أَذَى۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کر کے احسان  
نہیں جتاتے اور تکلیف نہیں پہنچاتے ان کے لیے خدا کے ان  
اجر ہے اور انھیں کسی نقصان کا خوف نہیں رہے گی۔ یہی وہ خیرات  
جس کے بعد تکلیف پہنچاتی جائے تو اس سے تو یہی بہتر ہے کہ مال  
کو نرمی سے ملال دیا جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ بھائی  
مناہت کرو۔



بیانِ حجت

سب ہوگی

کے ہوا فقہار

یت دے کر

وے کو خرچ کیا

فتنہ کی مثال تو

میں رہے تو

اسے

سے اور ایسا

کر کے اتان

خدا کے ان

ہی وہ خیرات

بہتر ہے کہ ان

انے کہ بھائی

(۳) میرا قاعدہ یہ ہے کہ خدا کی راہ میں اچھا مال دیا جائے، برا اچھا نہ کر نہ دیا جائے، جو لوگ کسی غریب کو دینے کے لیے پھٹے پرانے کپڑے تلاش کرتے ہیں، یا کسی فقیر کو کھلانے کے لیے بدتر سے بدتر کھانا کھاتے ہیں، ان کو بس ایسے ہی اجر کی خدا سے بھی توقع رکھنی چاہیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ  
طِبَّتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْ  
الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا  
سُفُوفًا

اے اہل ایمان! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے اچھا مال خدا کی راہ میں دو۔ یہ نہ کرو کہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے برے سے برا تلاش کرنے لگو۔

(۴) جو تمہارا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو چھپا کر خرچ کیا جائے تاکہ ریا اور بنو کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ اگرچہ کھلے طریقے سے خرچ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ڈھانک چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

إِنْ تُبْنَ وَالصَّدَقَاتِ فَذَرْنَهَا  
وَأَنْ تَخْفُوها وَتُؤْتُوها الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ  
لَّكُمْ مِنْ كَيْفٍ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ

اگر کھلے طریقے سے خیرات کرو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر غریب لوگوں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اس سے تمہارے گناہ دھلتے ہیں۔

(۵) پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ کم عقل اور نادان لوگوں کو ان کی ضرورت سے زیادہ نہ دیا جائے کہ بگڑ جائیں اور بری عادتوں میں پڑ جائیں، بلکہ ان کو جو کچھ دیا جائے ان کی حیثیت کے مطابق دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ پیٹ کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تو ہر بڑے سے بڑے اور بدکار سے بدکار کو بھی ملنا چاہیے، مگر شراب نوشی اور چانڈ اور گانجے اور جوئے بازی کے لیے ذلیل لوگوں کو پیسہ نہ دینا چاہیے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي  
جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ فِيهَا قِيَامًا وَآسَافًا زُفُورًا  
رِيحًا وَاسْوَهُمْ

اپنے اموال جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی بسر کرنے کا اور بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔ البتہ ان اموال میں سے ان کو کھانے اور پہننے کے لیے دو۔

۶) چھٹا قاعدہ یہ بیان ہوا ہے کہ اگر کسی غریب آدمی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اسے قرض حسن دیا جائے تو تقاضے کر کے اسے پریشان نہ کیا جائے بلکہ اسے اتنی ہمت دی جائے کہ وہ آسانی سے ادا کر سکے۔ اور اگر واقعی یہ معلوم ہو کہ وہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اتنا مال رکھے ہو کہ اس کو آسانی کے ساتھ صاف کر سکتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ معاف کر دو۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرٌ فَإِنِ  
مَدَّ يَدَهُ فَإِنَّكَ مُسْرِئٌ وَإِن تَصَدَّقْهُ فَإِنَّكَ  
كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔

اور اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اسے خوش حال ہونے تک ہمت دو۔ اور صدقہ کر دینا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم اس کا فائدہ جانو۔

۷) ساتواں قاعدہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آدمی کو خیرات کرتے ہیں بھی حد سے نہ گزرتا چاہیے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر خیرات کی جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بیدھے سادے طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لیے جتنی ضرورت انسان کو ہوتی ہے اتنا اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر صرف کرے اور جو باقی بچے اسے خدا کی راہ میں دے۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ  
الْعَفْو۔

پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ اسے نبی کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا  
وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا۔

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں، تو زنجیر خرچ کریں اور نہ بہت تنگی کر جائیں بلکہ ان کا طریقہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان میں ہو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى  
عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا عَلَى الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ  
مَمْلُومًا مَّحْسُورًا۔

نہ تو اپنا ہاتھ آٹا کیڑا کر لو کہ گویا گردن سے بندھا ہوا ہے اور نہ اتنا کھول دو کہ حسرت زدہ بیٹھے رہو اور لوگ بھی تم کو ملامت کریں۔

سے قرض  
مانی سے  
سانی کے

مال ہوتے

بے زیادہ ہوتے

رہا چاہیے

بہر مطلب یہ

نشانہ ہی دیتے

کہ ضرورت

ہیں تو بھول

ن کا طریقہ ان

مدھا ہوتا ہے اور

لوگ بھی تم کو

(۸) آخر میں یہ بھی سن لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسکین کی پوری فہرست بتا دی ہے جس کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کون لوگ آپ کی مدد کے مستحق ہیں اور کون کا حق اللہ نے آپ کی کمائی میں رکھا ہے۔

فَإِنَّ ذَٰلِكَ لَٱلْفَرُغَىٰ حَقٌّ ۖ وَٱلْمَسْكِينِ  
وَٱبْنِ السَّبِيلِ۔

وَأَتَى ٱلْمَالَ عَلَىٰ حَبِمْ ذَرْوَىٰ

ٱلْفَرُغَىٰ وَٱلْيَتَامَىٰ وَٱلْمَسَاكِينِ وَٱبْنَ

ٱلسَّبِيلِ وَٱلسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ۔

وَبِٱلْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِى

ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَامَىٰ وَٱلْمَسَاكِينِ وَٱلْجَارِ

ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْجَارِ ٱلْجُنُبِ وَٱلصَّالِبِ

بِٱلْجُنُبِ وَٱبْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ

أَيْمَانُكُمْ۔

وَلْيُعْطُوا ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حَبِمْ

مِسْكِينًا وَبَيْتِيًّا وَآسِيرًا ۖ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ

رُوحَ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَ

لَا شُكْرًا ۚ إِنَّا خَافُ مِنْ سُرْمَتِ ٱيَّامٍ مَّا

هَبُوا سَآئِمَ طَرِيقًا۔

لِلْفُقَرَاءِ ٱلَّذِينَ أَحْصٰهُمْ وَ

اپنے غریب رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور سافر کو۔

اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں مال دے اپنے غریب

رشتہ داروں کو اور یتیموں اور مسکینوں کو اور سافر کو اور لیے

لوگوں کو جن کی گردنیں غلامی اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں۔

اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت

دار پڑوسیوں اور غنیمت پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھے والوں اور

مسافروں اور اپنے نوٹری قلاموں کے ساتھ نیک لوگ

کرتے رہو۔

اور نیک لوگ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو

کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض خدا کے لیے

کھلائے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر یہ نہیں چاہتے۔ ہم کو تو

اپنے خدا سے اس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جس کی شدت کی وجہ

سے لوگوں کے منہ سکڑ جائیں گے اور تیوریاں چڑھ جائیں گی

خیرات ان فقیروں کے لیے ہے جو اپنا سامرا وقت خدا کے



فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا  
 عَلَى الْأَعْرَاضِ يُحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ  
 مِنَ النَّعَاقِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيَاهِهِمْ  
 يُسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَافَا وَمَا تُعْطُوا  
 مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلَيْهِمْ  
 پٹ کر لگتے پھرتے۔ ان کو ڈھانک چھپا کر، جو کچھ بھی تم حیرات دو گے اللہ کو اس کی خبر ہوگی، اور وہ اس کا بدلہ دے گا۔

کام میں دے کر اینٹ بھر گئے ہیں کہ اپنی روٹی کمانے  
 کے لیے دروازہ چھپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری کو  
 دیکھ کر تم گمان کرتے ہو کہ وہ غنی ہیں مگر ان کی صورت دیکھ کر  
 تم پہچان سکتے ہو کہ ان پر کیا لکھ رہی ہے۔ ان کو خود  
 جا کر دو، وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں سے پٹ

اللہ کے نام پر  
خودداری کو  
کی صورت دیکھو  
ان کو فرو  
س سے پٹ  
کا بدلہ دے گا

# زکوٰۃ کے احکام

براہِ رانِ اسلام! پچھلے خطبہ میں آپ کے سامنے اتفاق فی سبیل اللہ دینی راہِ خدا میں خرچ کرنے کے عام احکام بیان کر چکا ہوں۔ اب میں اس حکم کے دوسرے حصہ کی تفصیلات بیان کرتا ہوں جو زکوٰۃ سے متعلق ہے یعنی جسے فرض کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین جگہ الگ الگ احکام بیان فرمائے ہیں۔ سورہ بقرہ میں فرمایا:

أَنْفَقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ      جو پاک مال تم نے کمائے ہیں اور جو پیداوار تم نے تمہارے  
وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ      (بقرہ ۲۷۱)      بے زمین سے نکالی ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔

اور اسی کے متعلق سورہ انفاس میں فرمایا کہ تم نے تمہارے بے زمین سے باغ اگائے ہیں اور کھیتیاں پیدا کی ہیں لہذا:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا      اس کی پیداوار جب نکلے تم اس میں سے کھاؤ اور فضل کھنے  
حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ      (انعام ۱۴۰-۱۴۱)      کے دن اللہ کا حق نکال دو۔

یہ دونوں آیتیں زمین کی پیداوار کے متعلق ہیں اور فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ خود رو پیداوار مثلاً لکڑی اور گھاس اور بانس کے سوا باقی جتنی چیزیں غلہ اور ترکاری اور پھلوں کی قسم سے نکلیں ان سب میں سے اللہ کا حق نکالنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو پیداوار آسمانی بارش سے ہو اس میں اللہ کا حق دسواں حصہ ہے اور جو پیداوار انسان کی اپنی کوشش یعنی آب پاشی سے ہو اس میں اللہ کا حق بیویوں حصہ ہے۔ اور یہ حصہ پیداوار کھنے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا حکم سورۃ توبہ میں آتا ہے۔ وہاں اول توبہ فرمایا کہ:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ

وَالْفِضَّةَ وَلَا يَتَّبِعُونَ سَبِيلَ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُخْرِجُ

فِي نَارٍ خَالِدًا فِيهَا حَتَّىٰ يَأْتِيَ

جَنُودُ اللَّهِ وَهُمْ فِيهَا كَاذِبُونَ

كَتَبْنَا لَهُمْ فِي قُلُوبِهِمْ قُدْرَةً قُلُوبًا كَانَتْ

تَكْذِبُونَ۔ (رکوع ۵)

پھر فرمایا:

إِنَّمَا أَزْكَوٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ

وَالْعَلِيلِينَ عَلَيْهَا وَالمُؤَلَّفَاتُ قُلُوبُهُمْ

وَفِي السَّرَّابِ وَالْعَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ

اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ (رکوع ۸)

اس کے بعد فرمایا:

خُذْ مِمَّنْ آمَنُوا مِمَّا صَدَقَتْ

قُلُوبُهُمْ وَتُرْكِتُهُمْ فِيهَا۔ (رکوع ۱۳۶)

جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس میں

سے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان کو وہ ناک عذاب کی خبر

دے دو اس دن کے عذاب کی جیسا کہ اس سونے اور

چاندی کو انہیں پتہ چلا جائے گا اور اس سے ان کی بیانیوں

اور ان کے پہلوؤں اور پیشوں پر داغا جائے گا اور کہا جائیگا

کہ یہ بد مال جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب اپنے ان

خزانوں کا مزہ چکھو۔

صدقات (یعنی زکوٰۃ) اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرض ہے

تقریباً کے لیے اور مسکین کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو زکوٰۃ

وصول کرنے پر تیار ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیفیت قلبی طور

پر اور گردنیں چڑھانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور راہ

خدا میں اور مسافروں کے لیے۔ اللہ بہتر جاننے والا اور حکم کرنے والا ہے۔

ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک اور

صاف کر دو۔

ان تینوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مال جمع کیا جائے اور بڑھایا جائے اور اس میں سے راہ خدا

میں صرف نہ کیا جائے وہ ناپاک ہوتا ہے۔ اس کے پاک کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اس میں



سے خدا کا حق نکال کر اس کے بندوں کو دیدیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب سونا اور چاندی جمع کرنے والوں پر عذاب کی دھمکی آئی تو مسلمان سخت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوتے تھے کہ ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھو۔ سب خرچ کر ڈالو۔ آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قوم کی پریشانی کا حال عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ تم پر اسی لیے فرض کی ہے کہ باقی اموال تمہارے لیے پاک ہو جائیں۔ اسی ہی روایت حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب تو نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال دی تو جو حق تجھ پر واجب تھا وہ ادا ہو گیا۔

آیات مذکورہ بالا سے تو صرف سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کا حکم ملتا ہے لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی مال، اوتھ، لگائے اور بکریوں میں بھی زکوٰۃ ہے۔ چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ۵۲ تولہ کے قریب ہے اور سونے کا نصاب ۷ تولہ۔ بکریوں کا نصاب ۴ بکریاں اور گائے کا نصاب ۳۰ ہے یعنی جس شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے۔ چاندی اور سونے کے متعلق حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں اگلے لگ بھگ نصاب نہ ہوں لیکن دونوں مل کر نصاب کی حد تک پہنچ جاتے ہوں تو ان میں سے بھی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے۔

سونا اور چاندی اگر زیور کی صورت میں ہوں تو حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کے نزدیک ان کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ہی قول یہاں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے اور پوچھا کہ کیا تم زکوٰۃ نکالتی ہو؟ ایک نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اسے پسند کرے گی کہ قیامت کے روز اس کے بدلے آگ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں؟ اسی طرح حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ میرے پاس سونے کی پازیب تھی میں حضور سے پوچھا کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا اگر اس میں سونے کی مقدار نصاب زکوٰۃ تک پہنچی ہے

کے احکام  
بہ انداز میں  
سب عذاب کی  
اس سونے اور  
ان کی چیزوں  
اور کہا جائیگا  
اب اپنا  
برہہ فرض ہے  
ن کے لیے جو  
ن تاہم قلب منظر  
وں کے لیے اور  
نہ والا اور کھڑے  
ان کو پاک اور  
سے راہ خدا  
ہے کہ اس میں

اور اس میں سے زکوٰۃ نکال دی گئی ہے تو یہ کفر نہیں ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی اگر زیور کی شکل میں ہوں تب بھی اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے جس طرح نقد کی صورت میں ہونے پر ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ حق دار بیان کیے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) فقیر۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہو مگر ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔

تنگ دستی میں گزر رہے ہوں اور کسی سے مانگتے نہ ہوں۔ امام زہری، امام ابو حنیفہ، ابن عباس، حسن بصری، ابو الحسن کرخ اور دوسرے بزرگوں نے فقیر کی یہی تعریف فرمائی ہے۔

(۲) مساکین۔ یہ بہت ہی تباہ حال لوگ ہیں جو مانگنے پر مجبور ہوں جن کے پاس اپنے تن کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی نہ ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو بھی مساکین میں شمار فرماتے ہیں جو کمانے کی طاقت رکھتے ہوں مگر انھیں روزگار نہ ملتا ہو۔

(۳) عاملین علیہا۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر کرے۔ ان کو زکوٰۃ ہی کی مد سے تنخواہ دی جائے گی۔

(۴) مولفۃ القلوب۔ ان سے مراد تو مسلم ہیں۔ اگر تو مسلم اپنی قوم کو چھوڑنے اور بت الگ ہو کر مسلمانوں میں اٹلنے کی وجہ سے بے روزگار یا تباہ حال ہو گیا ہو تب تو اس کی مدد کرنا مسلمانوں پر دیے ہی فرض ہے۔ لیکن اگر وہ مال دار ہو تب بھی اسے زکوٰۃ دینی چاہیے تاکہ اس کا دل اسلام پر جم جائے۔ جنگ حنین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بل غنیمت میں سے تو مسلمانوں کو بہت مال دیا حتیٰ کہ ایک ایک شخص کے حصہ میں تو ستر اونٹ آئے۔ انصار نے اس کی شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ ابھی کفر سے اسلام میں آئے ہیں میں ان کے دل خوش کرنا چاہتا ہوں۔ اسی بنا پر امام زہری نے مولفۃ القلوب کی تعریفوں میں بیان کی ہر کہ ”جو عیسائی یا یہودی یا غیر مسلم اسلام میں داخل ہوا ہو اگرچہ مال داری کیوں نہ ہو“

(۵) فی الرقاب۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جو شخص غلامی کے بند سے چھوٹنا چاہتا ہو اس کو زکوٰۃ

دی جائے تاکہ وہ اپنے مالک کو روپیہ دے کر اپنی گردن غلامی سے چھڑے۔ حج کل کے زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ جو لوگ جرمانہ ادا نہ کر سکتے کی وجہ سے قید بھگت رہے ہوں ان کو زکوٰۃ دے کر رہائی حاصل کرنے میں مدد دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی فی ارتقاب کی تعریف میں آجاتا ہے۔ (۶) الغارین۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرض دار ہوں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے پاس ہزار روپے ہوں اور وہ سو روپے کا قرض دار ہو۔ تو بھی اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس پر قرض ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اس کے پاس مقدار بقیہ سے کم مال پچتا ہو، اُسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقہائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شخص اپنی فضول خرچیوں اور بد کاریوں کی وجہ سے قرض دار ہو اس کو زکوٰۃ دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ پھر وہ اس بھروسہ پر اور زیادہ جرأت کے ساتھ بد کاریاں اور فضول خرچیاں کرے گا کہ زکوٰۃ لے کر قرض ادا کر دوں گا۔

(۷) فی سبیل اللہ۔ یہ عام لفظ ہے جو تمام نیک کاموں پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن خاص طور پر اس سے مراد وہی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ مینا کی مالدار آدمی کے لیے جائز نہیں۔ لیکن اگر مال دار آدمی جہاد کے لیے مدد کا حاجت مند ہو تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیے۔ اس لیے کہ ایک شخص اپنی جگہ مال دار ہی لیکن جہاد کے لیے جو غیر معمولی مصارف ہوتے ہیں ان کو وہ محض اپنے مال سے کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ اس کام میں زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنی چاہیے۔

(۸) ابن سبیل یعنی مسافر۔ اگرچہ مسافر کے پاس اس کے وطن میں کتنا ہی مال ہو لیکن حالت مسافرت میں اگر وہ محتاج ہے تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ یہ آٹھ گروہ جو بیان ہوئے ہیں ان میں سے کس شخص کو کس حال میں زکوٰۃ دینی چاہیے اور کس حال میں نہ دینی چاہیے۔ اس کی بھی تھوڑی سی تفصیل آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

(۱) کوئی شخص اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو



بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ اس میں فقہار کا اتفاق ہے۔ بعض فقہاریہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسے قریبی خنزروں کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے جن کا نفقہ تم پر واجب ہو یا جو تمہارے شرعی وارث ہوں، البتہ دور کے عزیز زکوٰۃ کے حقدار ہیں بلکہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔ مگر امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ بحال کر لینے ہی خنزروں کو نہ دھوؤ گے پھر دے۔

(۲) زکوٰۃ صرف مسلمان کا حق ہے غیر مسلم کا حق نہیں ہے۔ حدیث میں زکوٰۃ کی تعریف یہ آئی ہے کہ تَوَخَّخَ مِنْ غَنِيٍّ كَعَدِّ دَرَكَيْنِ فَكُلَّ كَعَدٍّ۔ یعنی وہ تمہارے مالداروں سے لی جائے گی اور تمہارے ہی فقیروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ البتہ غیر مسلم کو عام خیرات میں سے حصہ دیا جاسکتا ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے غریبوں میں صرف ہونی چاہیے۔ ایک بستی سے دوسری میں بھیجا اچھا نہیں ہے۔ لایہ کہ وہاں کوئی حقدار نہ ہو یا دوسری جگہ کوئی ایسی مصیبت آگئی ہو کہ دور و نزدیک کی بستیوں سے مدد پہنچنی ضروری ہو جیسے سیلاب یا قحط وغیرہ۔

قریب قریب ہی اسے امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کی بھی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ بھیجنا ناجائز ہے۔

(۴) بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ جس شخص کے پاس دو وقت کھانے کا سامان ہو اسے زکوٰۃ لینے چاہیے بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ۱۰ روپے اور بعض فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ۱۳ روپے موجود ہوں اسے زکوٰۃ لینے چاہیے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ رضی اللہ عنہ اور تمام حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس روپے سے کم ہوں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس میں مکان اور گھر کا سامان اور گھوڑا اور خادم شامل ہیں۔ یعنی یہ سب سامان رکھے ہوئے بھی جو شخص پچاس روپے سے کم مال رکھتا ہو وہ زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے۔ اس معاملہ میں ایک چیز تو سب قانون اور دوسری چیز ہے درجہ فضیلت۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ درجہ فضیلت تو یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص صبح و شام کی روٹی کا سامان رکھتا ہو وہ اگر سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اپنے حق میں لگ

جمع کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص لکڑیاں کاٹے اور اپنا پیٹ بھرے بہ نسبت اس کے کہ سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا پھرے۔ تیسری حدیث میں ہے کہ جس کے پاس کھانے کو ہو یا جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو اس کا یہ کام نہیں ہے کہ زکوٰۃ لے۔ لیکن یہ الزامی کی تعلیم ہے۔ رہا قانون تو اس میں ایک آخری حد بتائی ضروری ہے کہ کہاں تک آدمی زکوٰۃ لینے کا حق دار ہو سکتا ہو۔ سو وہ دوسری حدیثوں میں ملتا ہے۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ للسائل حق وان جاء علی الفس من یمنی سال کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آیا ہو۔ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میرے پاس دس روپے ہیں۔ کیا میں سکین ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے آکر حضورؐ سے زکوٰۃ مانگی۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر انھیں غور سے دیکھا۔ پھر فرمایا، اگر تم لینا چاہتے ہو تو میں دے دوں گا۔ لیکن اس مال میں غنی اور کمانے کے قابل ہونے والے لوگوں کا حصہ نہیں ہے۔ ان سب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بقدر نصاب مال سے کم رکھتا ہو وہ فقرا کے ذیل میں آجاتا ہے اور اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زکوٰۃ لینے کا حق دراصل اصلی حاجتمندوں ہی کو پہنچتا ہے۔

زکوٰۃ کے ضروری احکام میں نے بیان کر دیے ہیں لیکن ان سب کے ساتھ ایک اہم اور ضروری چیز اور بھی ہے جس کی طرف آپؐ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور مسلمان آج کل اس کو بھول گئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام کام نظام جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ انفرادیت کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ آپؐ سجد سے دوڑ ہوں اور الگ الگ نماز پڑھیں تو ہو جائے گی۔ مگر شریعت تو یہی چاہتی ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اسی طرح الگ الگ زکوٰۃ نہکانا اور خرچ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ زکوٰۃ کو ایک مرکز پر جمع کرنا چاہیے تاکہ وہاں سے ایک مخاطبہ کے ساتھ خرچ ہو۔ اسی چیز کی طرف قرآن مجید میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا اَحْضِ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے فرمایا کہ آپؐ ان سے زکوٰۃ وصول کریں مسلمانوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم زکوٰۃ نکال کر الگ الگ خرچ کر دو۔ اسی طرح عاملین زکوٰۃ کا حق مقرر کرنے

سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام اس کو باقاعدہ وصول کرے اور باقاعدہ خرچ کرے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: *ان اخذ الصدقة من اغنياء کم وادھا فی فقراء کم* یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقراء میں تقسیم کروں۔ اسی طریقہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل بھی تھا۔ تمام زکوٰۃ حکومت اسلامی کے کارکن جمع کرتے تھے اور مرکز کی طرف سے اس کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ آج اگر اسلامی حکومت نہیں ہے اور زکوٰۃ جمع کر کے باضابطہ تقسیم کرنے کا انتظام بھی نہیں ہے تو آپ علیحدہ علیحدہ اپنی زکوٰۃ نکال کر شرعی مصارف میں خرچ کر سکتے ہیں۔ مگر تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ زکوٰۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے لیے ایک اجتماعی نظام بنانے کی فکر کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر زکوٰۃ کی رضیت کے قواعد دھوڑے رہ جاتے ہیں۔



## ج

برادران اسلام! پچھلے خطبات میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے متعلق آپ کو تفصیل کے ساتھ بتایا جا چکا ہے کہ یہ عبادتیں انسان کی زندگی کو کس طرح اسلام کے سانچے میں ڈھالتی اور اس کو اللہ کی بندگی کے لیے تیار کرتی ہیں۔ اب اسلام کی فرض عبادتوں میں سے صرف حج باقی ہے جس کے فائدے تجھے آپ کے سامنے بیان کرنے ہیں۔

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں حج میں چونکہ ہر طرف سے لوگ کسب کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اس لیے اس کا نام حج رکھا گیا۔ سب سے پہلے اس کی ابتدا حسن طرح ہوئی اس کا قصد بڑا سبق آموز ہے۔ اس قصے کو غور سے سینے۔ تاکہ حج کی حقیقت بھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔ پھر اس کے فائدوں کا سمجھنا آپ کے لیے آسان ہو گا۔

کون سلمان، عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت براہیم علیہ السلام کے نام سے واقف نہ ہو؟ دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی ان کو پیشوا مانتی ہے حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تینوں انہی کی اولاد سے ہیں۔ انہی کی روشن کی ہوئی شمع سے دنیا بھر میں ہدایت کا نور پھیلا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ مدت گزری جب عاق کی سر زمین میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت ساری دنیا خدا کو بھولی ہوئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی انسان ایسا نہ تھا جو اپنے اصلی مالک کو پہچانتا ہو اور صرف اسی کے آگے اطاعت و بندگی میں سر جھکا تا ہو جس قوم میں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں وہ اگرچہ اس زمانہ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی لیکن گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھی۔ علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں خوب ترقی کر لینے کے باوجود ان لوگوں کو اتنی ذرا سی بات نہ سمجھتی تھی کہ مخلوق کبھی معبود ہونے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان کے

تائیدہ خیر  
ع دارد  
ے فقر نہیں  
طامی کے  
ہ اور زکوٰۃ  
صارت  
اعی نظام

ہاں ستاروں اور بتوں کی پرستش ہوتی تھی، نجوم، فال گیری غیب گوئی، جادو ٹونے اور تعویذ گنٹے کا خوب چرچا تھا۔ جیسے آج کل ہندوؤں میں پنڈت اور برہمن ہیں اسی طرح اُس زمانہ میں بھی پیاریوں کا ایک طبقہ تھا جو مندروں کی حفاظت بھی کرتا، لوگوں کو پوجا بھی کرتا، شادی اور غمی وغیرہ کی رسمیں بھی ادا کرتا، اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے کا ڈھونگ رچاتا تھا۔ عام لوگ ان کے پھنسے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ انہی کو اپنی اپنی اور بڑی قسمت کا مالک سمجھتے تھے، انہی کے اشاروں پر چلتے تھے اور بے چون و چرا ان کی خواہشات کی بندگی کرتے تھے، کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں ان کے پیاریوں کی پہنچ ہے، یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عتاب ہوگی ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ پیاریوں کے اس گروہ کے ساتھ ماہیوں کی ملی بھگت تھی۔ عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا رکھنے میں بادشاہ پیاریوں کے مددگار تھے، اور پیاری بادشاہوں کے ایک طرف حکومت ان پیاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی، اور دوسری طرف یہ پیاری لوگوں کے عقیدے میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہے۔ لہذا اور عیت کا مالک ہے۔ اس کی زبان قانون ہے۔ اور اس کو رعایا کی جان و مال پر ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہوں کے آگے پوسے بندگی کے مراسم بجالائے جاتے تھے تاکہ رعایا کے دل و دماغ پر ان کی خدائی کا خیال مسلط ہو جائے۔

ایسے زمانے اور ایسی قوم میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور لطف یہ ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ خود پیاریوں کا گھرانہ تھا۔ ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور رہمن تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت ان کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملنا کرتی ہے۔ اسی قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں۔ وہی پیریں اور پیر زادوں کے سے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بندوں اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے۔ وہی مندر کی گدھی ان کے لیے تیار تھی جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے بیٹھو بن سکتے تھے۔ وہی نذرینا زور چڑھا دے جن سے ان کا خاندان مالا مال ہو رہا تھا، ان کے لیے بھی حاضر تھے۔ اسی طرح لوگ ان کے سامنے بھی ہاتھ جوڑتے اور عقیدت سر جھکانے کے لیے موجود تھے۔ اسی طرح دیوتاؤں سے رشتہ ملا کر اور غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ خدائی

کسان سے بے کربا و شاکہ ہر ایک کو اپنی پیروی کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اس اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور اسے والا موجود نہ تھا، نہ تو ان کو حق کی روشنی ہی کہیں سے مل سکتی تھی، اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا۔

مگر حضرت ابراہیم کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ کسی اور ہی مٹی سے ان کا خمیر بنا تھا۔ ہوش بنھاتے ہی انھوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ سدا ج، چاند اور تارے جو خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں، اور یہ پتھر کے بٹ جن کو آدمی خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے، اور یہ بادشاہ جو ہمیں جیسے انسان میں آخر یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو بیچارے خود اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے، جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی بھی قدرت نہیں، جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں، ان کے پاس دھرا کیا ہے کہ انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے، ان سے اپنی حاجتیں مانگے، ان کی طاقت سے خوف کھائے اور ان کی خدمت نگاری و فرماں برداری کرے؟ زمین اور آسمان کی حقیقی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں، یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہیں، ان میں سے تو کوئی بھی ایسی نہیں جو خود محتاج نہ ہو، جو خود کسی طاقت سے دبی ہوئی نہ ہو، اور جس پر کبھی نہ کبھی زوال نہ آتا ہو۔ پھر جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں سے کوئی رب کیسے ہو سکتا ہے؟ جب ان میں سے کسی نے مجھ کو پیدا نہیں کیا، نہ کسی کے ہاتھ میں میری موت اور زیست کا اور نفع اور نقصان کا اختیار ہے، نہ کسی کے ہاتھ میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں، تو میں ان کو رب کیوں مانوں اور کیوں ان کے آگے بندگی و اطاعت میں سر جھکاؤں؟ میرا رب تو وہی ہو سکتا ہے جس نے سب کو پیدا کیا جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اقتدار میں سب کی موت و زیست اور سب کا نفع و نقصان ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ جن مجبور دوں کو میری قوم پوجتی ہے ان کو میں ہرگز نہ پوجوں گا اور اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد انھوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہہ دیا کہ ”اِنِّیْ بَرِّیْٓ اِلٰھِیْہُمْ اَنْتَ اَنْتَ اَلْحَقُّ“ جن کو تم خدائی میں شریک ٹھہرتے ہو، ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ ”اِنِّیْ

تے کا خوب چرچا  
طیقت تھا جو مندر  
نہیں بھی لوگوں کو  
نواپنی بھی ادب  
لی بندگی کرتے  
بدیوتاؤں کی عبادت  
م لوگوں کو اپنا بند  
ان پکاریوں کی پشت  
باہ و دست بھی غلاموں  
نہ مال پر ہر قسم کے  
جاتے تھے تاکہ وہ

میں پیدا ہوئے  
لیم اور وہی تربیت  
نہیں۔ دی پیر  
نہیں۔ وہی مندر  
معاذے جن سے  
تہ جوڑتے اور  
زنگ بجا کر وہی



وَتَهْتَمُ رُوحِي لِلدُّنْيَا فَظَلَمَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضُ حَتَّىٰ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُسْتَرْكِسِ۔ میں نے تو  
سب سے بڑے گمراہوں کو اس ذات کو عبادت و بندگی کے لیے خاص کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور  
میں ہرگز شکر کرنے والا نہیں ہوں۔

اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ باپ نے کہا کہ میں عاق کر دوں گا  
اور گھر سے نکال باہر کر دوں گا۔ قوم نے کہا ہم میں سے کوئی تمہیں پناہ نہ دے گا۔ حکومت بھی ان کے پیچھے پڑ گئی  
اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا مگر وہ کہہ دیتا تھا انسان سب کے مقابلہ میں سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ باپ  
کو اس کے جواب دے دیا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمہیں نہیں ملا۔ اس لیے بجائے اس کے کہ میں تمہاری پیروی  
کر دوں تمہیں میری پیروی کرنی چاہیے۔ قوم کی دھمکیوں کے جواب میں اس کے بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر  
ثابت کر دیا کہ جہیں تم پہنچتے ہو وہ کس قدر بے بس ہیں۔ بادشاہ سے بھرے دربار میں جا کر صاف کہہ دیا کہ تیرا رب  
نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کے ہاتھ میں میری اتیری زندگی و موت ہے اور جس کے قانون کی بندش میں سورج و آگ  
جکڑا ہوا ہے۔ آخر شاہی دربار سے فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے۔ مگر وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل رکھنے  
والا انسان، جو خدا سے واحد پر ایمان لا چکا تھا، اس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لیے بھی تیار ہو گیا، اور جب اس نے  
اپنی قدرت سے اس کو آگ میں جھنسنے سے بچا لیا تو وہ اپنے گھر بار، عزیز و اقارب، قوم اور وطن سب کو چھوڑ  
پھاڑ کر غریب و لوطی میں ملک ملک کی خاک چھانٹنے کے لیے نکل کھڑا ہوا جس کے لیے اپنے گھر میں ہنٹ  
کی گدی موجود تھی، جو اس پر بیٹھ کر اپنی قوم کا پیر بن سکتا تھا، اور دولت و غرت دونوں جس کے قدم چومنے  
کے لیے تیار تھیں، اور جو اپنی اولاد کو بھی اس جہنمی کی گدی پر مرنے لٹنے کے لیے چھوڑ جاسکتا تھا، اس نے  
اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے جلا وطنی اور بے سروسامانی کی زندگی پسند کی، کیونکہ دنیا کو جھوٹے خداؤں کے  
جال میں پھانس کر خود مرنے کرنا اسے گوارا نہ تھا، اور اس کے مقابلہ میں یہ گوارا تھا کہ ایک سچے خدا کی بندگی کی طرف  
لوگوں کو بلائے اور اس جرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے۔

وطن سے نکل کر حضرت ابراہیم شام فلسطین مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مافرت کی زندگی میں ان پر کیا گزری ہوگی۔ مال و زر کچھ سا بچا کر لے کر نکلے تھے، اور باہر نکل کر بھی اپنی روٹی کمانے کی فکر میں نہیں پھر رہے تھے بلکہ رات دن فکر تھی تو یہ تھی کہ لوگوں کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کا بندہ بنائیں۔ اس خیال کے آدمی کو جب اس کے اپنے باپنے اور اس کی اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو او کوں برداشت کر سکتا تھا؟ کہاں اس کی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی مندروں کے ہنٹ اور وہی غلامی کے مدعی بادشاہ موجود تھے اور ہر جگہ وہی جال و عوام بستے تھے جو ان بھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسنے لگے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان وہ شخص کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی خدا کے سوا کسی کی خدائی مانتے کے لیے تیار نہ تھا، بلکہ دوسروں سے بھی علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمھارا کوئی مالک اور قاتل نہیں ہے، سب کی خدائوں کی اور آقا کی کا تختہ الٹ دو اور صرف اس کے بندے بن کر رہو یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو کسی جگہ قرا نہیں دیا۔ ساہا سال بے خانماں پھرتے رہے کبھی کنعان کی بستیوں میں ہیں تو کبھی مصر میں، اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہوئے۔

آخر عمر میں جب ۹۰ برس پورے ہونے میں چار سال باقی تھے، اور اولاد سے ایو سی ہو چکی تھی، اللہ نے اولاد دی لیکن اس اللہ کے بندے کو اب بھی یہ فکر نہ ہوئی کہ خود خانماں برباد ہو ہوں تو اب کم از کم اپنے بچوں ہی کو دینا کمانے کے قابل بناؤں اور انھیں کسی ایسے کام پر لگاؤں کہ روٹی کا سہارا مل جائے۔ نہیں، اس بوڑھے مسلمان کو فکر تھی تو یہ تھی کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اس نے اپنی عمر کھپا دی تھی، کاش کوئی ایسا ہو جو اس کے مرنے کے بعد بھی اس مشن کو پھیلاتا رہے۔ اسی غرض کے لیے وہ اللہ سے اولاد کا آرزو مند تھا۔ اور جب اللہ نے اولاد دی تو اس نے یہی چاہا کہ اپنے بعد اپنے کام کو جاری رکھنے کے لیے انھیں تیار کرے۔ اس انسان کامل کی زندگی ایک سچے اور اصلی مسلمان کی زندگی تھی۔ تبدیلے جوانی میں ہوش سنبھالنے کے بعد ہی جب اس نے اپنے خدا کو پہچانا اور پایا تو خدا نے اس سے کہا تھا کہ اَسْلَمَ (اسلام آئے، اپنے آپ کو میرے سپرد کر دے)

میں نے تو  
رین کو پیدا کیا

میں مان کر دے گی

کے سچے پر لگی

رکھ رہا ہو گیا باپ

میں تمھاری ہر

پنے ہاتھ سے توڑ کر

ایک دیا تو میرا

میں سورج تک

وہ مضبوط دل رکھے

گیا، اور جب اللہ

دروطن سب کچھ

پنے گھر میں ہنٹ

کے قدم چومنے

اتھا، اس نے

وٹے خداؤں کے

اک کی بندگی کی طرف

میرا ہو کر رہ، اور اس نے جواب میں قول دے دیا تھا کہ اَسْكُمْتُ رَبِّ الْعَالَمِينَ دیں نے اسلام قبول کیا میں رب العالمین کا ہو گیا، میں نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ اس قول و قرار کو اس بچے آدمی نے تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھا دیا۔ اس نے رب العالمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیقہ و دل کو چھوڑا، دنیا کے ان سارے فائدوں کو چھوڑا جو تہمت کی گدھی سمجھانے سے حاصل ہو سکتے تھے، اپنے خاندان اور قوم اور وطن کو چھوڑا، اپنی جان کو آگ کے خطرے میں ڈالا، جلا وطنی کی مصیبتیں سہیں، ملک ملک کی خاک چھائی، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا، اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اس کے لیے بھی ہی دین اہد ہی کام پسند کیا۔ مگر ان آزمائشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی جس کے بغیر یہ فیصلہ نہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخص دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رب العالمین سے محبت رکھتا ہے، اور وہ آزمائش یہ تھی کہ اس بڑھاپے میں جب کہ بوٹی یا بوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوئی ہو، اپنے اکلوتے بیٹے کو رب العالمین کی خاطر قربان کر سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ یہ آزمائش بھی کر ڈالی گئی، اور جب یہ اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے پر آمادہ ہو گیا تب فیصلہ فرمایا گیا کہ ہاں اب تم نے اپنے مسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچ کر دکھایا، اب تم اس کے اہل ہو کہ تمہیں ساری دنیا کا امام بنایا جائے۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ :-

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُمْ فَلَمَّ قَالَ إِنِّي مَجَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ (بقرہ - ۱۲۵)

اور جب ابراہیم کو اس کے رب سے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورا اتر گیا تو فرمایا کہ میں تجھ کو انسانوں کا امام (پیغمبر) بناتا ہوں۔ اس نے عرض کیا اور میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دیا ان میں سے جو ظالم ہو گئے انہیں میرا عہد نہیں پہنچے گا۔

اس طرح حضرت ابراہیم کو دنیا کی بیوقوفی اور وہ اسلام کی عالمگیر تحریک کے لیڈر بنائے گئے۔ اب آخرت کو اس تحریک کی اشاعت کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئی جو مختلف علاقوں کو سمجھال کر بیٹھ جائیں اور



آپ کے خلیفہ بانائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس کام میں تین آدمی آپ کے لیے قوت بازو ثابت ہوئے۔ ایک آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام۔ دوسرے آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جنہوں نے یمن کو کربلا لائیں ان کی جان کی قربانی چاہتا ہے، خود اپنی گردن خوشی خوشی پھری کے نیچے رکھ دی تھی تیسرے آپ کے چھوٹے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

بھتیجے کو آپ نے سرورم کے علاقہ میں بٹھلایا جس کو آج کل شرق اردن (ٹرانس جوردنیا) کہتے ہیں۔ یہاں اس وقت کی سب سے زیادہ باجی قوم رہتی تھی اس لیے اس کی اصلاح مدنظر تھی، اور ساتھ ہی دور دراز کے علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصود تھا، کیونکہ ایران، عراق، اور مصر کے درمیان آنے جانے والے تجارتی قافلے اسی راستے سے گزرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا جاسکتا تھا۔

چھوٹے صاحبزادے کو کنعان کے علاقہ میں آیا دیکھا جس کو آج کل فلسطین کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہے اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دوسرے ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جاسکتا ہے۔ یہیں سے حضرت یحییٰ کے بیٹے حضرت یعقوب (جن کا نام اسرائیل بھی تھا) اور پوتے حضرت یوسف کی بدولت اسلام کی تحریک مصر تک پہنچی۔

بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل کو ججاز میں مکہ کے مقام پر رکھا اور ایک مدت تک خود ان کے ساتھ رہ کر عرب کے تمام گوشوں میں اسلام کی تعلیم پھیلانی۔ پھر یہیں دونوں باپ بیٹوں نے اسلامی تحریک کا وہ مرکز تعمیر کیا جو عرب کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس مرکز کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا تھا اور خود ہی اس تعمیر کی جگہ تجویز کی تھی۔ یہ عمارت محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی، جیسے مسجدیں عموماً ہوا کرتی ہیں، بلکہ اول روز ہی سے اس کو دین اسلام کی تحریک کا مرکز تبلیغ و اشاعت قرار دیا گیا تھا۔ اور اس کی غرض یہ رکھی گئی تھی کہ ایک خدا کو اتنے واسے ہر جگہ سے کھینچ کھینچ کر یہاں جمع ہوا کرتوں، بل کہ خدا کی عبادت کریں اور اسلام کا پیغام لے کر پھر اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ یہی اجتماع تھا جس کا نام حج رکھا گیا تھا۔ اس کی پوری تفصیل کہ یہ مرکز کس طرح تعمیر ہوا، کن جنابت اور کن دعاؤں کے

ساتھ دونوں باپ بیٹوں نے اس عمارت کی دیواریں اٹھائیں اور کیسے حج کی ابتدا ہوئی قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي  
بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ قَبْرِ  
بَيْتِهِ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ  
أَمْنًا (آل عمران - ۹۷)

یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا  
برکت والا گھر، اور سارے جہان والوں کے لیے مکہ کی ہدایت ہے  
میں اس کی گھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے اور جو یہاں داخل  
ہو جائے اس کو امن مل جاتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُكَلِّمُ  
النَّاسَ مِنْ حَوْضٍ مُنْجٍ وَنُفِثَ  
عَرَبِينَ بِرِطَاقٍ لَمَّا تَلَّ الْقُلُوبُ أَرْجَا  
مِنْ رَبِّهِمْ فَنَزَلَ اللَّهُ فِي الْفَجْرِ  
مِنْ بَيْتِهِ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ  
أَمْنًا (آل عمران - ۹۷)

کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے مکہ کو حرم بنایا ہے حالانکہ  
اس کے گرد و پیش لوگ اچانک سے جاتے ہیں (یعنی جب کہ  
عربین ہر طواف کوئی بار اترتے اور جنگ و جدل کا بازار گرم تھا، اس حرم میں ہمیشہ امن ہی رہا۔ حتیٰ کہ وحشی بدو تک اس کے حدود  
میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ پاتے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرتے)۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ  
وَأَمْنًا وَآخِزْنَا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ  
وَقَعْدًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ إِنَّ هَٰذَا  
بَلَدٌ بَارَكْنَا لِّلْعَالَمِينَ وَاللَّهُ  
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا  
بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ  
مَنْ آمَنَ مِنِّي فَلْيَتَّبِعْهُ يَا رَبِّ  
وَالْكَافِرِينَ وَاللَّهُ وَارٍ عَنِ  
الظَّالِمِينَ (آل عمران - ۹۷)

اور جب کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مکہ کی ہدایت اور امن  
کی جگہ بنایا اور مکہ کو ابراہیم کے مقام عبادت کو بجائے نماز بنایا  
اور ابراہیم اور اس کے اولاد کے لیے اس کی ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کریں  
اور میرے واسطے اور میرے واسطے اور میرے واسطے اور میرے واسطے اور میرے  
پاک صاف رکھو، اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار! اس  
شہر کو پورا امن و برکت سے اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق  
بہم پہنچا، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے والا ہو۔  
..... اور جب کہ ابراہیم اللہ سے دعا کی کہ اس گھر کی دنیا داروں سے  
تھے تو وہاں سے جاتے تھے کہ پروردگار! ہماری اس کوشش کو

ن بیان

امین تیرا

بڑیت اس

نویہاں قل

سے حالہ کر

سب ک

سے حدود

اور اس

نمازینا

نہو اے

کے یہ

کار اس

کی رزق

لاہو

نارہے

نفس کو

اَعْلِيْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ  
وَمِنْ دُرِّ تَيْبَتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ  
اَسْرَانَا مَسْكِنًا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ  
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْ فِيْهِمْ  
رِسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰتِكَ وَ  
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ  
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ - (بقرہ - ۱۵)

ہے اور بڑا حکیم ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ  
هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَاجْعَلْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ تَعْبُدُوْهُ  
اَلَا صُنَامَ رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّواْ كَثِيْرًا  
وَمِنَ النَّاسِ قَوْمٌ يَّسْعَوْنَ فَاْتًا - مِّنِّيْ وَ مِّنْ  
عَصَايَ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ رَبَّنَا اِنِّيْ  
اَسْكَنْتُ مِنْ دُرِّ تَيْبَتِيْ بُوَادٍ غَيْرِ ذٰلِكَ  
رَّعِيْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْحَرَامِ رَبَّنَا اِيْقِمْوْا  
الصَّلٰوةَ فَاَجْعَلْ اَقْوَمَ ذٰلِكَ مِنَ النَّاسِ  
هُوَ حَىْ اِلَيْهِمْ وَاَسْرِ رُفُوْمًا مِّنَ النَّفَرَاتِ  
لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ -

وَ اِذْ بَوَّأْنَا اِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ

قبول فرما، تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ پروردگار! اور تو  
ہم دونوں کو اپنا مسلم (اطاعت گزار) بنا اور ہماری نسل سے  
ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہوا دیں اپنی عبادت کے طریقہ بنا اور  
ہم پر عنایت کی نظر رکھ کہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پروردگار  
اور تو ان لوگوں میں انھی کی قوم سے ایک امیر رسول بھیجو، جو  
انھیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم  
دے اور ان کے اخلاق درست کرے، یقیناً تو بڑی قدرت والا

اور جبکہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو میرا شہر بنا  
اور مجھ کو اور میرے بچوں کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار! ان  
بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو جو کوئی میرے  
طریقہ کی پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میرے طریقہ سے بچر  
جائے تو یقیناً تو غفور و رحیم ہے۔ پروردگار! میں نے اپنی نسل  
کے ایک حصہ کو تیرے اس عت و آلے گھر کے پاس اس بے  
آب و گیاہ وادی میں لا بسایا ہے تاکہ یہ نماز کا انتقام قائم کریں ہیں  
اسے رب! تو لوگوں کے دلوں میں ایسا شوق ڈال کہ وہ ان کی  
طرف کھینچ کر آئیں اور ان کو بچلوں سے رزق پہنچا، امید ہے کہ یہ  
تیرے شکر گزار بنیں گے۔

اور جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس بات



الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكَ لِي شَيْئًا وَطَهِّرْ  
 بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالسُّكُوتِ  
 السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ  
 رِجَالًا لَا دَعْلَى لَهُمْ سَاكِتِينَ مِنْ كُلِّ  
 مَدِينَةٍ لِيُتَبَدَّلُوا فِي مَنَافِعِ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا  
 اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا أَرْسَلْنَاهُمْ  
 مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَلَمًا فِيهَا وَ  
 أَطْعَمُوا الْبَشَرِ الْفَقِيرَ (الحج - ۲۷)

کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے  
 والوں اور کوح اور جدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو  
 اور لوگوں میں حج کی عام منادی کرو کہ تمہارا سہ پاس آئیں خود  
 پیادے آئیں یا ہر دور دراز مقام سے ڈبلی اونٹنیوں پر آئیں تاکہ  
 یہاں آکر وہ دیکھیں کہ ان کے لیے کیسے کیسے دینی و دنیاوی نفع  
 اور ان چند مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیے  
 ہوں اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) اور اس میں سے خود بھی  
 کھائیں اور تنگ دست و محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔

برادران اسلام! یہ ہے اس حج کی ابتدا کا قصہ جسے اسلام کا پانچواں رکن قرار دیا گیا ہے۔ اس سے  
 ایک بے معلوم ہو گیا کہ دنیا میں سے پہلے جس نبی کو اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا گیا تھا کہ اس کے  
 شن کا صدر مقام تھا اور کہ وہ مرکز تھا جہاں سے یہ تبلیغ دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی، اور حج کا  
 طریقہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اس کی اطاعت میں داخل ہوں  
 وہ خواہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں سب کے سب اس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال یہاں  
 جمع ہو کر اس مرکز کے گرد طواف کریں، گویا ظاہر میں اپنی اس باطنی کیفیت کا نقشہ جما دیں کہ ان کی زندگی  
 اُس پہنچے کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنے دھڑکے کے گرد ہی گھومتا ہے۔

## حج کی تاریخ

برادران اسلام! پچھلے خطبہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ حج کی ابتداء کس طرح اور کس غرض کے لیے ہوئی تھی۔ یہ بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو اسلامی تحریک کا مرکز بنایا تھا اور یہاں سے بڑے بڑے حضرات تبلیغ علیہ السلام کو بٹھایا تھا تاکہ آپ کے بعد وہ اس تحریک کو جاری رکھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت اسماعیل کے بعد ان کی اولاد کب تک اس دین پر قائم رہی جس پر ان کے باپ ان کو چھوڑ گئے تھے۔ بہر حال چند صدیوں میں یہ لوگ اپنے بزرگوں کی تعلیم اور ان کے طریقے سب بھول بھال گئے اور فتنہ رفتہ رفتہ ان میں وہ سب مگر ایسا پیدا ہو گئیں جو دوسری جاہل قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُسی کعبہ میں جسے ایک خدا کی پرستش کے لیے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا گیا، سینکڑوں بت رکھ دیے گئے اور غضب یہ ہے کہ خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو بھی بت بنا ڈالا گیا جن کی ساری زندگی بتوں ہی کی پرستش مٹانے میں صرف ہوئی تھی۔ ابراہیم خلیف کی اولاد نے لات، منات، ہبل، نسر، یغوث، عری، اساف، ناکد اور خدا جانے کس کس نام کے بت بنائے اور ان کو پوجا۔ چاند، عطار، زہرہ، زحل اور معلوم نہیں کس کس ستارے کو پوجا۔ جن، بھوت، پریت، فرشتوں اور اپنے مردہ بزرگوں کی روحوں کو پوجا۔ ان کی جہالت کا زور یہاں تک بڑھا کہ جب گھر سے نکلتے اور اپنا قاتلانی بت انھیں پوجنے کو نہ ملتا تو راستہ چلتے ہیں جو اچھا سا چلتا سا پتھر مل جاتا اسی کو پوج ڈالتے، اور پتھر بھی نہ ملتا تو مٹی کو پانی سے گوندھ کر ایک پڑا سا بت بنا لیتے اور بکری کا دودھ چھڑکتے ہی وہ بے جان پڑا بت ان کا خدا بن جاتا جس مہنت گری اور پڑتانی کے غلات ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام نے عراق میں بڑائی کی تھی، وہ خود بھی کے گھر میں گھس آئی۔ کعبہ کو انھوں نے عوب کا ہر دوا یا بنارس بنایا، خود وہاں کے مہنت بن کر بیٹھ گئے، حج کو تیر تھ جاتا رہا تاکہ اس گھر سے جو توحید کی تبلیغ کے لیے بنا تھا، بہت پرستی کی تبلیغ کرنے لگے، اور پیجاریوں کے سارے ہتھکنڈے اختیار کر کے انھوں نے عوب کے

وقت کرنے  
س صاف کھڑا

ن آئیں خود

ایں تہا کہ  
دو دیوی بنائے

ان کو دیے

سے خود بھی

س سے

لہ اس کے

اور حج کا

داخل ہوا

ل یہاں

زندگی

دور و نزدیک آنے والے جاتیوں سے نذر چڑھا دے وصول کرنے شروع کر دیے۔ اس طرح وہ سارا کام  
یہاں ہو گیا جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کر گئے تھے اور جس مقصد کے لیے انہوں نے حج کا طریقہ جاری کیا تھا اس  
کی جگہ کچھ اور ہی کام ہونے لگے۔

اس جاہلیت کے زمانہ میں حج کی جو گنت نبی اس کا اندازہ آپس سے کر سکتے ہیں کہ یہ ایک میلہ تھا جو  
حال کے سال گزرتا تھا۔ بڑے بڑے قبیلے اپنے جہتوں کے ساتھ یہاں آتے اور اپنے اپنے پڑاؤ الگ ڈالتے۔  
ہر قبیلہ کا شاعر یا بھٹا اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی بہادری، ناموری، عزت، طاقت اور سخاوت کی تعریف  
میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا، اور ہر ایک ڈنگیں مارنے میں دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا۔  
یہاں تک کہ ایک دوسرے کی بھونک نوبت پہنچ جاتی۔ پھر فاضی کا بیچ ہوتا۔ ہر قبیلے کے سردار اپنی بڑائی بتانے  
کے لیے دیگیں چڑھاتے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اونٹ پراونٹ کاٹتے چلے جاتے۔ اس  
فضول خرچی سے ان لوگوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس میلے کے موقع پر ان کا نام سارے عرب میں  
اوپنچا ہو جائے، اور یہ چرچے ہوں کہ فلاں صاحب نے اتنے اونٹ ذبح کیے اور فلاں صاحب نے اتنے لوگوں کو کھانا  
کھلایا۔ ان مجلسوں میں راگ، دنگ، شراب خواری، زنا اور ہرقسم کی فحش کاری خوب دھڑکتے ہوئی تھی اور خدا کا خیال  
شکل ہی سے کسی کو آتا تھا۔ کعبہ کے گرد طواف ہوتا تھا، مگر کس طرح؟ عورت مرد سب تنگے ہو کر گھومتے تھے اور کہتے  
تھے کہ ہم اسی حالت میں خدا کے سامنے جائیں گے جس میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی مسجد  
میں عبادت ہوتی تھی، مگر کیسی؟ تائیاں پٹی جاتیں، سیٹیاں سجائی جاتیں اور رنگے پھونکے جاتے۔ خدا کا نام پکارا جا  
تھا، مگر کس شان سے کہتے تھے لبیک اللہم، لبیک (اللہ شریک لک، لا شریک الا مشرک، بکا، ہواک، تملک  
وہا، ملک، یعنی میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرا ہونے کی وجہ  
سے تیرا شریک ہے۔ تو اس کا بھی الگ ہے اور اس کی ملکیت کا بھی الگ ہے)۔ خدا کے نام پر قربانیاں  
بھی کرتے تھے، مگر کس بدتمیزی کے ساتھ؟ قربانی کا خون کعبہ کی دیواروں سے تھپڑا جاتا اور گوشت دروازے



پر ڈالا جاتا، اس خیال سے کہ نوقر باسد یہ خون اور گوشت خدا کو مطلوب ہے۔ حضرت ابراہیم نے حج کے چاہنے والوں کو حرام ٹھہرایا تھا اور ہدایت کی تھی کہ ان ہمینوں میں کسی قسم کی جنگ و جدل نہ ہو یہ لوگ اس حرمت کا کسی حد تک خیال رکھتے تھے، مگر جب اڑنے کو جی چاہتا تو ڈھٹائی کے ساتھ ایک سال حرام ہمینہ کو حلال کر دیتے اور دوسرے سال اس کا بدلہ کر دیتے تھے۔

پھر جو لوگ اپنے مذہب میں نیک نیت تھے، انہوں نے بھی جہالت کی وجہ سے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لیے تھے۔ کچھ لوگ بغیر زاد وادہ یہ حج کو مکمل کھڑے ہوتے اور مانگتے کھاتے چلے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نیکی کا کام تھا۔ کہتے تھے ہم توکل میں، خدا کے لہو کی طرف جارہے ہیں تو دنیا کا سامان کیوں لیں؟ عموماً حج کے سفر میں تجارت کرنے یا کمائی کے لیے محنت و مشقت کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے لوگ حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے بھی داخل عبادت سمجھتے تھے۔ بعض لوگ حج کو نکلنے تو بات کرنا ترک کر دیتے۔ اس کا نام حج مصعبہ یعنی گونگال حج تھا۔ اسی قسم کی اور غلطیوں سے شمار ہیں جن کا حال بیان کر کے میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا

یہ حالت کم و بیش دو ہزار برس تک رہی۔ اس طویل مدت میں کوئی نبی عرب میں پیدا نہیں ہوا نہ کسی نبی کی خالص تعلیم عرب کے لوگوں تک پہنچی۔ آخر کار حضرت ابراہیم کی اس دعا کے پورے ہونے کا وقت آیا جو انہوں نے کعبہ کی دیواریں اٹھاتے وقت اللہ سے مانگی تھی، یعنی پروردگار! ان کے درمیان ایک پیغمبر خود انہی کی قوم میں سے بھیجیو، جو انہیں تیری آیات سنائے اور کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ہی کی اولاد سے پھر ایک انسان کامل اٹھا جس کا نام پاک محمد ابن عبد اللہ تھا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے پنڈتوں اور مہنتوں کے خاندان میں آنکھ کھولی تھی، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس خاندان میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے کعبہ کے تیرتھ کا مہنت بنا ہوا تھا جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے ہاتھ سے خود اپنے خاندان کی مہنت پر ضرب لگائی، اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی اس پر ضرب ہی

ہ سارا کام

ایک تھا اس

۴۔ پہلا تھا جو

۵۔ ڈالتے۔

۶۔ کی تعریف

۷۔ مش کرتا۔

۸۔ بڑائی جتانے

۹۔ تے۔ اس

۱۰۔ عرب میں

۱۱۔ اتنے کو کھانا

۱۲۔ در خدا کا خیال

۱۳۔ تھے اور کہتے

۱۴۔ لام کی مسجد

۱۵۔ کا نام پکارا جاتا

۱۶۔ ملک تھلا

۱۷۔ ہونے کی وجہ

۱۸۔ پر قربانیاں

۱۹۔ ت دروازے

نہیں لگائی بلکہ ہمیشہ کے لیے اس کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی۔ پھر جس طرح حضرت ابراہیم نے تمام باطل عقیدوں اور تمام جھوٹے خداؤں کی خدائی مٹانے کے لیے جدوجہد کی تھی اور ایک خدا کی بندگی پھیلانے کی کوشش کی تھی بالکل وہی کام آنحضرت نے بھی کیا، اور پھر اسی اہلی اور بے لوث دین کو تازہ کر دیا جسے حضرت ابراہیم نے کرائے تھے۔ ۲۱ سال کی مدت میں جب یہ سارا کام آپ مکمل کر چکے تو اللہ کے حکم سے آپ نے پھر اسی طرح کعبہ کو تمام دینا کے خدا پرستوں کا مرکز بنانے کا اعلان کیا، اور پھر وہی منادی کی کہ سب طرف سے حج کے لیے اس مرکز کی طرف آؤ۔

وَاللّٰهُ عَلَى النَّاسِ رَحِيْمٌ اَلْبَيْتِ مِّنْ  
اَسْتَطَاعَ اَيُّكُمْ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ  
اللّٰهَ عَزِيْزٌ مُّقْتَدِرٌ (آل عمران - ۱۰)

اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو کوئی اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کے لیے آئے۔ پھر جو کفر کرے (یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے) تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس طرح از سر نو حج کا آغاز کرنے کے ساتھ ہی جاہلیت کی وہ ساری رسمیں بھی یک قلم مٹا دی گئیں جو پچھلے دو ہزار برس میں رواج پا گئی تھیں۔

میلے ٹھیلے اور تماشے بند کیے گئے اور حکم دیا گیا کہ جو طریقہ عبادت کا بتایا جا رہا ہے اسی طریقہ سے یہاں اللہ کی عبادت کرو۔

وَاذْكُرُوْا كَمَا هَدٰۤىكُمْ وَاَنْ كُنْتُمْ  
مِّنْ قَبْلِهِۦ لَمِنَ الضّٰلِّیْنَ (بقرہ - ۲۵)

اللہ کو یاد کرو اس طرح جیسی تمہیں اللہ نے ہدایت کی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم گمراہ لوگ تھے۔

فَلَا سِرَافَتَ وَلَا مَسُوْقَ وَلَا هٰجِلًا  
فی الحج (بقرہ - ۲۵)

رع میں نہ شہوانی افعال کیے جائیں نہ فحشی و فجور ہو نہ (طوائف) بھگڑا ہوں۔

شاعری کے دگل، باپ دادا کے کارناموں پر فخر اور جھوٹی کے بیچ سب بند کر دیے گئے۔

فَاِذَا اَقْصَيْتُمْ مِّنْ اَسْکُمْ فَاَذْكُرُوْا  
پھر جب اپنے مناسک رع ادا کر لو تو اس طرح تم اپنے اپنے

اللہ کیں گے کہ ان کے آباء گمراہ تھے اب ان کو یاد کیا کرتے تھے اب ان کو یاد کیا کرتے تھے اب ان کو یاد کیا کرتے تھے۔  
 فیاضی کے مقابلے جو محض دکھاوے اور ناموری کے لیے ہوتے تھے ان سب کا خاتمہ کر دیا گیا اور  
 اس کی جگہ ہی حضرت ابراہیم کے زمانہ کا طریقہ پھر زندہ کیا گیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جائیں تاکہ  
 خوش حال لوگوں کی قربانی سے غریب حاجیوں کو بھی کھانے کا موقع مل جائے۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (اعراف - ۳۱)  
 کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو  
 پسند نہیں کرتا۔

فَادْكُرُوا اللَّهَ الَّذِي عَلَيْهِ صَوْتُ  
 فَادَّابَّجِبَتْ جُنُوبُهُمْ أَفْكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا  
 الْقَارِئَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج - ۵)  
 ان جانوروں کو فدا کرنا جس کے نام پر قربان کرو،  
 پھر جب ان کی ٹیٹیں زمین پر ٹھہری جائیں (یعنی جب جان پوری  
 طرح نکل چکے اور حرکت باقی نہ رہے) تو خود بھی ان میں سے  
 کھاؤ اور قارئ کو بھی کھلاؤ اور حاجت مند رائل کو بھی۔

قربانی کے خون کبہ کی دیوار سے تھیرنا اور گوشت لاکر ڈالنا موقوف کیا گیا اور ارشاد ہوا  
 لَنْ يَبَالَ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَائِهَا وَلَكِنْ  
 يَسْأَلُ الْمُتَّقِيَ هَتِكُمْ (الحج - ۵)  
 اللہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری  
 برہنہ ہو کر طواف کرنے کی قسطی ممانعت کر دی گئی اور فرمایا گیا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي  
 أَحْبَبَ لِعِبَادِ (اعراف - ۳۱)  
 اے نبی ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا جو  
 اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی تھی (یعنی لباس)۔

قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (۳۱)  
 اے نبی کہو کہ اللہ تو ہر گز بے جا نہ لے گا حکم نہیں دیتا۔  
 اے آدمی زادو! عبادت کے وقت اپنی زینت (یعنی  
 لباس) پہنے رہا کرو۔



حج کے مہینوں کا اٹل پھیر کرنے اور حرام مہینوں کو حلال کر لینے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا۔  
 اِنَّمَا الشَّحْنُ عَزِيْزٌ كَثُرَ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ  
 بِهِ الْاَذْيَنَ كَثُرَ وَاِيْحُوْنَهُ عَامًا وَيَحْرِضُوْنَ  
 عَامًا لِّمَوَاطِنَ اَعْدَاةٍ مَّاحِرًا لِّلّٰهِ فَيُحِلُّوْا  
 مَّاحِرًا لِّلّٰهِ۔ (التوبہ - ۵)

بدلین کوئی دوسرا مہینہ حرام کر دیتے ہیں تاکہ جتنے جیسے اللہ نے حرام ٹھہرے ہیں ان کی تعداد تو پوری کر دی جائے مگر اس بہانے سے وہ اصل  
 اس چیز کو حلال کر دیا جائے جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔

زاد راہ یہ بیہرح کے لیے نکلنے کو ممنوع ٹھہرایا گیا اور ارشاد ہوا کہ:

تَزَوُّوْا فَاِنَّ حَيْثَ السَّرَّاحِ  
 زاد راہ ضرور لکھو کہ دنیا میں زاد راہ نہ لینا زاد آخرت میں  
 (تقویٰ - (بقرہ - ۲۵) ہے) بہترین زاد آخرت تو تقویٰ ہے۔

سفر حج میں کمائی نہ کرنے کو جو نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا، اور روزی کمانے کو ناجائز خیال کیا جاتا  
 تھا اس کی تردید کی گئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا  
 کوئی مصافقہ نہیں اگر تم کاروبار کے ذریعہ سے اپنے رب  
 فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (بقرہ - ۲۵) کا فضل تلاش کرتے جاؤ۔

گونگے حج اور بھوکے پیاسے حج سے بھی روکا گیا۔ اور ایسی ہی جاہلیت کی دوسری تمام رسموں کو  
 مٹا کر حج کو تقویٰ، خدا ترسی پاکیزگی اور سادگی و درویشی کا مکمل نمونہ بنا دیا گیا۔ حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ جب اپنے  
 گھروں سے چلو تو اپنے آپ کو تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک کر لو، شہوات کو چھوڑ دو، بیویوں کے ساتھ  
 بھی اس زمانہ میں تعلیق زن و شوہر نہ رکھو، گالی گوج اور تمام بیہودہ اعمال سے پرہیز کرو۔ کعبہ کی طرف آنے  
 والے جتنے راستے ہیں، ان سب پر بیسیوں میل دور سے ایک ایک حد مقرر کر دی گئی کہ اس حد سے آگے

پڑھتے تھے پہلے سب لوگ اپنے اپنے لباس بدل کر حرام کا فقیرانہ لباس پہن لیں تاکہ سب امیر و غریب یکساں ہو جائیں اور سب کے سب اللہ کے دربار میں فقیر بن کر عاجزانہ شان کے ساتھ حاضر ہوں۔ حرام باندھنے کے بعد انسان کا خون بہا تو درکنار، جان و تک کا شکار کرنا حرام کر دیا گیا تاکہ امن پسندی پیدا ہو، بہیمیت دور ہو جائے اور طبیعتوں پر روحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اس لیے حرام کیے گئے کہ اس مدت میں کوئی لڑائی نہ ہو، کبہ کو جانے والے تمام راستوں میں امن رہے، اور زائرین حرم کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو ان کے لیے کوئی مہل ٹھیلہ کھیل تاشہ، مانج رنگ وغیرہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے۔ نمازیں ہیں، عبادتیں ہیں، قربانیاں ہیں، کعبہ کا طواف ہے، اور کوئی پکارے تو یہ ہے:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، تیری طلب پر حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر  
لا تَشْرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنَّعْمَةَ ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، اے تیرے ہی  
لَكَ، وَ الْمَلِكُ، لا تَشْرِيكَ لَكَ۔ لیے حمد ہے، سب نعمت تیری ہی ہے، ساری بادشاہی تیری  
ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

ایسے ہی پاک صاف، بے لوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حج لله  
فلم يرفث ولم يفسق سحرجم كيو هو ولدت امه۔ جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فحش و فجور سے  
پرہیز کیا وہ اس طرح پٹا بیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

اب قبل اس کے کہ آپ کے سامنے حج کے فائدے بیان کیے جائیں، یہ بھی بتا دینا ضروری ہے  
کہ یہ فرض کیا فرض ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ  
اَسْتَطَاعَ اَلَيْسَ سَبِيْلًا لِّاَوْفَوْا مَنْ كَفَرَفَا  
اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران - ۱۰)

اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت  
رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دینا  
والوں سے بے نیاز ہے۔

یک دیا گیا۔

ر کے ساتھ

س طرح سے

ایک سال

سال اس کے

ہانے سے دھل

ازاد آخرت میں

خیال کیا جاتا

ہرے اپنے

مام رکوں کو

یگیا کہ جب شی

یوں کے ساتھ

طرف آنے

دے آگے

اس آیت میں قدرت رکھنے کے باوجود قصد حج نہ کرنے کو کفر کے نکتہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تشریح  
یحییٰ بن علی المدینی رحمہ اللہ کی ان حدیثوں سے ہوتی ہے:

من هلك زان أو مراحلاً قبل أن يبلغ  
إلى بيت الله ولم يحج قبل أن يبلغه ان يموت  
يهودياً أو نصرانياً۔

من لم يحج من الحج حاجباً  
ظاهراً أو سلطاناً جائداً أو مرضاً حاجب  
فناك ولا يحج فليجت ان شاء يهودياً  
یا ان شاء نصرانياً۔

اور اسی کی تفسیر حضرت عمرؓ نے کی جب کہا کہ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے، میرا  
جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیرہ لگا دوں۔ وہ کلمان نہیں ہیں، وہ کلمان نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور رسول و مبلغہ رسول کی اس تشریح سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ فرض کیا  
نہیں ہے کہ جی چاہے تو ادراکیے اور نہ چاہے تو مال دیجیے۔ بلکہ یہ ایسا فرض ہے کہ ہر اس کلمان کو جو کعبہ تک جانے  
آئے کا خرچ رکھتا ہو اور ہاتھ پاؤں سے مستور نہ ہو، عیش میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیے خواہ وہ دینا  
کے کسی کونے میں ہو اور خواہ اس کے اوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کسی ہی ذمہ داریاں  
ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو طاعتتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے کر کہ سال  
پر سال یہ نہی گزارتے چلے جاتے ہیں، ان کو اپنے دیمان کی خیر منانی چاہیے۔ رہتے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی خیال  
ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے، دینا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں کبوتر پرپ کو آتے جاتے  
حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں سے کہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے، اور پھر بھی حج کا



ارادۂ کب ان کے دل میں نہیں گزرتا، وہ تو قطعاً مسلمان نہیں ہیں، جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور قرآن سے جا مل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ ان کے دل میں اگر مسلمانوں کا دوا ٹھٹھا ہو تو اٹھا کر اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو ہر حال اُن کے دل میں نہیں ہے۔

اس کی شری

ستہ پچھتا

بہودی یا

وہ کی ظالم

س نے ع

ت اختیار

رتے، میرا

کہ یہ فرض

نہیں جانے

اہ وہ دینا

سہواریاں

کریکے سال

رہے کبھی خیال

اتے جاتے

رہی جاکا

## حج کے فائدے

برادران اسلام! قرآن مجید میں جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حج کی عام مناد ہی کئے کا حکم دیا تھا وہاں اس حکم کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ **لِيَشْهَدُوا مَنَاسِكَهُمْ** تاکہ لوگ یہاں آکر دیکھیں کہ اس حج میں ان کے یہ کیسے کیسے فائدے ہیں۔ یعنی یہ سفر کر کے اس جگہ جتے ہو کر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ یہ انہی کے نفع کے لیے ہے اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں ان کا اندازہ کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آدمی یہ کام کر کے خود دیکھ لے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق روایت ہے کہ جب تک انھوں نے حج نہ کیا تھا، انھیں اس معاملہ میں نزہت و تمہاکہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کوئی عبادت ہے، مگر جب انھوں نے خونِ حج کر کے ان بے حد و حساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں، تو بے تامل پکار اٹھے کہ یقیناً حج سب سے افضل ہے۔

آئیے اب میں آپ کو مختصر الفاظ میں اس کے فائدے بتاؤں۔

دنیا کے لوگ عموماً دو ہی قسم کے سفروں سے واقف ہیں۔ ایک فروہ جو روٹی کمانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ جو سیر و تفریح کے لیے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں قسم کے سفروں میں رہتی غرض اور اپنی خواہش تو دنیا کو باہر نکلنے پر آمادہ کرتی ہے۔ مگر پھوڑا تپا تو اپنی غرض کے لیے۔ بال بچوں اور عزیزوں سے جدا ہوتا ہے تو اپنی حالتِ مال خرچ کرتا ہے یا وقت صرف کرتا ہے تو اپنے مطالبے کے لیے۔ لہذا اس میں قربانی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ مگر یہ سفر جس کا نام حج ہے اس کا معاملہ اور سب سفروں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سفر اپنی کسی غرض کے لیے یا اپنے نفس کی کسی خواہش کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کے لیے ہے اور اس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اس سفر پر کوئی شخص اس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہ

ہو، اُس کا خوف نہ ہو، اور اس فرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو پس جو شخص اپنے گھر بار سے ایک لمبی مدت کے لیے علیحدگی، اپنے عزیزوں سے جدائی، اپنے کاروبار کا نقصان، اپنے مال کا خرچ، اور سفر کی تکلیفیں گوارا کر کے حج کو نکلتا ہے، اس کا نکلنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے اندر خوف خدا اور محبت خدا بھی ہے اور فرض کا احساس بھی، اور اس میں یہ طاقت موجود ہے کہ اگر کسی وقت خدا کی راہ میں نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نکل سکتا ہے، تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، اپنے مال اور اپنی راحت کو خدا کی خوشنودی پر قربان کر سکتا ہے۔

پھر جب وہ ایسے پاک ارادہ سے سفر کے لیے تیار ہوتا ہے تو اس کی طبیعت کا حال کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جس دل میں خدا کی محبت کا شوق بھرکا اٹھا ہو اور جس کو اُدھر کی لگ گئی ہو اس میں پھر نیک ہی نیک خیال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرتا ہے، لوگوں سے اپنا کہا سنا بچھوٹاتا ہے، کسی کا حق اس پر آتا ہو تو اُسے ادا کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ خدا کے دربار میں بندوں کے حقوق کا بوجھ لاوے ہوئے نہ جائے بُرائی سے اس کے دل کو نفرت ہونے لگتی ہے، اور قدرتی طور پر بھلائی کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر سفر کے نکلنے کے ساتھ ہی جتنا جتنا وہ خدا کے گھر کی طرف بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اتنا اس کے اندر نیکی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو اس سے اذیت نہ پہنچے، اور جس کی حقنی خدمت یا بُد ہو سکے کرے۔ بدکلامی یا بیہودگی، یا بے حیائی، یا بددیانتی کرنے سے خود اس کی اپنی طبیعت اندر سے روکتی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے راستے میں چل رہا ہے۔ حرم الہی کا مسافر ہو اور پھر بدکاریاں کرتا ہو جائے۔ ایسی شرم کی بات کسی سے کیسے ہو؟ اُس کا توبہ سفر پورا کا پورا عبادت ہے، اس عبادت کی حالت میں ظلم اور فحش کا کیا کام؟ دوسرے تمام سفرؤں کے برعکس یہ ایسا سفر ہے جو ہر دم آدمی کے نفس کو پاک کرتا رہتا ہے، اور یوں سمجھو کہ یہ ایک بہت بڑا علاج کو رس ہے جس سے لازماً ہر مسلمان کو گنہگار نہ ہوتا ہے جو حج کے لیے جائے۔

سفر کا ایک حصہ ختم کر چکنے کے بعد ایک خاص حدیسی آتی ہے جس سے کوئی مسلمان جو مکہ جانا چاہتا ہے، ہر اہرام باندھنے وغیرہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ اہرام کیا ہے؟ ایک فقیرانہ لباس جس میں ایک تہہ بند، ایک چادر اور چوٹی

ی کی کہنے  
لڑکیوں کے  
سے شائدا  
ہے جب کہ  
حج ذکیا  
وں نے  
اٹھے کہ

یہ کیا جاتا  
و امثالہ  
تو اپنی طرف  
ہے۔ مگر سفر  
پنے نفس کی  
نے مقرر کیا  
کی محبت نہ



کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جو کچھ تم تھے سو تھے، مگر اب جو تمہیں خدا کے دربار میں  
 بنا ہے تو فقیر بن کر چلو، ظاہر میں بھی فقیر بنو اور دلوں کے فقیر بننے کی کوشش کرو، رنگین کپڑے اور آسائش کے بنا  
 بھی تمہارے سادہ اور درویشانہ طرز کا لباس پہن لو، سوزے نہ پہنو، سر کھلا رکھو، خوشبو نہ لگاؤ، بال نہ بناؤ، ہر قسم کی ریشم  
 سے پرہیز کرو، عورت اور مرد کا تعلق نہ کرو، بلکہ ایسی حرکات و سکنات اور ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرو جو اس  
 تعلق کا شوق یا اس کی یاد دلانے والی ہوں، شکار نہ کرو، بکشتہ کاری کو نہ کار کا نشان دینے یا اس کا پتہ بتانے کی بھی  
 اجتناب کرو۔ ظاہر میں جب یہ رنگ اختیار کرو گے تو باطن پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اندر سے تمہارا دل بھی فقیر  
 بنے گا، ہر وغور نہکے گا، مسکینی اور امن پسندی پیدا ہوگی، دنیا اور اس کی لذتوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلاشیں تھاری  
 روح کو لگ گئی تھیں وہ صاف ہوں گی، اور خدا پرستی کی کیفیت تمہارے اوپر بھی طاری ہوگی اور اندر بھی۔

احرام باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں، جن کو وہ ہر نماز کے بعد اور ہر بندہ پر  
 چڑھتے وقت اور ہر پستی کی طرف اترتے وقت اور ہر قافلے سے ملتے وقت، اور ہر روز صبح و شام سے بیدار ہو کر بندہ  
 آواز سے پکارتا ہے، وہ یہ ہیں:-

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ، لَبَّيْكَ، لَا شَرَّ يَلْتُ لَبَّيْكَ، اِنِّ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ لَكَ وَ

الْمَلَأْتُ، لَا شَرَّ يَلْتُ لَكَ۔

یہ دراصل حج کی اس نماز کے عام کا جواب ہے جو حکم الہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ یہ نماز  
 چار ہزار برس ہوئے جب تک کہ اس منادی نے پکارا تھا کہ "اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے  
 ہر گوشے سے آؤ، خواہ بیدل آؤ خواہ ساریوں پر آؤ" جواب میں آج تک حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہتا ہے  
 "میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں میں صرف تیری طبعی پر حاضر ہوں۔ حمد تیرے  
 لیے ہے، نعمت تیری ہے، ملک تیرا ہے، کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں"۔ اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ  
 حاجی کا تعلق بھی اور خالص خدا پرستی کی تحریک سے جو جاتا ہے جو حضرت ابراہیم دابھیل کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔

سارے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے بہت جاتا ہے، یوں معلوم ہوئے لگتا ہے کہ گویا ادھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیم پکار رہے ہیں اور ادھر سے یہ جواب دے رہا ہے۔ جواب دیتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔ جس جوں اگے بڑھتا ہے شوق کی کیفیت اور زیادہ طاری ہوتی جاتی ہے۔ ہر چڑھاؤ اور ہر اتار پر اس کے کانوں میں اللہ کے منادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے۔ ہر فائدہ اسے وہیں کا پیرامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اس کا پیغام سن کر پکارتا ہے "ہیں حاضر! میں حاضر! ہر نئی صبح اس کے لیے گویا پیغام دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں ہلکے کھوٹے سی یہ نبی اللہہ لبیدت کی صدا لگانے لگتا ہے۔ غرض یہ بار بار کی صدا "حرام کے اُس فقیرانہ لباس اس کی اس حالت، اور منزل بہ منزل کعبہ کے قریب تر ہوتے جانے کی اس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سامان باندھ دیتی ہے کہ حاجی عشق الہی میں ازخود رفتہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بس اک یا دوست کے سوا آگ اس گھر میں لگی یہی کہ جو تھما چل گیا!"

اس شان سے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور جاتے ہی سیدھا اس آستانے کا رخ کرتا ہے جس کی طرف بلایا گیا تھا۔ آستانہ دوست کو چومتا ہے، پھر اپنے عقیدے، اپنے ایمان، اپنے دین و مذہب کے اس مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے اور ہر حکم آستانہ بوسی سے شرف و آستانہ بوسی ہی پر ختم کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعتیں سلامی کی پڑھتا ہے، پھر وہاں سے نکلی کر کوہ صفا پر چڑھتا ہے اور وہاں سے جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو پکارا ٹھٹھتا ہے۔

لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لا الدین ولو کما الکافرون۔

مذہب جو اس کی تشریح اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد علیہما السلام نے آستانہ بوسی کے لیے اس جگہ کو منتخب کر لیا تھا، نہ بجائے خود اس پتھر میں کوئی بات نہیں ہے کہ چوٹ کے لیے اسی کی کچھ خصوصیت ہو، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں تو نصیب ایک پتھر ہے اگر رسول نے تجھے نہ چوا دیتا تو میں تجھے نہ چومتا۔

موجود ہیں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی ہم بندگی نہیں کرتے، ہماری اطاعت صرف اس کے لیے خاص ہے  
خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

پھر وہ صفا اور مردہ کے درمیان دوڑتا ہے، گویا اپنی حالت سے اس بات کا نفرت دے رہا ہے کہ  
یونہی اپنے مالک کی خدمت میں اور یونہی اس کی خوشنودی کی طلب میں ہمیشہ سہی کرتا رہے گا۔ اس سہی کے  
دوران میں کبھی اس کی زبان سے نکلتا ہے

اللھما استعما سنی سبنتہ نبیک، وتوفنی علی ملتہ داعذ فی من مصلات الفتن  
”خدا یا! مجھ سے کام لے، اسی طریقہ پر جو تیرے نبی کا طریقہ ہے، اور مجھے موت دے اسی راستہ پر جو تیرے نبی کا  
راستہ ہے۔ اور زندگی میں مجھے بچاؤ، ان فتنوں سے جو راہ راست سے بھڑکانے والے ہیں۔“  
اور کبھی کہتا ہے

رب اغفر واسمہ، وتجاوز عما قلہ، انک انت الاعز الاکبر۔ ”پروردگار! اسمائے  
کریمہ رحم کر، میرے قصوروں کو تو جانتا ہے، ان سے درگزر فرما، تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرا کریم  
بھی سب سے بڑھ کر۔“

اس کے بعد وہ گویا اللہ کا پیاسی بن جاتا ہے اور اب پانچ چھ روز اس کو کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔  
ایک دن مٹی میں پڑاؤ ہے، دوسرے دن عرق میں کیمپ ہے اور خطبہ میں کمانڈر کی ہدایات ہی جاری ہیں،  
رات فردغ میں جا کر چھاؤنی ڈالی جاتی ہے، دن نکلتا ہے تو مٹی کی طرت کو قح ہوتا ہے اور وہاں اُس ستون پر  
کنکریوں سے چاند ماری کی جاتی ہے جہاں تک صحابہ کرام کی فوجیں کعبہ کو ڈھاتے کے لیے پہنچ گئی تھیں، ہر  
کنکری مارنے کے ساتھ اللہ کا پیاسی کہتا جاتا ہے اللہ اکبر، غم اللہ شیطا وجذبہ۔ اور اللھم  
تصدیقاً بکتابلک واتباعا لسنۃ نبیک۔ کنکریوں کی اس چاند ماری کا مطلب یہ ہے کہ خدا  
جو تیرے دین کو مٹانے اور تیرا بول بچا کرنے، اٹھے گا میں اس کے مقابلہ میں تیرا بول بالا کرنے کے لیے



یوں بڑوں گاتہ۔ پھر اسی جگہ قربانی کی جاتی ہے تاکہ راہ خدا میں خون بہانے کی نیت اور غم کا اظہار عمل سے ہو جائے۔ پھر وہاں سے کعبہ کا رخ کیا جاتا ہے، جیسے پہاڑی اپنی ڈیوٹی ادا کر کے ہیڈ کوارٹر کی طرف سرخ رویم واپس آ رہا ہے۔ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر حرام کھل جاتا ہے، جو کچھ حرام کیا گیا تھا وہ پھر حلال ہو جاتا ہے، اور اب حاجی کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے۔ اس معمولی زندگی کی طرف پلٹنے کے بعد حاجی منی میں جا کر کیمپ کرتا ہے اور دوسرے دن چھہرے ان تین بتوں پر باری باری نکلتو۔ یوں سے پھر چاند ماری کرتا ہے جن کو حیرات کہتے ہیں اور جو دراصل اُس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یاد گاہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال میں حج کے موقع پر اللہ کے اس گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی جڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کر دیا تھا۔ تیسرے دن پھر ان بتوں پر ننگ باری کرنے کے بعد حاجی مکہ ملتتا ہے اور سات دفعہ اپنے دین کے مرکز کا طواف کرتا ہے۔ یہ طواف وداع ہے اور اس سے فارغ ہونے کے معنی حج سے فارغ ہو جانے کے ہیں۔

یہ ساری تفصیل جو آپ نے منی اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حج کے ارادے اور اس کی تیاری سے لے کر اپنے گھر واپس آنے تک، دو تین مہینے کی مدت میں، کتنے زبردست اثرات آدمی کے دل اور دماغ پر پڑتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی ہے، مال کی قربانی ہے، آرام و آسائش کی قربانی ہے، اور یہ سب کچھ اللہ کی خاطر ہے کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہیں۔ پھر اس سفر میں پرہیز گاری و تقویٰ کے ساتھ مسلسل خدا کی یاد اور خدا کی طرف شوق و عشق کی جو کیفیت آدمی پر گزرتی ہے وہ اپنا ایک مستقل نقش دل پر

ملے عام طور پر مشہور یہ ہے کہ کنکریاں مارنے کا یہ فعل اس واقعہ کی یاد گاہیں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم کو پیش آیا تھا۔ یہی حضرت اسماعیل کی قربانی دیتے وقت شیطان نے کہا آپ کو بہکایا تھا اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں، یا جب حضرت اسماعیل کے فدیہ میں بیٹا بڑھا آپ کو قربانی کے لیے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا اور اس کو آپ نے کنکریاں ماری تھیں۔ لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں ہے کہ رمی جمار کی علت یہ ہے۔

چھوڑ جاتی ہے جس کا اثر برسوں قائم رہتا ہے۔ پھر حرم کی سرزمین میں پہنچ کر قدم قدم پر انسان ان لوگوں کے آثار دیکھتا ہے جنہوں نے اللہ کی بندگی و اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کیا دنیا بھر سے لڑے مصیبتیں اٹھائیں، جلا وطن ہوئے، ظلم پر ظلم ہے، مگر بالآخر اللہ کا حکم بلند کر کے چھوڑا اور ہر اس باطل قوت کا سر بیچا کر کے ہی دم لیا جو انسان سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنا چاہتی تھی۔ ان آیات مینات اور ان شمارتہ کے کو دیکھ کر ایک خدا پرست آدمی غم و ہمت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق لے سکتا ہے، شاید کسی دوسری چیز سے نہیں لے سکتا۔ پھر طواف کعبہ سے اس کو مرکز دین کے ساتھ جو وابستگی ہوتی ہے اور مناسک حج میں دوڑ دھوپ، کو حق اور قیام سے عبادت و زندگی کی جو شقی اسے کرائی جاتی ہے، اسے اگر آپ نماز اور روزہ اور تہ کو ق کے ساتھ ملا کر دیکھیں، تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ ساری چیزیں کسی بہت بڑے کام کی ٹریننگ ہیں جو اسلام مسلمانوں سے لینا چاہتا ہے۔ اسی لیے ہر مسلمان پر جو کعبہ تک جانے کی قدرت رکھتا ہو، حج لازم کر دیا گیا ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہر زمانہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ایسے موجود رہیں جو اس پوری ٹریننگ سے گزر چکے ہوں۔

لیکن حج کے فائدوں کا پورا اندازہ کرنے سے آپ قاصر ہیں گے حبیب تک یہ بات آپ کے پیش نظر نہ ہو کہ ایک ایک مسلمان اکیلا اکیلا حج نہیں کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک ہی زمانہ رکھا گیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان مل کر ایک وقت میں حج کرتے ہیں۔ پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے تو آپ کے سامنے صرف اتنی بات آتی ہے کہ فرداً فرداً ایک ایک حاجی پر اس عبادت کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اب میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ دینا بھر کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک وقت مقرر کر کے ان فائدوں کو کس طرح لاکھوں درجے بڑھا دیا گیا ہے۔ اسلام کا کمال یہی ہے کہ یہ بیک کر شتمہ دو کار نہیں بلکہ ہزار کا زکال لے جاتا ہے۔ ناز علیحدہ پڑھتے ہی میں کچھ کم فائدے دے رہے تھے مگر اس کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر، اور امامت کا قاعدہ مقرر کر کے اور جمعہ و عیدین کی بڑی جماعتیں بنا کر اس کے فائدوں کو بے حد و حساب بڑھا دیا۔ روزہ فرداً فرداً رکھنا بھی اصلاح اور تربیت کا بہت بڑا ذریعہ تھا، مگر سب مسلمانوں کے لیے رمضان کا ایک ہی مہینہ مقرر کر کے اس کے

فائدے اتنے بڑھا دیے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ زکوٰۃ الگ الگ دینے میں بھی بہت خوبیاں تھیں، مگر اس کے لیے بیت المال کا نظام مقرر کر کے اس کی منفعت اتنی بڑھا دی کہ آپ اس کا اندازہ اس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو، اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں کہ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع کر کے ایک نظام کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کرنے سے کتنی خیر و برکت ہوتی ہے۔ یہ بھی معاملہ جمع کا بھی ہے کہ اکیلا اکیلا آدمی جمع کرے تب بھی اس کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو سکتا ہے، مگر تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی وقت میں مل کر جمع کرنے کا قاعدہ مقرر کر کے تو اس کے فائدوں کی کوئی حد باقی ہی نہیں رکھی گئی۔ یہ مضمون ذرا تفصیل چاہتا ہے۔ اس لیے ان شمار اندہ آئندہ خطبہ میں اس کو تفصیل بیان کر دوں گا۔

جمع کے فائدے

کے شمار  
ٹھکانیں جلا

کے ہی دم

کو دیکھ کر

یز سے نہیں

زد صوبہ

کے ساتھ ملا کر

سے لینا چاہتا

ہر جہاں تک

۔

پ کے پیش نظر

یاب ہی زمانہ

نے بیان کیا

ت کا کیا اثر تھا

ت فائدوں کو

بحال لے جاتا ہے

کا قاعدہ مقرر

دزدہ فردا فردا

جینہ مقرر کر کے



## حج کا عالمگیر اجتماع

برادران اسلام! آپ جانتے ہیں کہ ایسے مسلمان جن پر حج فرض ہے یعنی جو کعبہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتے ہیں ایک دو تو ہوتے نہیں ہیں۔ ہر بستی میں ان کی کچی چھائی تعداد ہوتی ہے۔ ہر شہر میں ہزاروں اور ہر ملک میں لاکھوں ہی ہوتے ہیں۔ اور ہر سال ان میں سے بہت لوگ حج کا ارادہ کر کے نکلتے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجیے کہ دینا کے کونے کونے میں جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں حج کا موسم آنے کے ساتھ ہی کس طرح اسلام کی زندگی جاگ اٹھتی ہے کیسی کچھ حرکت پیدا ہوتی ہے اور کتنی دیر تک جاتی ہے۔ تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک مختلف جگہ سے مختلف لوگ حج کی تیاریاں کر کے نکلتے ہیں اور اُدھر ذی الحجہ کے آخر سے صفر، ربیع الاول، بلکہ ربیع الثانی تک واپسیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس چھ سات مہینہ کی مدت تک گویا مسلسل تمام مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت جاری رہتی ہے۔ جو لوگ حج کو جانتے اور حج سے واپس آتے ہیں وہ تو دینی کیفیت میں سرشار ہوتے ہی ہیں، مگر جو نہیں جانتے ان کو بھی حاجیوں کے رخصت کرنے اور ایک ایک بستی سے ان کے گزرنے اور پھر واپسی پر ان کا استقبال کرنے اور ان سے حج کے حالات سننے کی وجہ سے عقور یا بہت اس کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی جاتا ہے۔

جب ایک ایک حاجی حج کی نیت کرتا ہے اور اس نیت کے ساتھ ہی اس پر خوف خدا اور پرہیزگاری اور توبہ و استغفار اور نیک اخلاق کے اثرات چھانے شروع ہوتے ہیں اور وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، معاملہ داروں اور ہر قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہونا اور اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہے کہ گویا اب یہ وہ پہلا شخص نہیں ہے، بلکہ خدا کی طرف لوگ جانے کی وجہ سے اس کا دل پاک ہو رہا ہے، تو اندازہ کیجیے کہ ایک ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہوگا، اور اگر ہر سال دینا کے مختلف حصوں میں ایک

آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کے لیے تیار ہوتے ہوں، تو ان کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی ہوگی، پھر حایوں کے قافلے جہاں جہاں سے گزرتے ہوں گے، وہاں ان کو دیکھ کر، ان سے ملکر، ان کی لبیک لبیک کی آوازیں سن کر کتنوں کے دل گراتے ہوں گے، کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہوگی اور کتنوں کی سوئی ہوئی روح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہو جاتی ہوگی، پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر کربلا ہی اپنی بستیوں کی طرف دنیا کے مختلف حصوں میں حج کی کیفیتوں کا خاریبے ہوئے پٹے ہوں گے اور لوگ ان سے ملاقات کرتے ہوں گے تو ان کی زبان حال اور زبان حال سے اللہ کے گھر کا ذکر سن کر کتنے بے شمار حلقوں میں دینی جذبات تازہ ہو جاتے ہوں گے۔

پس اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقویٰ کا موسم ہے اسی طرح حج کا زمانہ تمام روسے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اس طریقہ سے شریعت بنانے والے حکیم و دانے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ ان شاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالمگیر تحریک بٹ نہیں سکتی۔ دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے مگر یہ کعبہ کا مرکز اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے کہ جب تک وہ حرکت کرتا رہے، آدمی مر نہیں سکتا، چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ہلے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ بالکل اسی طرح اسلامی دنیا کا یہ دل بھی ہر سال اس کی دور دراز رگوں تک سے خون کھینچتا رہتا ہے اور پھر اس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس کے دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلنے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے اس وقت تک یہ بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے، خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی زار و زار ہو۔

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجیے کہ ادھر مشرق سے، ادھر جنوب سے، ادھر مغرب سے، ادھر شمال سے ان گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، مگر مرکز کے قریب

نی قدرت

در ملک

تصور کیجیے

ام کی

سے لے کر

سے صفر

یا سلسل

اپس آتے

ور ایک

نی دوسرے

پہر ہزار

توں،

اے کہ گویا

تو نہ لڑ

ع میں ایک

ایک خاص حد پر پہنچے ہی سب اپنے اپنے قوی لباس اتار دیتے ہیں اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا  
سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطان عالم  
اور بادشاہ زمین و آسمان کی یہ فوج جو دنیا میں ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آ رہی ہے، ایک نیک بادشاہ کی  
فوج ہے، ایک ہی کی اطاعت، بندگی کا نشان ان سب پر لگا ہوا ہے، ایک ہی کی وفاداری کے رشتہ میں یہ  
سب بندھے ہوئے ہیں، اور ایک ہی دار السلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہونے کے لیے  
جار ہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے پسائی جی بیقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک  
نعرہ بلند ہوتا ہے۔ لبیک، اللہم لبیک، لا شریک لک لبیک۔ بونے کی زبانیں سب کی  
مختلف ہیں، مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے، دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا  
چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں اور سب کے سب نمازیں مل کر ایک ہی طرز پر پڑھتے  
ہیں سب کا ایک یونیفارم سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت سب کی ایک ہی زبان میں نماز  
سب ایک امام اکبر کے ہی اشارے پر اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدہ کرتے ہیں اور سب اسی ایک قرآن  
عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں  
خدا پرستوں کی ایک عالمگیر جماعت بنتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے ایک زبان ہو کر لبیک لبیک کے نعرے بلند  
کرتے ہوئے چلتے ہیں، جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں، جب قافلوں کے ایک دوسرے  
سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اٹھتی ہیں، جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں  
یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے جس کے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو  
بھول جاتا ہے اور اس لبیک کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کبھی پہنچ کر حجام دینا سے آنے ہوئے  
آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا، پھر سب کا ایک ساتھ صفا اور مردہ کے درمیان سی کرنا،  
پھر سب کا مٹی میں کیپ لگانا، پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سنا، پھر سب



مزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا، پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف بٹلنا، پھر سب کا متفق ہو کر حجرہ عقبہ پر نکلنے کی چاند ماری کرنا، پھر سب کا قرابیناں کرنا، پھر سب کا ایک ہی مرکز کے گرد اکر دنا، پڑھنا، یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع، اور وہ بھی ایسی ایک دلی و یک جہتی کے ساتھ، ایسی ہم خیالی و ہم آہنگی کے ساتھ، ایسے پاک جذبات، پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ <sup>حقیقت</sup> میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں، مگر کس طرح؟ میدان جنگ میں، لگے کاٹنے کے لیے۔ یا صلح کانفرنسوں میں، ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے لیے۔ یا مجلس اقوام میں، تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے، فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال بھیلے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا، محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا، قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا، خیالات، اعمال اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ملنا، اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا، کیا نعمت اسلام کے سوا ہنی نوع انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر نسخہ کس نے تجویز کیا ہے؟

اسلام صرف اتنا ہی نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر یہاں اور بہت کچھ ہے۔

اس نے لازم کیا ہے کہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں کوشش کی جائے کہ کعبہ کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے۔ یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی سب سے بڑی دوا کی تحریک ہے۔ اور اگر دنیا کی سیاست کی باگیں اسلام کے ہاتھوں میں ہوں تو کم از کم سال کا ایک تہائی

حصہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنگ و فارت گری سے خالی رہ سکتا ہے۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا حرم دیا ہے جو قیامت تک کے لیے امن کا شہر ہے جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جاسکتا جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں جس کی زمین کا کاٹنا تک نہیں توڑا جاسکتا جس میں علم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ تک نہ لگاؤ۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا شہر دیا ہے جس میں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے جس میں غلہ کو اور دوسری عام ضرورت کی چیزوں کو روک کر ہنگامہ کرنا "الحاد" کی حد تک پہنچ جاتا ہے جس میں ظلم کرنے والے کو اللہ نے دھکی دی ہے کہ سُبْحَانَكَ رَبِّیْ اَعِیْذُ بِكَ اَسْءَلُكَ بِكَرَمِ رَحْمَتِكَ اَنْ تَجْعَلَ لِي مَخْرَجًا۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا مرکز دیا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ سَوَاءٌ لَّیْکَ اَکْثَرُ فِیْہِمْ اَوْ اَبَا۔ یعنی وہاں تمام ان انسانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں جو خدا کی بادشاہی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی تسلیم کر کے اسلام کی برادری میں داخل ہو جائیں۔ خواہ کوئی شخص امریکہ کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا، یا چین کا یا ہندوستان کا، اگر وہ مسلمان ہو جائے، تو مکہ کی زمین پر اس کے وہی حقوق ہیں جو خود مکہ والوں کے ہیں۔ پورے حرم کے علاقے کی حیثیت گویا مسجد کی حیثیت ہے کہ جو شخص مسجد میں جا کر کسی جگہ اپنا ڈیرہ جماوے وہ جگہ اسی کی ہے، کوئی اس کو وہاں سے اٹھا نہیں سکتا، نہ اس سے کرایہ مانگ سکتا ہے، مگر وہ اس جگہ خواہ تمام عمر بٹھارے ہو اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ جگہ میری ملک ہے نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے۔ نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا ہے حتیٰ کہ جب وہ شخص اس جگہ سے اٹھ جائے تو دوسرے کو بھی وہاں ڈیرہ جانے کا وہی حق ہے جیسا اس کو تھا۔ بالکل وہی حال پورے حرم کے حرم کا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مکہ مناسک لمن سبق یعنی جو شخص اس شہر میں کسی جگہ آکر پہلے اتر جائے وہ جگہ اسی کی ہے۔ وہاں کے مکاتوں کا کرایہ لینا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اپنے مکانات کے گرد مہنوں پر دروازے نہ لگاؤ، تاکہ جو چاہے تمہارے

صحن میں اکڑ ٹھیکر کے۔ بعض فقہار نے فرمایا کہ یہاں تک کہا ہے کہ شہر مکہ کے مکانات پر نہ کسی کی ملکیت ہے اور نہ وہ وراثت میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں؟

بھائیو! یہ ہے وہ حج جس کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اسے کر کے دیکھو، اس میں تمہارے بیٹے کتنے منافع ہیں۔ میری زبان میں اتنی قدرت نہیں کہ اس کے سارے منافع گنا سکوں تاہم اس کے فائدوں کا یہ ذرا سا خاکہ جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اُسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد ذرا میرے جلے دل کی کچھ باتیں بھی سن لو تم نسلی مسلمانوں کا حال اس بچے کا سا ہے جو میرے کی کان میں پیدا ہو۔ ایسا بچہ جب ہر طرف ہیرے ہی ہیرے دیکھتا ہے

اور پتھروں کی طرح ہیروں سے کھلتا ہے تو ہیرے اس کی نگاہ میں ایسے ہی بے قدر ہو جاتے ہیں جیسے پتھر۔ یہی حالت تمہاری بھی ہے کہ دنیا جن نعمتوں سے محروم ہے، جن سے محروم ہو کر سخت مصیبتیں

اور تکلیفیں اٹھا رہی ہے، اور جن کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہے، وہ نعمتیں تم کو بغیر کسی تلاش و جستجو کے صرف اس وجہ سے مل گئیں کہ خوش قسمتی سے تم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہو۔ وہ

کلمہ توحید جو انسان کی زندگی کے تمام پیچیدہ مسائل کو سلجھا کر ایک صاف سیدھا راستہ بنا دیتا ہے، پچھن سے تمہارے کانوں میں پڑا۔ نماز اور روزے کے وہ کیا سے زیادہ قیمتی نسخے جو آدمی

کو جانور سے انسان بناتے ہیں، اور انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی، ہمدرد اور دوست بنانے کے لیے جن سے بہتر نسخے آج تک دریافت نہیں ہو سکے ہیں، تم کو اٹکھ کھوتے ہی خود بخود باپ

دادا کی میراث میں مل گئے۔ زکوٰۃ کی وہ بے نظیر ترکیب جس سے محض دلوں ہی کی ناپاکی دھوئیں ہوتی، بلکہ دنیا کے مایات کا نظام بھی درست ہو جاتا ہے جس سے محروم ہو کر تم خود اپنی

آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا منہ لوچتے لگتے ہیں، یقیناً وہ

لو کیا

توڑا

ہمری

نے

اد-

لیم کر کے

ت کا،

علاتے

تی اس کے

کہنے کا

شخص اس

مال پورا

ن کی مگر

ن الدینہ

نہارے



اس طرح مل گئی جیسے کسی حکیم حادثق کے بچے کو بغیر محنت کے وہ نسخے مل جاتے ہیں جنہیں دوسرے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح حج کا وہ عظیم انسان طریقہ بھی جس کا آج دنیا میں کہیں جواب نہیں ہے، جس سے زیادہ طاقت ور و زریعہ کسی تحریک کو چار دانگ عالم میں پھیلائے اور ابد الابد تک زندہ رکھنے کے لیے آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے جس کے سوا آج دنیا میں کوئی عالمگیر طاقت ایسی موجود نہیں ہے کہ آدم کی ساری اولاد کو زمین کے گوشے گوشے سے کھینچ کر خدائے واحد کے نام پر ایک مرکز پر جمع کر دے، اور بے شمار نسلوں اور قوموں کو ایک خدا پرست، نیک نیت، خیر خواہ برادری میں پیوست کر کے رکھ دے، ہاں ایسا بے نظیر طریقہ بھی تعین بغیر کسی جستجو کے بنا بنایا اور صد ہا برس سے چلتا ہوا مل گیا۔ مگر تم نے ان نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی، کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ تم کو اپنے گھر میں اٹھ آ گئیں۔ اب تم ان سے بالکل اسی طرح کھیل رہے ہو جس طرح ہیرے کی کان میں پیدا ہونے والا نادان بچہ ہیروں سے کھیلتا ہے اور انھیں لنگڑ پتھر سمجھنے لگتا ہے۔ پتی جہالت اور نادانی کی وجہ سے جس بڑی طرح تم اس زبردست دولت اور طاقت کو قانع کر رہے ہو اس کا نظارہ دیکھ کر دل جل اٹھتا ہے۔ کوئی کہاں سے اتنی قوت برداشت لائے کہ پتھر پھوڑوں کے ہاتھوں جو ہر کو برباد ہوتے دیکھ کر ضبط کر سکے؟

میرے عزیزو! تم نے شاعر کا یہ شعر تو سنا ہی ہو گا کہ

خبر عیسیٰ اگر بکھ رود  
بہوں بیاید ہنوز خرباشد

یعنی گدھا خواہ عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر ہی کا کیوں نہ ہو مکہ کی زیارت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر وہ وہاں ہوئے تب بھی جیسا گدھا تھا ویسا ہی رہے گا۔

نماز روزہ ہویا حج یہ سب چیزیں مجھ بوجھ رکھتے دے انسانوں کی تربیت کے لیے ہیں جانوروں کو سدھانے کے لیے نہیں ہیں۔ جو لوگ نہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھیں نہ ان کے مفا

سے کچھ غرض رکھیں، نہ اُس فائدے کو حاصل کرنے کا ارادہ ہی کہ نہ جو ان عبادتوں میں بھرا ہوا ہے، بلکہ جن کے داغ میں ان عبادتوں کے مقصد و مطلب کا سرے سے کوئی تصویر ہی نہ ہو، وہ اگر ان افعال کی نقل اس طرح اتار دیا کریں کہ جیسا اگلوں کو کرتے دیکھا دیا ہی خود بھی کر دیا تو اس سے آخر کس نتیجہ کی توقع کی جاسکتی ہے؟ بد قسمتی سے عموماً آج کل کے مسلمان اسی طریقہ سے ان افعال کو ادا کرتے ہیں۔ ہر عبادت کی ظاہری شکل جیسی مقرر کر دی گئی ہے ویسی ہی بنا کر رکھ دیتے ہیں، مگر وہ شکل روح سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر سال ہزار ہا زائرین مرکز اسلام کی طرف جاتے ہیں اور حج سے مشرف ہو کر پلٹتے ہیں، مگر نہ جاتے وقت ہی ان پر وہ صلی کیفیت طاری ہوتی ہے جو ایک مسافر حرم میں ہونی چاہیے، نہ وہاں سے واپس آ کر ہی ان میں کوئی اثر حج کا پایا جاتا ہے، اور نہ اس سفر کے دوران میں وہ ان آبادیوں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں پر اپنے اخلاق کا کوئی اچھا نقش بٹھاتے ہیں جن پر سے ان کا گذر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اپنی گندگی، بے تمیزی، اور اخلاقی پستی کی نمائش کر کے اسلام کی عزت کو بڑے لگاتے ہیں۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر بجائے اس کے کہ دین کی بزرگی کا مسکے غیروں پر ہے، خود اپنوں کی نگاہوں میں بھی وہ بے وقعت ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج خود ہماری اپنی قوم کے بہت سے نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اس حج کا فائدہ تو ہمیں بھیجھاؤ۔ حالانکہ یہ حج وہ چیز تھی کہ اگر اسے اس کی اصلی شان کے ساتھ ادا کیا جاتا تو کافر تک اس کے فائدوں کو علانیہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔ کسی تحریک کے ہزاروں لاکھوں ممبر ہر سال دینا کے ہر حصے سے کچھ کر ایک جگہ جمع ہوں اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، ملک ملک اور شہر شہر سے گزرتے ہوئے اپنی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اخلاق کا اظہار کرتے جائیں، جہاں جہاں سے گزریں وہاں اپنی تحریک کے اصولوں کو نہ صرف پرچار کریں بلکہ اپنے احرام کے یونین فارم سے اور اپنی احرام بند زندگی

سے ان کا پورا پورا منظرہ بھی کر دیں، اور یہ سلسلہ دس بیس برس نہیں بلکہ صدیوں تک سال سال چلتا رہے۔ بھلا غور تو کیجیے کہ یہ بھی کوئی ایسی چیز تھی کہ اس کے فائدے پوچھنے کی کسی کو ضرورت پیش آتی؟ خدا کی قسم، اگر یہ کام صحیح طریقہ پر ہوتا تو امدت تک اس کے فائدے دیکھتے بہروں کے کانوں میں بھی اس کے فائدے پہنچ جاتے، ہر سال کالج ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں کھینچ لاتا، اور لاکھوں غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی بزرگی کا سکہ بٹھا دیتا۔ مگر براہو جہالت کا، جاہلوں کے ہاتھ پر کرکتنی بیش قیمت چیز کس بڑی طرح ضائع ہو رہی ہے۔

حج کے پورے فائدے حاصل ہونے کے لیے ضروری تھا کہ مرکز اسلام میں کوئی ایسا ہاتھ ہوتا جو اس عالمگیر طاقت سے کام لیتا، کوئی ایسا دل ہوتا جو ہر سال تمام دنیا کے جسم میں صالح خون دوڑاتا رہتا، کوئی ایسا دماغ ہوتا جو ان لاکھوں خدا وادقا صدموں کے واسطے سے دنیا بھر میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش کرتا، اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ہی ہوتا کہ وہاں خالص اسلامی زندگی کا ایک مکمل نمونہ موجود ہوتا اور ہر سال دنیا کے مسلمان وہاں سے صحیح دینداری کا تازہ سبق لے کر پلٹتے۔ مگر وائے افسوس کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ یہ تھا سہ دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ نالائق حکمران اپنے دین کے مرکز میں رہنے والوں کو ترقی دینے کے بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اور انھوں نے اہل عرب کو علم، اخلاق، تمدن، ہر چیز کے اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ مغربین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی ہے، لوگ دور دور سے بڑی گہری عقیدتیں لیے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں، مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب برطانت ان کو جہالت، گندگی، طس، بے حیائی، دنیا پرستی، بد اخلاقی، بد انتظامی



انہاں

دور

دور

م کے

لبرابو

نی ایسا

جسم میں

حج واسطے

ہوتا کہ

سے صحیح

سے عرب

فی دین کے

ب کو علم

کہ وہ نہیں

ہے جس میں

اسلامی زندگی

مگر اس علاقہ

جدا تنگانی

اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طمس پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور اٹھا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی ہنٹ گری جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ختم کیا تھا، اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح ہنٹ بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھرانے کے بیٹے جاندار بن گیا ہے اور اس گھر سے عقیدت رکھتے والوں کو وہ اسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی سختیاں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ اسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں۔ ہر سال اجیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلاؤں اور سفری ایجنٹوں کا کہہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے اسامیوں کو گھیر لائے۔ قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو ناسنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے، نہ اس لیے کہ انھیں خدا کا عائد کیا ہوا فرض یا دولا یا جائے، بلکہ صرف اس لیے کہ ان کا کام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے۔ گویا اللہ اور اس کے رسول نے یہ سارا کاروبار اپنی ہمتوں اور ان کے دلاؤں کی پرورش کے لیے پھیلا دیا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لیے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مزدور اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلم، مطوف، وکیل، مطوف، کلید بردار، کعبہ، اور خود حکمران، حجاز، سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں۔ حج کے سارے مناسک معاوضہ لے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے خانہ کعبہ کا دروازہ تک نفیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ نفوذ باللہ من ذالک۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اس دین کے ام ہناد و غنڈگانوں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے جس نے ہنٹ گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو، جہاں عبادت گاہوں

کو ذریعہ آمدنی بنایا گیا ہو، جہاں احکام الہی کو اس غرض کے لیے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجالانے کے لیے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے روپیہ گھسیٹا جاتے، جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لیے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سادات ایک طرح سے خرید و فروخت کی منس بن گئی ہو، ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح آپ امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی اخلاقی و روحانی فائدے حاصل ہوں گے جب کہ یہ سارا کام ایک طرف سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو؟

اس ذکر سے میرا مقصد کسی کو الزام دینا نہیں ہے، بلکہ صرف آپ لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ حج جیسی عظیم الشان طاقت کو آج کن چیزوں نے قریب قریب بالکل بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ غلط فہمی کبھی کے دل میں نہ رہنی چاہیے کہ اسلام میں اور اس کے جاری کیے ہوئے طریقوں میں کوئی کوتاہی ہے۔ نہیں، کوتاہی دراصل ان لوگوں میں ہے جو اسلام کی صحیح پیروی نہیں کرتے۔ یہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ جو طریقے تم کو انسانیت کا مکمل نمونہ بنانے والے تھے اور جن پر ٹھیک ٹھیک عمل کر کے تم دنیا کے مصلح اور امام بن سکتے تھے، ان سے آج کوئی اچھا پھل ظاہر نہیں ہو رہا ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگوں کو خود ان طریقوں کے مفید ہونے میں شک ہونے لگا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک طیب ماذق چند بہترین تیر بہدت نئے مرتب کر کے چھوڑ گیا ہو اور بعد میں اس کے وہ نئے انارڈی اور جاہل جانشینوں کے ہاتھ پڑ کر بے کار بھی ہو رہے ہوں اور بدنام بھی۔ نئے بجا خود چاہے کتنا ہی صحیح ہو، مگر ہر حال اس سے کام لینے کے لیے فن کی واقفیت اور سمجھ بوجھ ضروری ہے۔ انارڈی اس سے کام لیں گے تو عجب نہیں کہ وہ غیر مفید ہی

انہیں بلکہ مقرر ہو جائے، اور جاہل لوگ، جو خود نسخے کو جانچنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ نسخہ خود ہی غلط ہے۔

معاذ  
س  
برتا  
وج  
اوں  
ا  
مان  
کر  
یک  
ام  
کا  
کے  
س  
عل  
دا  
ن  
ن کی  
ہی



## جہاد و فتنہ گروہیہ

برادران اسلام! پچھلے خطبوں میں بار بار میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ نماز روزہ، اور یہ حج اور زکوٰۃ جہنم کے دروازے ہیں اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے، یہ ساری چیزیں دوسرے مذہبوں کی عبادات کی طرح پوجا پاٹ اور ذریعہ زور و جبر کی نہیں ہیں کہ بس آپ ان کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے گا۔ بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کے لیے تیار کرنے اور ایک بڑے کام کے لیے آپ کی تربیت کرنے کی خاطر فرض کی گئی ہیں۔ اب جو کمزور اس تربیت اور اس تیاری کے ڈھنگ کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، اس لیے وقت آگیا ہے کہ آپ کو یہ بتایا جائے کہ وہ مقصد کیا ہے جس کے لیے یہ ساری تیاری ہے۔

مختصر الفاظ میں تو صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وہ مقصد انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدا کے واحد کی حکومت قائم کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے سر دھڑکی بازی لگا دیتے اور جان و مال قربان کرنے کا نام جہاد ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لیے ہیں لیکن چونکہ آپ لوگ مدتہائے دراز سے اس مقصد کو اس کام کو بھول چکے ہیں، اور ساری عبادتیں آپ کے لیے محض تصوف بن کر رہ گئی ہیں، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس ذلت فقرے میں جو مطلب میں نے ادا کیا ہے اسے آپ ایک مہم سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں ہوں گے۔ اچھا تو ایسے اب آپ کے سامنے اس مقصد کی تشریح کروں۔

دنیا میں پستی خرابیاں دیکھتے ہیں ان سب کی جڑ دراصل حکومت کی خرابی ہے۔ طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ قانون حکومت بناتی ہے۔ انتظام کے سارے امتیازات حکومت کے قبضہ

میں ہوتے ہیں۔ پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ لہذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلی ہے، وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلی ہے، کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حکومت ہی کے پاس ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑے سے ہو رہی ہے اور علانیہ کوٹھوں پر یہ کاروبار جاری ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیار ان جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے، وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں، ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑے سے چل نہیں سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سود خواری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مالدار لوگ غریبوں کا خون چوسے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ حکومت خود سود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے۔ اس کی عدالتیں سود خواروں کو ڈگریاں دیتی ہیں اور اس کی حمایت ہی کے بل پر یہ بڑے بڑے سامو کارے اور بینک چل رہے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بد اخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ کس لیے؟ محض اس لیے کہ حکومت نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا ایسا ہی انتظام کیا ہے اور اس کو اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے پسند ہیں جو آپ کو نظر آرہے ہیں۔ کسی دوسرے طرز کی تعلیم و تربیت سے آپ کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار کر بھی دیں تو وہ کھیں گے کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھیت کے میدان تو سارے کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بے حد حساب خوں ریزی ہو رہی ہے، انسان کا علم اس کی تباہی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، انسان کی تخت کے پھل آگ کی نذر کیے جا رہے ہیں، اوبیش قیمت جانیں مٹی کے ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ ضائع کی جا رہی ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شمر پر اور بد نفس تھے وہ دنیا کی توبوں کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک ہیں۔ تو ان کے ہاتھ میں ہے، اس لیے وہ دنیا کو جھڑپا رہے

آئی

یہ نماز

ہے یہ

میں کہ

سے مقصد

جو کہیں

ایکایک

حکومت

نہ توڑ کر

میں لیکن

وہی آپ

بے

سے

سے مقصد

اور دولت

کے قبضہ

ہیں، اسی طرف دنیا چل رہی ہے۔ علم، دولت، محنت، جان، ہر چیز کا جو مصرف انھوں نے تجویز کیا ہے اُسی میں ہر چیز صرف ہو رہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے، کمزور کے لیے کہیں انصاف نہیں، غریب کی زندگی دشوار ہے، عدالتیں نیچے کی دکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف خریدنا جاسکتا ہے، لوگوں سے بے حساب ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں اور افسروں کی خرابانہ تنخواہوں پر بڑی بڑی عمارتوں پر بڑائی کے گوردہ بارود پر اور ایسی دوسری فضول خرچیوں پر اڑا دیے جاتے ہیں۔ ساحوکار، زمیندار، راجہ اور رئیس، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار غلامین، اگر کسی نشین پیر اور مہنت سینا پکینیوں کے مالک شہر کے تاجر، فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے، جوئے کا کاروبار چلانے والے، اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلق خدا کی جان، مال، عزت، اخلاق ہر چیز کو تباہ کر رہے ہیں اور کوئی ان کو روکنے والا نہیں۔ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے۔ طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ خراب ہیں۔ وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں اور جو ظلم بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے ہونے کے خواہشمند یا کم از کم روادار ہیں۔

ان مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا، اخلاق کا بگڑنا، انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا، کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے بڑے طور طریق کار و واج پانا، ظلم و ستم اور بد اعمالیوں کا پھیلنا اور خلق خدا کا تباہ ہونا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کچیاں غلط ہاتھوں میں ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی، اور جب خلق خدا کا رزق انہی کے تصرف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے، بلکہ بگاڑ کی ہر صورت ان کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے، کسی چیز کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ یہ بات جب آپ کے ذہن نشین ہوگئی تو یہ سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے کہ خلق خدا کی اصلاح



کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کے لیے ہیں  
 کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے مہمونی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ  
 سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی دھنک کہا جائے زنا کا  
 بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے زبردستی زنا کو بند کر دیا جائے تو لوگ  
 خود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ شراب، جوا، سود، رشوت، فحش تماشے، بے حیائی  
 کے لباس، بد اخلاقی بنانے والی تعلیم، اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ دغلوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی  
 ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور کی جاسکتی ہیں جو لوگ خلق خدا کو لوٹتے اور اخلاق کو  
 تباہ کرتے ہیں ان کو آپ محض پسند و نصیحت سے چاہیں کہ اپنے فائدوں سے ہاتھ دھو لیں تو یہ کسی طرح  
 ممکن نہیں۔ ہاں اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ بزور اُن کی شرارتوں کا خاتمہ کر دیں تو ان ساری چیزوں کا  
 انسداد ہو سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ بند گان خدا کی محنت، دولت، ذہانت و قابلیت قلعہ راستوں  
 میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو، انسان انسان  
 کا خون نہ چوسے نہ بہائے، دے اور کرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں، اور تمام انسانوں کو یکساں عزت،  
 امن، خوش حالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں، تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتا، البتہ  
 حکومت کا زور آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے جس کو سمجھنے  
 کے لیے کچھ بہت زیادہ غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاح خلق کی کوئی ایکم بھی حکومت کے اختیارات  
 پر قبضہ کیے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ  
 چاہتا ہو کہ خلق خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لیے محض واعظ اور ماصح بن کر کام کرنا مقصود ہے۔ اُسے ٹھنڈا  
 چاہیے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے، غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور  
 صحیح طریقہ کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔

سی

با

نصرت

بڑی

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

تین

یہ مکتہ سمجھ لینے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ بند گان خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھلتی ہیں ان کی جڑ حکومت کی خرابی ہے، اور اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اس بڑکی اصلاح کی جائے۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس خرابی کی جڑ کہاں ہے؟ اور اس میں کوئی بنیادی اصلاح کی جائے کہ وہ برائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خرابی کی جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے، اور اصلاح کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ انسان پر خدا کی حکومت ہو۔ اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب سن کر آپ تعجب نہ کریں۔ اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے ہی جواب آپ کو ملے گا۔

ذرا غور تو کیجیے یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں، یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی؟ یہ انسان جو زمین پر بستے ہیں ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ یہ بے شمار ایسا پ زنجی جن کے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انھیں خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ملک خدا کا ہے، دولت خدا کی ہے اور رعیت بھی خدا کی ہے۔ پھر جب معاملہ یہ ہے تو آخر کوئی دوسرا اس کا حقدار کیسے ہو گا کہ خدا کے ملک میں اپنا حکم چلائے؟ آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا کی رعیت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو؟ ملک کسی کا ہو اور حکم دوسرے کا پہلے ملکیت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے، رعیت کسی کی ہو اور اس پر فرماں روائی دوسرا کرے، یہ بات آپ کی عقل کیسے قبول کر سکتی ہے؟ ایسا ہونا تو مرتع حق کے خلاف ہے اور چونکہ یہ حق کے خلاف ہے اس لیے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ بُرا ہی نکلتا ہے۔ جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں، اور کچھ اپنی نفسا

خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ اول تو ان کے پاس اتنا علم ہی نہیں ہوتا کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے صحیح قاعدے اور قانون بناسکیں، اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہو کر لامحالہ وہ منتشر رہے ہمارے بن جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو، جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے، جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اوپر کوئی نہیں جو مجھ سے بوجھ گچھ کرنے والا ہو وہ طاقت اور اختیارات پا کر منتشر رہے ہمارے بنے گا تو اور کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں جب لوگوں کی جابتیں اور ان کے مال اس کی ٹھکی میں ہوں، جب ہزاروں لاکھوں سراسر اس کے ظلم کے آگے جھک رہے ہوں، تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ جائے گا؟ کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہو گا؟ کیا آپ سیدر رکھتے ہیں کہ وہ حق مارنے، حرام کھانے اور بند گارن خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص خود بھی سیدر سے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھا چلائے؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے۔ ہزار ہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ آج اپنی آنکھوں سے آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پا کر کس قدر ظالم، خائن اور بد راہ ہوتے ہیں۔

لہذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو۔ اس حکومت کو چلانے والے خود الملک الملک نہ بنیں بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کر کے اس کے نائب اور امین کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ حکومت کا قانون اس خدا کی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تفسیح کرنے



کے اختیارات کسی کو نہ ہوں تاکہ وہ انسانوں کی جہالت یا خود غرضی اور ناروا خواہشات کے دخل پا جانے سے بگڑ نہ جائے۔

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا بادشاہ (محض جیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ تسلیم کر لیں، اور اس قانون پر جو خدا نے اپنے نبی کے ذریعہ سے بھیجا ہے ایمان لے آئیں، ان سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اس کا قانون جاری کرنے کے لیے اٹھیں، اس کی رعیت میں سے جو لوگ باغی ہو گئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں ان کا زور توڑ دیں، اور اس کی رعیت کو دوسروں کی رعیت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو قانون برحق مان لیا۔ نہیں اس کو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عائد ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی تم ہو جس سرزمین میں بھی تمھاری حکومت ہو، وہاں خلق خدا کی اصلاح کے لیے اٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو، ماحدات رس اور شریعہ ہمارے ہمارے لوگوں سے قانون سازی اور فرماں روائی کا اقتدار چھین لو، اور بندہ گن خدا کی رہنمائی و سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق، آخرت کی ذمہ داری و جواب دہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے، حکومت کے معاملات انجام دو۔ اسی کوشش اور اسی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔

لیکن حکومت اور فرماں روائی جیسی کچھ بدلا ہے ہر شخص اس کو جانتا ہے۔ اس کے حاصل ہوتے کا خیال کرتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اٹھنے لگتے ہیں۔ خواہشات نفسانی یہ چاہتی ہیں کہ زمین کے خزانے اور خلق خدا کی گردیں اپنے ہاتھ میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔ حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا ان اختیارات کے ہاتھ آ جانے کے بعد خدا بننے سے بچنا اور بندہ خدا بن کر کام کرنا مشکل ہے۔ پھر بھلا فائدہ کیا ہوا اگر فرعون کو پٹا کر تم خود فرعون بن گئے؟ لہذا

اس شدید آزمائش کے کام کی طرف بلانے سے پہلے اسلام تم کو اس لیے تیار کرنا ضروری سمجھتا ہے تم کو حکومت کا دعویٰ نہ کر اٹھنے اور دنیا سے لڑنے کا حق اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچتا جب تک تمہارے دل سے خود غرضی اور فسانیت نکل نہ جائے۔ جب تک تم میں اتنی پاک نفسی پیدا نہ ہو جائے کہ تمہاری لڑائی اپنی ذاتی یا قومی اغراض کے لیے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خلق اللہ کی اصلاح کے لیے ہو۔ اور جب تک تم میں یہ صلاحیت مستحکم نہ ہو جائے کہ حکومت پا کر تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ خدا کے قانون کی پیروی پر ثابت قدم رہ سکو۔ محض یہ بات کہ تم کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہو انھیں اس کا سختی نہیں بنا دیتی کہ اسلام تمہیں خلق خدا پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دے، اور پھر تم خدا اور رسول کا نام لے لے کر وہی سب حرکتیں کرنے لگو جو خدا کے باغی اور ظالم لوگ کرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ اتنی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے تم کو حکم دیا جائے اسلام یہ ضروری سمجھتا ہے کہ تم میں وہ طاقت پیدا کی جائے جس سے تم اس بوجھ کو ہار سکو۔

یہ نماز اور روزہ اور یہ زکوٰۃ اور حج دراصل اسی تیاری اور تربیت کے لیے ہیں۔ جس طرح تمام دنیا کی سلطنتیں اپنی فوج، پولیس، اور سول سروس کے لیے آدمیوں کو پہلے خاص قسم کی ٹریننگ دیتی ہیں پھر ان سے کام لیتی ہیں، اسی طرح اللہ کا دین (اسلام) بھی ان تمام آدمیوں کو جو اس کی ملازمت میں بھرتی ہوں، پہلے خاص طریقہ سے تربیت دیتا ہے، پھر ان سے جہاد اور حکومت الہی کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کی سلطنتوں کو اپنے آدمیوں سے جو کام لینا ہوتا ہے اس میں اخلاق اور نیک نفسی اور خدا ترسی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے وہ انھیں صرف کارواں بنانے کی کوشش کرتی ہیں خواہ وہ کیسے ہی زانی، شرابی، بے ایمان اور بدفلس ہوں۔ مگر دین الہی کو جو کام اپنے آدمیوں سے لینا ہے وہ چونکہ سارا کا سارا ہے ہی اخلاقی کام اس لیے وہ انھیں کارواں بنانے سے زیادہ اہم اس بات کو سمجھتا ہے کہ انھیں خدا ترس اور نیک نفس بنائے۔ وہ ان میں اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جب وہ زمین میں خدا کی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھیں تو اپنے دعوے کو سچا کر کے دکھاسکیں۔

وہ لڑیں تو اس لیے نہ لڑیں کہ انھیں خود اپنے واسطے مال و دولت اور زمین درکار ہے، بلکہ ان کے عمل سے ثابت ہو جائے کہ ان کی لڑائی خدا کی رضا کے لیے اور اس کے بندوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ وہ فتح پائیں تو تکبر و سرکش نہ ہوں بلکہ ان کے سر خدا کے آگے جھکے ہوئے رہیں۔ وہ حاکم بنیں تو لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں بلکہ خود بھی خدا کے غلام بن کر رہیں اور دوسروں کو بھی خدا کے سوا کسی کا غلام نہ رہنے دیں۔ وہ زمین کے خزانوں پر قابض ہوں تو اپنی یا اپنے خاندان والوں یا اپنی قوم کے لوگوں کی عینیں نہ بھرنے لگیں۔ بلکہ خدا کے رزق کو اس کے بندوں پر انصاف کے ساتھ تقسیم کریں اور ایک سچے امانت دار کی طرح یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ کوئی آنکھ نہیں سر حال میں دیکھ رہی ہے اور اوپر کوئی ہے جسے ہم کو ایک ایک پانی کا حساب دینا ہے۔ اس تربیت کے لیے ان عبادتوں کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اور جب سلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے، تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں، اب تم روٹے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو، اب آگے بڑھو، مگر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کرو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں فوج، پولیس، عدالت، جیل، تحصیل داری، ٹیکس کلکٹری، اور تمام دوسرے سرکاری کام ایسے اہل کاروں اور عمدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں جو سب کے سب خدا سے ڈرنے والے اور آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھنے والے ہوں اور جہاں حکومت کے سارے قاعدے اور ضابطے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر قائم ہوں جس میں بے انصافی اور نادانی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے اور جہاں بدی و بدکاری کی چھبوت کا بروقت تدارک کر دیا جائے اور نیکی و نیکو کاری کی ہر بات کو حکومت اپنے روپے اور اپنی طاقت سے پروان چڑھانے کے لیے مستعد رہے، ایسی جگہ خلق خدا کی بہتری کا کیا حال ہو گا۔ پھر آپ ذرا غور کریں تو یہ بات بھی آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ ایسی حکومت جب کچھ مدت تک کام کر کے لوگوں کی گڑبی ہوئی عادتوں کو درست کر دے گی، جب وہ حرام خوری،



بدکاری، ظلم، بے حیائی اور برا خلقی کے سارے رستے بند کر دے گی، جب وہ غلط قسم کی تعلیم و تربیت کا اثر ادا کرے صحیح تعلیم و تربیت سے لوگوں کے خیالات ٹھیک کر دے گی، اور جب اس کے ماتحت عمل و انصاف، امن و امان، اور نیک طواری و خوش اخلاقی کی پاک صفات فضا میں لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا تو وہ آنکھیں جو بدکار اور ناخدا ترس لوگوں کی سرداری میں مدت ہائے دراز تک رہنے کی وجہ سے اندھی ہو گئی تھیں، رفتہ رفتہ خود ہی حق کو دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہو جائیں گی، وہ دل بین پر صدیوں تک بد اخلاقیوں میں گھرے رہنے کی وجہ سے زنگ کی تہیں چڑھ گئی تھیں، آہستہ آہستہ خود ہی آئینے کی طرح صفات ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سچائی کا کس قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اُس وقت لوگوں کے لیے اس بیدھی سی بات کا سمجھنا اور مان لینا کچھ بھی مشکل نہ ہے گا کہ حقیقت میں اللہ ہی ان کا خدا ہے اور اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ وہ اس کی بندگی کریں، اور یہ کہ واقعی وہ پیغمبر ہے تھے جن کے ذریعہ سے ایسے صحیح قوانین ہم کو ملے۔ آج جس بات کو لوگوں کے دماغ میں اتنا زناخت شکل نظر آتا ہے، اُس وقت وہ خود دماغوں میں اترنے لگے گی۔ آج تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے جس بات کو نہیں سمجھایا جاسکتا۔ اس وقت وہ ایسی آسانی سے سمجھیں آئے گی کہ گویا اس میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔ جو لوگ اپنی آنکھوں سے اس فرق کو دیکھ لیں گے کہ انسان کے خود گھڑا ہوئے طریقوں پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے۔ اور خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر اسی دنیا کے کام چلائے جاتے ہیں تب کیا کیفیت ہوتی ہے، ان کے لیے خدا کی توجید اور اس کے پیغمبر کی صداقت پر ایمان لانا آسان اور ایمان نہ لانا مشکل ہو جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے بھول اور کانٹوں کا فرق محسوس کر لینے کے بعد بھول کا انتخاب کرنا آسان اور کانٹوں کا چننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسلام کی سچائی سے انکار کرنے اور کفر و شرک پر اڑے رہنے کے لیے بہت ہی زیادہ ہٹ دھرمی کی ضرورت ہوگی، اور شکل سے ہزاریں دس پانچ ہی آدمی ایسے نکلیں گے جن میں اتنی زیادہ ہٹ دھرمی

بلکہ ان

رح و بہود

دہ حاکم

ا کے سوا

اپنی قوم

تعمیم کریں

اور اوپر

لوئی دیکھ

سے کہتا

رہا کر خدا

تمام دور

ڈرنے

اور ضابطہ

ہے اور

حکومت

ری کا کیا

حکومت

خوری

موجود ہو۔

بھائیو! اب مجھے امید ہے کہ تم نے بھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ یہ ساز اور وزہ امریہ ج اور زکوٰۃ کی  
غرض کے لیے ہیں۔ تم اب تک یہ سمجھ رہے ہو اور دونوں سے تم کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا ہے کہ یہ  
عبادتیں محض پویا پاٹ کی قسم کی چیزیں ہیں، انھیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ یہ ایک بڑی خدمت کی تیاری کے  
لیے ہیں۔ اسی وجہ سے تم فیر کی مقصد کے ان رسموں کو ادا کرتے رہے اور اس کام کے لیے کبھی تیار ہونے  
کا خیال تک تھا رسے دلوں میں نہ آیا جس کے لیے دراصل انھیں مقرر کیا گیا تھا۔ مگر اب میں تمہیں بتاتا ہوں  
کہ جس دل میں جہاد کی نیابت ہو اور جس کے پیش نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں۔  
ان جتنی سنی عبادت گزاروں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں طاکر  
تم خود دیکھ لو گے کہ انہوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا!



# جہاد کی اہمیت

برادران اسلام! اس سے پہلے ایک مرتبہ میں آپ کو دین اور شریعت اور عبادت کے معنی بتا چکا ہوں۔ اب ذرا پھر اس مضمون کو اپنے داغ میں تازہ کر لیجیے۔

دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔

شریعت قانون کو کہتے ہیں۔

عبادت سے مراد بندگی ہے۔

جب آپ کسی کی اطاعت میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا تو گویا آپ نے اس کا دین قبول کیا۔ پھر جب وہ آپ کا حاکم ہوا اور آپ اس کی رعایا بن گئے تو اس کے احکام اور اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطے آپ کے لیے قانون یا شریعت ہوں گے۔ اور جب آپ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں گے، جو کچھ وہ طلب کرے گا حاضر کر دیں گے، جس بات کا وہ حکم دے گا اسے بجالائیں گے، جن کاموں سے منع کرے گا ان سے ٹک جائیں گے، جن حدود کے اندر رہ کر کام کرنا وہ آپ کے لیے جائز ٹھہرائے گا انہی حدود کے اندر آپ رہیں گے، اور اپنے آپس کے تعلقات و معاملات اور مقدمات اور قفعیوں میں اسی کی ہدایت پر چلیں گے اور اسی کے فیصلے پر سر جھکائیں گے، تو آپ کے اس رویے کا نام بندگی یا عبادت ہو گا۔

اس تشریح سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دین دراصل حکومت کا نام ہے، شریعت اس حکومت کا قانون ہے، اور عبادت اس کے قانون اور ضابطہ کی پابندی ہے۔ آپ جس کسی کو حاکم مان کر اس کی حکومت قبول کرتے ہیں، دراصل آپ اس کے دین میں داخل ہوتے ہیں، اگر آپ کا وہ حاکم اللہ ہے تو آپ دین

تذکرہ کس

ہے کہ یہ

اری کے

بار ہونے

س بتانا ہوں

معنی ہیں۔

نے ان حاکم



الہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی بادشاہ ہے تو آپ دین بادشاہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی خاص قوم ہے تو آپ اسی قوم کے دین میں داخل ہوئے، اور اگر وہ خود آپ کی اپنی قوم یا آپ کے وطن کے جہور ہیں تو آپ دین جہور میں داخل ہوئے، غرض جس کی اطاعت کا قلاہ آپ کی گردن میں ہے فی الواقع اسی کے دین میں آپ ہیں، اور جس کے قانون پر آپ عمل کر رہے ہیں دراصل اسی کی عبادت کر رہے ہیں۔ یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو بغیر کسی دقت کے یہ سیدھی سی بات بھی آپ سمجھ سکے ہیں کہ انسان کے دو دین کی طرح نہیں ہو سکتے، کیونکہ مختلف حکمرانوں میں سے بہر حال ایک ہی کی اطاعت آپ کر سکتے ہیں، مختلف قانونوں میں سے بہر حال ایک ہی قانون آپ کی زندگی کا ضابطہ بن سکتا ہے، اور مختلف مجبوروں میں سے ایک ہی کی عبادت کرنا آپ کے لیے ممکن ہے۔ آپ کہیں گے کہ ایک صورت یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ قبیہ میں ہم ایک کو حاکم مانیں اور واقعہ میں اطاعت دوسرے کی کریں، پوجا اور پرستش ایک کے آگے کریں اور بندگی دوسرے کی بجالائیں، اپنے دل میں عقیدہ ایک قانون پر رکھیں اور واقعہ میں ہماری زندگی کے سارے معاملات دوسرے قانون کے مطابق چلتے رہیں۔ میں اس کے جواب میں عرض کروں گا بے شک یہ ہوتا سکتا ہے، اور سکتا کیسا مافی الجہر رہے، مگر یہ بے شرک اور بے شرک سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے حقیقت میں تو آپ اسی کے دین پر ہیں جس کی اطاعت واقعی آپ کر رہے ہیں، پھر یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہے کہ جس کی اطاعت آپ نہیں کر رہے ہیں اُس کو اپنا حاکم اور اس کے دین کو اپنا دین کہیں؟ اور اگر زبان سے آپ کہتے بھی ہیں یا دل میں ایسا سمجھتے بھی ہیں تو اس کا فائدہ اور اثر کیا ہے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس کی شریعت پر ایمان لائے ہیں بالکل ہی بے معنی ہے جبکہ آپ کی زندگی کے تمام معاملات اس کی شریعت کے دائرے سے نکل گئے ہوں اور کسی دوسری شریعت پر چل رہے ہوں۔ آپ کا یہ کہنا کہ ہم قلاں کو مجبور مانتے ہیں، اور آپ کا اپنے ان سروں کو جو گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں، سجدے میں اس کے آگے زمین پر ٹیک دینا، بالکل ایک مصنوعی فعل بن کر رہ جاتا ہے جبکہ آپ واقعہ میں بتدگی دوسرے کی کر رہے ہوں حقیقت میں آپ کا مجبور تو وہ ہے اور آپ

در اصل عبادتِ الہی کی کرپہ ہے جس کے علم کی آپتھیل کرتے ہیں، جس کے منہ کرنے سے آپ رکتے ہیں جس کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر آپ کام کرتے ہیں جس کے مقرریہ ہوئے طریقوں پر آپ چلتے ہیں جس کے ضابطے کے مطابق آپ دوسروں کا مال لیتے اور اپنا مال دوسروں کو دیتے ہیں جس کے فیصلوں کی طرف آپ اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہیں جس کی شریعت پر آپ کے باہمی تعلقات کی تنظیم اور آپ کے درمیان حقوق کی تقسیم ہوتی ہے، اور جس کی طلبی پر آپ اپنے دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں کی ساری قوتیں، اور اپنے کمائے ہوئے مال اور آخر کار اپنی جانیں تک پیش کر دیتے ہیں۔ پس اگر آپ کا عقیدہ کچھ ہو اور واقعہ اس کے خلاف ہو، تو اصل چیز واقعہ ہی ہو گا۔ عیسائے کے لیے اس صورت میں سرے سے کوئی جگہ نہ ہوگی، نہ ایسے عقیدے کا کوئی وزن ہی ہو گا۔ اگر واقعہ میں آپ دین بادشاہ پر ہوں تو اس دین امد کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی، اگر واقعہ میں آپ دین جمہور پر ہوں یا دین انگریز یا دین ملک و وطن پر ہوں تو اس میں بھی دین امد کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اور اگر فی الواقع آپ دین امد پر ہوں تو اسی طرح اس میں بھی کسی دوسرے دین کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ بہر حال یہ خوب سمجھ لیجیے کہ شرک جہاں بھی ہو گا، جھوٹ ہی ہو گا۔

یہ نکتہ بھی جب آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو بغیر کسی لمبی چوڑی بحث کے آپ کا دماغ خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ دین، خواہ کوئی سا بھی ہو، لامحالہ اپنی حکومت چاہتا ہے۔ دین جمہوری ہو یا دین بادشاہی، دین اشتراکی ہو یا دین الہی، یا کوئی اور دین، بہر حال ہر دین کو اپنے قیام کے لیے خود اپنی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت کے بغیر دین بالکل ایسا ہے جیسے ایک عمارت کا نقشہ آپ کے دماغ میں ہو، مگر عمارت زمین پر موجود نہ ہو ایسے دماغی نقشہ کے ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے جب کہ آپ رہیں گے اس عمارت میں نہ فی الواقع موجود ہوگی؟ اسی کے دروازے میں آپ داخل ہوں گے اور اسی کے دروازے سے نکلیں گے۔ اسی کی چھت اور اسی کی دیواروں کا سایہ آپ پر ہو گا۔ اسی کے نقشہ پر آپ کو اپنی سکونت کا سارا انتظام کرنا ہو گا۔ پھر بھلا ایک نقشہ کی عمارت میں رہتے ہوئے آپ کا کسی دوسرے طرز یا دوسرے نقشے کی عمارت اپنے ذہن

میں رکھنا، یا اس کا محض منتظر ہو جانا آخر معنی ہی کیا رکھتا ہے؟ وہ خیالی عمارت آپ کے ذہن میں ہوگی اور آپ خود اس واقعی عمارت کے اندر ہوں گے جو زمین پر بنی ہوئی ہے۔ عمارت کا لفظ داغ والی عمارت کے لیے تو کوئی بولتا نہیں ہے، نہ ایسی عمارت میں کوئی رہ سکتا ہے۔ عمارت تو کہتے ہی اس کو ہیں، اور آدمی رہ اسی عمارت میں سکتا ہے جس کی بنیادیں زمین میں ہوں اور جس کی چھت اور دیواریں زمین پر قائم ہوں۔ بالکل اسی مثال کے مطابق کسی دین کے حق پرستوں کا محض اعتقاد کوئی معنی نہیں رکھتا اور ایسا اعتقاد حاصل ہے جب کہ لوگ عملاً ایک دوسرے دین میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ جس طرح خیالی نقشہ کا نام عمارت نہیں ہے، اسی طرح خیالی دین کا نام بھی دین نہیں ہے۔ اور خیالی عمارت کے طرح کوئی شخص <sup>موجود</sup> دین میں بھی نہیں رہ سکتا۔ دین وہی ہے جس کا اقتدار زمین میں قائم ہو، جس کا قانون چلے، اور جس کے ضابطے پر زندگی کے معاملات کا انتظام ہو۔ لہذا ہر دین میں اپنی قدرت ہی کے لحاظ سے اپنی حکومت کا تقاضا کرتا ہے، اور دین ہوتا ہی اسی لیے ہے کہ جس اقتدار کو وہ تسلیم کرنا چاہتا ہے اسی کی عبادت لازمہ بندگی ہو اور اسی کی شریعت نافذ ہو۔

مثال کے طور پر دیکھیے۔

دین جمہور کا کیا مفہوم ہے؟ یہی کہ ایک ملک کے عام لوگ خود اپنے اقتدار کے مالک ہوں، ان پر خود انہی کی بنائی ہوئی شریعت چلے، اور ملک کے سب باشندے اپنے جمہوری اقتدار کی اطاعت و بندگی کریں۔ بتائیے یہ دین کیونکر قائم ہو سکتا ہے جب تک کہ ملک کا قبضہ واقعی جمہوری اقتدار کو حاصل نہ ہو جائے اور جمہوری شریعت نافذ نہ ہونے لگے؟ اگر جمہور کے بجائے کسی غیر قوم کا یا کسی بادشاہ کا اقتدار ملک میں قائم ہو اور اسی کی شریعت چلے تو دین جمہوری کہاں رہا؟ کوئی شخص دین جمہوری پر اعتقاد رکھتا ہو تو رکھا کرے، جب تک بادشاہ کا یا غیر قوم کا دین قائم ہے، دین جمہوری کی پیروی تو وہ نہیں کر سکتا۔

دین پادشاہی کو لیجیے۔ یہ دین جس بادشاہ کو بھی حاکم اعلیٰ قرار دیتا ہے اسی لیے تو قرار دیتا ہے



کہ اطاعت و عبادت اس کی ہو اور شریعت اس کی نافذ ہو۔ اگر یہی بات نہ ہوئی تو بادشاہ کو بادشاہ ماننے اور اسے حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا ہوتے؟ دین جمہور چل پڑا ہو یا کسی دوسری قوم کی حکومت قائم ہو گئی ہو تو دین بادشاہی رہا کب کہ کوئی اس کی پیروی کر سکے۔

دور نہ جاسیے اسی دین انگریز کو دیکھ لیجیے جو اس وقت ہندوستان کا دین ہے۔ یہ دین اسی وجہ سے تو چل رہا ہے کہ تفریبات ہند اور ضابطہ دیوانی انگریزی طاقت سے نافذ ہے۔ آپ کی زندگی کے سارے کاروبار انگریز کے مقرر کردہ طریقہ پر انجام پاتے ہیں اور آپ سب اسی کے حکم کے آگے سیر اطاعت جھکا رہے ہیں۔ جب تک یہ دین اس قوت کے ساتھ قائم ہے، آپ خواہ کسی دین کے معتقد ہوں، بہر حال اس کے پیرو کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن اگر تفریبات ہند اور ضابطہ دیوانی چلنا بند ہو جائے اور انگریز کے حکم کی اطاعت و بندگی نہ ہو تو بتائیے کہ دین انگریز کا کیا ہوگا؟ باقی رہ جاتا ہے؟

ایسا ہی معاملہ دین اسلام کا بھی ہے۔ اس دین کی بنیاد ہے کہ زمین کا مالک اور انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے لہذا اسی کی اطاعت اور بندگی ہونی چاہیے اور اسی کی شریعت پر انسانی زندگی کے سارے معاملات چلنے چاہئیں۔ یہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا اصول جو اسلام پیش کرتا ہے یہ بھی اسی غرض کے لیے ہے، اور اس کے سوا کوئی دوسری غرض اس کی نہیں ہے کہ زمین میں صرف اللہ کا حکم چلے، عدالت میں فیصلہ اسی کی شریعت پر ہو، پولیس اسی کے احکام جاری کرے، لین دین اسی کے ضابطے کی پیروی میں ہو، ٹیکس اسی کی مرضی کے مطابق لگائے جائیں اور انہی مصارف میں صرف ہوں جو اس نے مقرر کیے ہیں، سول سروس اور فوج اسی کے زیر حکم ہو، تقویٰ اور خوف اسی سے کیا جائے، عفت اسی کی مطیع ہو، اور فی الجملہ انسان اس کے سوا کسی کے بندے بن کر نہ رہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ خالص الہی حکومت نہ ہو۔ کسی دوسرے دین کے ساتھ

ہن میں ہوگی اور  
، عمارت کے لیے  
فی رہ اسی عمارت  
بالکل اسی مثال  
، جب کہ لوگ علما  
، اسی طرح خیالی  
، ہے جس کا اقتدار  
ہو۔ ہندو دین  
لجس اقتدار کو وہ

ہوں، ان پر غور  
بندگی کریں۔  
عاصل نہ ہو جائے  
ہ کا اقتدار ملک  
ن پر اعتقاد رکھتا  
ی تو وہ نہیں

، تو قرار دیتا ہے

یہ دین شریعت کہاں قبول کر سکتا ہے؟ اور کونسا دین ہے جو دوسرے دین کی شریعت قبول کرتا ہو؟ ہر دین کی طرح یہ دین بھی کہتا ہے کہ اقتدار خالصاً، مخلصاً میرا ہونا چاہیے اور ہر دوسرا دین میرے مقابلہ میں مغلوب ہو جانا چاہیے، ورنہ میری پیر دی نہیں ہو سکتی۔ میں ہوں گا تو دین چھوڑی نہ ہوگا، دین بادشاہی نہ ہوگا، دین اشتراکی نہ ہوگا، کوئی بھی دوسرا دین نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا دین ہوگا تو میں نہ ہوں گا۔ اور اس صورت میں محض مجھے حق مان لینے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ یہی بات ہے جس کو قرآن بار بار دہراتا ہے۔ مثلاً:-

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ خَصَافَةً (البینہ)

لوگوں کو اس کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ سب سے سترے ہو کر اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کریں اور اسی کی عبادت کریں۔ دینی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کو پوری محض دین پر غالب کرے خواہ شرک کرنے والوں کو ایسا کرنا کتنا ہی ناگوار ہو۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكُوِّنَ لَكُمُ الْإِسْلَامُ كُفُونًا (التوبہ)

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ تم تنہا باقی نہ رہے اور دین مارا کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الانفال - ۵)

حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود ہی کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

إِنَّ أَوْلَى الْأُمَمِ بِاللَّهِ أَمَّا أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتُهُ (یوسف - ۵)

تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کی عبادت شریک نہ کرے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْلَمْ أَنَّ صَلَاتَهُ لِقَاءَ رَبِّهِ كُفُونًا (البکہف - ۱۲)

تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ

اَمْشَوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ  
يُرِيدُونَ اَنْ يَتَّخِذُوا كَمَوْلَانِ الطَّاغُوتِ وَ  
قَدْ اَمَرْنَا اَنْ يَكْفُرُوا بِهِ . . . . . وَمَا  
اَسْرَسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ  
اللّٰهِ (النساء - ۹)

کہ ہم ایمان لائے ہیں اس بڑے برکتی برکت اور حج سے پہلے کے  
نبیوں کی طرف ہماری گئی تھی اور پھر ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے معاملہ  
کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے  
کا حکم دیا گیا تھا . . . ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے تو بھیجا ہے  
کہ اللہ کے اذن کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

اوپر میں عبادت اور دین اور شرک کی جو تشریح کر چکا ہوں اس کے بعد آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی وقت  
نہ ہوگی کہ ان آیات میں قرآن کیا کہہ رہا ہے۔

اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اسلام میں جہاد کی اس قدر اہمیت کیوں ہے، دوسرے تمام  
دینوں کی طرح دین اللہ بھی محض اس بات پر مبنی نہیں ہو سکتا کہ آپ بس اس کے حق ہونے کو مان لیں اور  
اپنے اس اعتقاد کی علامت کے طور پر محض یہی پوجا پاٹ کر لیا کریں۔ کسی دوسرے دین کے ماتحت رہ کر آپ  
اس دین کی پیروی کر رہی نہیں سکتے کسی دوسرے دین کی شرکت میں بھی اس کی پیروی نا ممکن ہے۔ لہذا اگر آپ واقعی  
اس دین کو حق سمجھتے ہیں تو آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس دین کو زمین میں قائم کرنے کے لیے  
ایڑی چوٹی کا زور لگادیں اور یا تو اسے قائم کر کے چھوڑیں یا یہی کوشش میں جان دے دیں یہی کوئی ہے جس پر  
آپ کے ایمان و اعتقاد کی صداقت پر کبھی جا سکتی ہے۔ آپ کا اعتقاد سچا ہو گا تو آپ کو کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہوئے  
آرام کی نیند تک نہ آ سکے گی کیا کہ آپ اس کی خدمت کریں اور اس خدمت کی بوٹی مرے سے کھائیں اور آرام سے  
پاؤں پھیلانے سوئیں۔ اس دین کو حق مانتے ہوئے تو جو لمحہ آپ پر کسی دوسرے دین کی ماتحتی میں گزرے گا اس طرح گزرے گا  
کہ بستر آپ کے لیے کاٹوں کا بستر ہو گا، کھانا نہ ہو گا اور دین حق کو قائم کرنے کی کوشش کے بغیر آپ کو  
کسی کل حین نہ آ سکے گا۔ لیکن اگر آپ کو دین اللہ کے سوا کسی دوسرے دین کے اندر رہنے میں حین آنا ہو اور آپ اس حالت  
پر راضی ہوں تو آپ مومن ہی نہیں ہیں، خواہ آپ کتنی ہی دل لگا کر نمازیں پڑھیں، کتنے ہی لمبے لمبے مراقبے کریں، کتنی ہی قرآن

ن کی شرکت قبول کرتا  
چاہیے اور ہر دوسرے دین  
س ہوں گا تو دین ہماری  
ہو گا۔ اور اگر کوئی دین  
تیرے نہیں یہ بھی بات

نیں دیکھا کہ سب سے  
رہیں اور اسی کی عبادت کریں  
نہ اور دین حق کے ساتھ  
نہ خواہ شرک کرنے والا

باقی رہے اور دین مارا

بے اس کا حکم ہے کہ خدا

امید وار ہوا اس کو چاہیے

عبادت میں کسی دوسرے

عوئی تو یہ کرتے ہیں



وحدیت کی شرح فرمائیں، اور کتنا ہی اسلام کا فلسفہ بھکاریں یہ تو ان لوگوں کا معاملہ ہے جو دوسرے دین پر راضی ہوں۔ رسے وہ منافقین جو دوسرے دین کی خدمت سے گاری کرتے ہوں۔ یا کسی اور دین (مثلاً دین جبر) کو لانے کے لیے جہاد کرتے ہوں تو ان کے متعلق میں کیا کہوں؟ موت کچھ دوزخیں ہے، ادھ وقت جیسے گاتو جو کچھ کمائی انھوں نے دنیا کی زندگی میں کی ہے خدا خود ہی ان کے سامنے رکھ دے گا۔ یہ لوگ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تو سخت منافقت میں مبتلا ہیں عقل ہوتی تو ان کی سمجھ میں آ جاتا کہ ایک دین کو برحق ماننا اور اس کے خلاف دوسرے دین کے قیام میں حصہ لینا یا دوسرے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا، بالکل ایک دوسرے کی ضد میں، آگے اور پانی جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایمان باللہ کے ساتھ یہ عمل قطلاً و اتق نہیں ہو سکتا۔

قرآن اس سلسلہ میں جو کچھ کہتا ہے، وہ سب کا سب تو اس خطبہ میں کہاں نقل کیا جاسکتا ہے، مگر صرف چند چیزیں آپ کو سناتا ہوں۔

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَبْتَكَوْا أَنْ يَقُولُوا  
أَمْشَاهُمْ لَا يَقْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ  
فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ يَصْدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَافِرِينَ  
(الحكيت - ١)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلَئِن جَاء نَصْرٌ مِّنَ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ (الحكمت - ١)

کیا کہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ نفس یہ کہہ کر نہ ہم ایمان لائے جھوٹے  
جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ان سے پہلے بھی جس نے  
ایمان کا دعویٰ کیا ہے اس کو ہم نے آزمایا ہے پس ضرور ہے کہ اللہ رکھے  
کہ ایمان کے دعوے میں سے کون ہیں اور کون نہ کون۔

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ  
پر مگر بے اللہ کے رستے میں وہ ستیا گیا تو انسانوں کی سز سے ایسا  
ڈلا جیسے اللہ کے مذاق سے ڈرنا چاہیے۔ حالانکہ اگر سز سے رب کی طرف سے  
خارج آجائے تو وہی انکار کرے کہ تم تو حق سے سنا تھی تھے کیا اللہ جانتا نہیں  
ہے جو کہ لوگوں کے دلوں میں ہے؟ مگر وہ ضرور دیکھ کر کہے گا کہ تم  
کہن میں اور منافق کہن۔

[illegible]

دین پر راضی ہوں۔ یہ

یہ جہاد کرتے ہوں تو ان

تیا کی زندگی میں کی ہے

میں عقل ہوتی تو ان کی

سر سے دین کو قائم کرنے

کے ساتھ یہ عمل قطعاً منع

تھا ہے، اگر صرف بہت تیز

یکہ کر کے ایمان لائے چھوڑ دے

؟ حالانکہ ان سے پہلے بھی جس نے

مایا ہے پس ضرور ہے کہ اللہ دیکھے

میں اور چھوٹے کون۔

یہ جہاد ہے کہ ہر ایمان لائے اللہ

یا گیا تو انسانوں کی سزا سے اجزا

یہ۔ حالانکہ اگر تیرے رب کی طرف

اے ساتھی تھے کیا اللہ جانتا نہیں

یہ گروہ غرور دیکھ کر ہے لاکھوں

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا

كَانُوا عَلَيْهِ سَاحِقِينَ لَئِيْلَ الْخَائِبِينَ مِنَ الْغُلَبِ

قال عمران - ۱۰۰

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ تُتْرَكُوا أَنْ لَا يَكُونَ اللَّهُ

بِالَّذِينَ بَخَاوُكُمْ وَأَمْنَكُمْ وَكَهِنَتُمْ وَأَمْرًا دُونَ

اللَّهِ وَذَرَهُمْ سَوَاحِلَ الْأُمَمِ مَبْنِيٍّ وَلَئِنْ تَوَلَّوْا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ

عَلَيْهِمْ مِمَّا هُمْ فَعَلُوا وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ

بَرِحُوا مِنَ الْبَلَدِ وَأَنَّ حَرْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ

الْخَيْرُ مِنْكُمْ وَأَنَّ الْكَافِرِينَ يَمُوتُونَ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ

أَعْلَمُ بِمَا فِي الْأَكْدَانِ كَتَبَ اللَّهُ عَلَىٰ عَالَمِينَ أَلَمْ تَرَ

رَسُولِي أَنَّ اللَّهَ قَوَّيْتُ عَزْمِي (المجادا - ۳)

بينا المد طاقت واد زبردست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت خلاف ہرگز مومنوں کو کسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب

میں (کہ سچے اور چھوٹے ایمان ایمان خطا خطا ہیں) وہاں زمر ہے گاہر تک

خیریت اور طیب کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کرے۔

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ایسی اللہ نہیں

دیکھا کہ تم میں سے جہاد کھوں نے کیا اور کون میں تھیں نے اللہ رسول

اور مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے اندر وہ فی قتل نہیں رکھا۔

تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو ساتھ جیتے ہیں اس گروہ کا جس سے

اللہ ناراض ہے؟ یہ گنہ گار تھارے ہی ہیں تانہی کے ہیں..... یہ تو

شیطان کی پارٹی کے گنہ گار ہیں پھر خدا پر ہرگز شیطان کی پارٹی دے ہی ہمارا

رہنے چلے ہیں۔ یقیناً جو لوگ اللہ رسول کا مقابلہ کرتے ہیں (یعنی دین

حق کے قیام کے خلاف کام کرتے ہیں) وہ شکست کھانے والوں میں

ہوں گے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے

ان آیات میں قرآن مجید نے ان لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو دین حق کو قائم کرنے کی مشکلات خدا

نے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دین حق کو جب کبھی قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی، کوئی نہ کوئی دین باطل

متاوردہ کے ساتھ قائم شدہ تو پہلے سے موجود ہو گا ہی۔ طاقت بھی اس کے پاس ہو گی، الرزق کے خزانے بھی

کے قبضہ میں ہوں گے، اور زندگی کے سارے میدان پر وہی مسلط ہو گا۔ ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ کسی دوسرے

ن کو قائم کرنے کا معاملہ بہر حال پھولوں کی بیج تو نہیں ہو سکتا۔ آرام اور بہولت کے ساتھ، بیٹھے بیٹھے قدم چل کر یہ کام

بھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آپ چاہیں کہ جو کچھ فائدے دین باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے

ہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دین حق بھی قائم ہو جائے تو قطعاً محال ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہو گا کسی طرح ہو گا کہ آپ ان تمام حقوق کو، ان تمام قانون کو، اور ان تمام آسائشوں کو لانت مارنے کے لیے تیار ہو جائیں جو دین باطل کے ماتحت آپ کو حاصل ہوں، اور جو نقصان بھی اس مجاہد سے میں پہنچ سکتا ہے اس کو بہت کے ساتھ اٹھائیں کریں۔ جن لوگوں میں یکھکڑاٹھانے کی بہت ہو، جہاد فی سبیل اللہ انہی کا کام ہے، اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہو کر رہے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دین حق کی پیروی کرنا تو چاہتے ہیں مگر آرام کے ساتھ، تو ان کے لیے بڑھ بڑھ کر بولنا چاہیے نہیں۔ ان کا کام تو یہی ہے کہ آرام سے بیٹھے اپنے نفس کی خدمت کرتے رہیں اور حیب خدا کی راہ میں مصیبتیں اٹھائیں دے آخر کار اپنی قربانیوں سے دین حق کو قائم کر دیں تو وہ اگر کہیں اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ یعنی ہم تو تمھاری ہی جماعت کے آدمی ہیں، لا اواب ہمارا حصہ دو۔



میں نے دلا علی محمد دودی پر نثر و تبشیر نے مرکز اعلیٰ پریس، جیمیلین روڈ، لاہور میں چھپ کر دارالاسلام قسطنطنیہ سے شائع کیا